کلیسا اور آگ

نسیم حجازی

پرویز بک ڈپو — دہلی

"کلیسا اور آگ"

مصنف ــــــــــ نسیم حجازی

طابع ــــــــــ ارشد پرویز
مطبع ــــــــــ شرما آرٹ پریس

تعداد ــــــــــ چھ سو ۶۰۰
قیمت ــــــــــ اٹھارہ روپے ۱۸/-

☼

ملنے کا پتہ

نازپبلشنگ ہاؤس دِلّی

انتساب

دورِ حاضر کے رجلِ عظیم
شاہ فیصل بن عبدُالعزیز شہید رح
کے نام

جب وہ زندہ تھے تو میں نے ہمیشہ انھیں دُور سے دیکھا تھا۔ لیکن ان کی شہادت کے بعد میں یہ محسُوس کرتا ہوں کہ وہ میرے دل سے قریب تر تھے۔

نسیم حجازی

پیش لفظ

یہ کتاب ایک قوم کی المناک داستان کا آخری باب ہے جو قریباً آٹھ صدیاں عروج و زوال کی منازل طے کرنے کے بعد اُس سرزمین سے نابود ہو گئی تھی جہاں آج بھی دُنیا بھر کے سیاح اس کی عظمتِ رفتہ کی غیر فانی یادگاریں دیکھنے آتے ہیں ـــــــــ

اندلس کے مسلمان قریباً چار سو سال ایک پرشکوہ سلطنت کے مالک رہے۔ پھر وہ طوائف الملوکی اور لامرکزیت کا شکار ہوئے اور نصرانیوں نے اُن کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر شمال میں پاؤں جما لیے۔

گیارہویں صدی کے رُبع آخر میں شمال کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں الفانسو ششم کے جھنڈے تلے متحد ہو رہی تھیں لیکن ملوک الطوائف کو ایک مشترکہ دشمن کی بڑھتی ہوئی قوت کا خطرہ بھی راہِ راست پر نہ لا سکا ـــــــ وہ ایک دوسرے کے خلاف الفانسو سے مدد حاصل کرتے تھے اور اسے خراج ادا کرتے تھے۔

۱۰۸۵ء میں ایک طالع آزما یحیٰی القادر نے طلیطلہ پر الفانسو کا قبضہ کرا دیا ـــــــ اس کے بعد نصرانیوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ وادیٔ الکبیر

تک کے علاقے ان کے حملوں سے محفوظ نہ تھے۔

اندلس کے حریت پسندوں کی فریاد پر افریقہ کے مرابطین یوسف بن تاشفین کی قیادت میں اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کو پہنچے اور پے در پے شکستوں کے بعد ایک مدت کے لیے نصرانیوں کے حوصلے سرد پڑ گئے۔

لیکن ایک صدی بعد نصرانیوں کے عزائم کو شکست دینا پھر ان کے لیے موت و حیات کا مسئلہ بن چکا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے اسلاف کی عظیم سلطنت پھر قبائلی اور خاندانی ریاستوں میں بٹ چکی ہے اور وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ان کے دائمی دشمن چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے اتحاد سے ایک طاقتور سلطنت بنا چکے ہیں اس کے باوجود وہ متحد اور منظم نہ ہوئے ـــــ اور اس انتشار اور لامرکزیت کی سزا یہ تھی کہ ۱۰۸۷ء میں، یعنی طلیطلہ پر نصرانیوں کے قبضے سے ۱۰۲ سال بعد مرقسطہ بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

پھر ۱۲۳۶ء میں نصرانی قرطبہ پر قابض ہو گئے ـــــ مغرب میں اس شہر کی وہی اہمیت تھی جو مشرق میں بغداد کی تھی۔

۱۲۴۸ء میں نصرانیوں نے اشبیلیہ پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کی سلطنت غرناطہ کے صوبے یا ریاست تک محدود ہو کر رہ گئی۔ یہ چھوٹی سی سلطنت قریباً اڑھائی سو سال قائم رہی۔ اس کے آخری دور میں مسلمانوں نے اپنی آزادی کے لیے بے شمار قربانیاں دیں لیکن اندرونی سازشوں کے باعث ۱۴۹۲ء میں ان کی آزادی کا آخری پرچم بھی سرنگوں ہو چکا تھا۔

"اندھیری رات کے مسافر" لکھنے کے بعد مجھے ان حالات پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں جو سقوطِ غرناطہ کے باعث ہوئے تھے ـــــ لیکن تاریخ کا یہ سوال بار بار میرے ذہن میں آتا رہا کہ ۱۴۹۲ء کے بعد کیا ہوا تھا؟

یا پھر اُن ادوار میں مسلمانوں پر کیا گزری تھی جب نصرانی حکومت نے متارکۂ جنگ اور ہتھیار ڈالنے کے سلسلے میں تمام سابقہ معاہدے منسوخ کر کے اُن کے لیے مسلمانوں کی حیثیت سے زندہ رہنا ناممکن بنا دیا تھا اور جبراً اصطباغ دینے کے بعد انھیں مورس[1] کی بجائے نفرت سے مورسکوز کہا جاتا تھا۔

میرے نزدیک اُندلس کے مسلمانوں کا المیہ صرف یہی نہیں کہ وہ اپنی سلطنت، اپنی آزادی، اپنے وطن اور اپنے قومی تشخص سے محروم ہو گئے تھے اور ایک پُر شکوہ ماضی سے اُن کے سارے رشتے کاٹ دیے گئے تھے ——— بلکہ ایک عظیم سانحہ یہ بھی ہے کہ ہمیں اُن پر "انکوی زیشن[2]" کے ناقابلِ بیان مظالم کے تذکرے جن کے باعث وہ ایک صدی کے عرصے میں اندلس سے نابود ہو گئے تھے، بیشتر یورپ کے عیسائی مؤرخین کی تصانیف سے ملتے ہیں ———

سقوطِ غرناطہ کے بعد ابتدائی چند برسوں میں بعض عرب شعراء نے اپنی زبوں حالی کے متعلق نظمیں لکھی ہیں، لیکن پوری سولھویں اور سترھویں صدی کے ابتدائی چند سالوں کے دوران جب یہ لوگ ہر روز ایک نئی قیامت کا سامنا کرتے تھے، کسی قابلِ ذکر مسلمان مؤرخ نے اُن کے آلام و مصائب کے بارے میں نہیں لکھا ———

"انکوی زیشن" ان بدنصیب انسانوں کو نابود کر دینے کے لیے کلیسا کا سب سے اہم ہتھیار تھا۔ اس کا مفہوم بیان کرنے کے لیے ایک یا چند الفاظ ناکافی معلوم ہوتے ہیں، اس لیے میں نے "انکوی زیشن" کے عنوان سے

---

[1] MOORS مغرب میں یہ لفظ اندلس کے مسلمان فاتحین کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ جب وہ جبراً عیسائی بنا لیے گئے تھے تو انھیں حقارت سے مورسکوز MORISCOS کہا جاتا تھا۔

[2] INQUISITION

ایک علیحدہ باب لکھ دیا ہے جو اس داستان کے پہلے دیباچے کی حیثیت رکھتا ہے ـــــــ جیسے لکھتے وقت مجھے رات کی تنہائیوں میں کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اندلس کی فضاؤں میں سانس لے رہا ہوں ـــــــ میری نگاہوں کے سامنے اُس دَور کی داستانیں دہرائی جا رہی ہیں جب اُندلس کے مسلمان مورسکوز بن گئے تھے ـــــــ جب مورسکوز اس الزام میں زندہ جلائے جاتے تھے کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے اور ابھی تک اپنے اسلاف کے دین سے محبت کرتے ہیں ـــــــ جب انکوی زیشن کے اذیت خانوں میں بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچّوں کی چیخیں سنائی دیتی تھیں ـــــــ جب ان مظلوموں کے بھائی موت و حیات سے بے پروا ہو کر میدان میں نکل آتے تھے اور دشوار گزار پہاڑوں میں پوری سلطنت کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو جاتے تھے ـــــــ

کتنے حسین اور معصوم لوگ تھے جنھیں میں نے تصور میں زندہ جلتے دیکھا تھا؟

اور جب میں اس بھیانک ماضی سے حال کی طرف لوٹتا تھا ـــــــ جب میں یہ دیکھتا تھا کہ یہ میرا کمرہ ہے جہاں کتابیں بکھری ہوئی ہیں ـــــــ یہ وہی گھر ہے جہاں میرے بال بچے رہتے ہیں ـــــــ میں اسپین کا مورسکو نہیں بلکہ پاکستان کا مسلمان ہوں تو بے اختیار میرے دل سے یہ دعائیں نکلتی تھیں:

"میرے اللہ! پاکستان پر اپنا کرم فرما!! یہ ہمارا آخری حصار ہے اور ہمارے لیے یہاں سے پسپائی کے لیے کوئی جگہ نہیں ـــــــ تیرے عاجز بندوں کی یہ جائے پناہ کسی نئے عبداللہ یا ابوالقاسم

کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتی۔

رب العالمین! ہمیں ان لوگوں کے شر سے بچائیو، جو ہمارے قومی تشخص اور ملّتِ اسلام سے ہمارے تاریخی رشتوں کو کاٹنا چاہتے ہیں۔ آمین!"

جس طرح میری تصنیف ——— "اور تلوار ٹوٹ گئی" "معظم علی کے ساتھ ایک ہی لڑی میں پروئی گئی ہے، اُسی طرح یہ کتاب بھی "اندھیری رات کے مسافر" سے منسلک ہے!

——— ایک مصنّف کی حیثیت سے میں صرف یہ فرق محسوس کرتا ہوں کہ جب میں "اندھیری رات کے مُسافر" لکھ رہا تھا تو پاکستان کی سیاسی اسٹیج پر وہ کھیل کھیلا جا رہا تھا جو پانچ صدیاں قبل غرناطہ میں کھیلا گیا تھا

——— اور "کلیسا کی آگ" لکھتے وقت مجھے یہ اطمینان ہو رہا تھا کہ اس دور کے ابوالقاسم اور ابو عبداللہ کا یومِ حساب شروع ہو چکا ہے

——— اور وہ سازش جس کا مقصد مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد رہے سہے پاکستان کو پارہ پارہ کرنا تھا، کامیاب نہیں ہُوئی

——— ظلم و وحشت کے خلاف قوم کے باشعور عناصر بیدار اور منظم ہو رہے تھے جنھیں تاریک ویرانوں میں رہزنوں اور قاتلوں نے گھیر لیا تھا ———

اور مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ رات کتنی بھیانک تھی جس کی تاریکی نے ہماری نگاہوں سے سلامتی کے راستے اوجھل کر دیے تھے ———

عوام کے دلوں میں ابھی اس کی یاد تازہ ہے

——— لیکن، یہ بات ہمیں کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ جب ایک آمر کا

غرور انتہا کو پہنچ چکا تھا، ظلم، بے حیائی، عریانی اور فحاشی کے بھوت ننگے ہو کر ناچ رہے تھے
——— جب مستقبل کے متعلق قوم کی ساری امیدیں دم توڑ رہی تھیں، اس وقت ہم نے اسلام کے حصار میں پناہ لی تھی ———
ہماری سیاست گروہی اور جماعتی دائروں سے نکل کر ملّی سیاست بن گئی تھی، اور
——— فرزندانِ قوم اور دخترانِ ملّت کے دلوں میں اللہ کے خوف کے سوا کوئی اور خوف نہ تھا ———

——— ہمارے غازی آمریت کے سامنے سینہ سپر ہو گئے!
——— کسی بچے، بوڑھے یا جوان کے سینے سے خون کا دھارا پھوٹا۔ اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور پھر ملّت کے وجود سے زندگی اور توانائی کے ان گنت چشمے پھوٹ نکلے۔

قومی اتحاد کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے والے اکابر نے یہ عہد کیا کہ ہم اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کی حکمرانی قائم کریں گے اور لوگ ۱۹۴۰ء کی طرح پھر ایک بار پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے لگاتے ہوئے ان کے پیچھے چل پڑے تھے۔ ان کے ایثار و خلوص اور عزم و یقین کو اللہ کی نصرت سے نوازا گیا اور وہ آمر جس نے پاکستان کو اپنے سیاسی قد و قامت کے مطابق بنانے کے لیے اسے توڑنے کی سازش کی تھی، جو زندگی کے آخری سانس تک اقتدار کی مسند پر رونق افروز رہنا چاہتا تھا، اپنی تمام ذہانت اور عیاری کے باوجود عدل و انصاف کے ایوانوں میں قتل کے ایک ملزم کی حیثیت سے پیش ہوتا ہے۔

اس کے بعد اللہ کی بارگاہ میں تشکر و احسان مندی کا تقاضا یہ تھا کہ ہم اس اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بناتے جس کی بدولت ہمیں دورِ حاضر کی

بدترین آمریت سے نجات ملی تھی، ہم ماضی کی ان غلطیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کرتے جن کے باعث آدھا ملک جا چکا تھا ——— اور ہمارے لیڈر عوام کا اعتماد مجروح نہ ہونے دیتے جنھوں نے پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنانے کے لیے بے مثال قربانیاں دی تھیں ——— لیکن یہ کتنا عظیم المیہ ہے کہ جولائی ۱۹۷۷ء میں اطمینان کا سانس لیتے ہی بعض فرزندانِ مصلحت کی ذاتی خواہشات قومی مقاصد پر غالب آ گئیں اور وہ اس سفینے سے کود پڑے جس کی بدولت وہ آلام و مصائب کے گرداب سے نکلے تھے ——— اور بعض ابھی چھلانگ لگانے کے لیے مناسب موقع کا انتظار کر رہے ہیں ——— اب ان کے نزدیک قوم کی موت و حیات کے مسائل اپنی لیڈری کا لوہا منوانے اور پریشان حال عوام سے یہ تسلیم کروانے تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں کہ ملک کی سیاست میں صحیح یا غلط کا معیار ہماری ذاتی پسند ہے ——— اگر ہم قومی اتحاد کو اپنے لیے خسارے کا سودا سمجھیں تو یہ الفاظ ہی سیاسی لغت سے نکال دیے جائیں۔

یہ حضرات اندلس کے ان ملوک الطوائف کی داستان دہرا رہے ہیں جو انتہائی خطرے کی صورت میں ایک ہو جاتے تھے، لیکن جنگ میں کوئی کامیابی حاصل کرتے ہی وہ مالِ غنیمت کی تقسیم میں یا اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے ایک دوسرے سے اُلجھ پڑتے تھے ——— اور دشمن کبھی ایک اور کبھی دوسرے سے سودا کر کے ان کے چند قلعے ہتھیا لیتا تھا ———

عوام نظامِ اسلام اور نظامِ مصطفےٰ کے نعرے سُن کر قومی اتحاد کے پیچھے ہو لیے تھے اور انھوں نے وہ قربانیاں دی تھیں جن پر ہماری آیندہ نسلیں فخر کریں گی ——— لیکن یہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ یہ سارا ان کا ذاتی کمال ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اُن کی یہ خوش فہمی بہت جلد دُور ہو جائے گی لیکن میں جس بات سے ڈرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ان غرض کے بندوں نے یہ شرمناک کھیل اس وقت شروع کیا ہے جب نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالمِ اسلام خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ اریٹریا کے مسلمانوں پر بم گرائے جا رہے ہیں، برما کے مسلمانوں پر سپین کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے، اندرونِ ملک غیر اسلامی نظریات کے تاجر پوری مستعدی سے کام کر رہے ہیں اور اشتراکی الحاد جس کی تباہ کاریاں نصف صدی قبل سمرقند اور بخارا کے مسلمانوں نے دیکھی تھیں، کابل تک پہنچ چکا ہے۔

میں ان لوگوں سے اللہ اور اس کے بندوں کے نام پر کوئی اپیل نہیں کر سکتا جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر ضابطۂ اخلاق کو اپنی خواہش یا ضرورت کے مطابق ڈھالنے کا حق رکھتے ہیں اور ان کے سیاسی جوڑ توڑ، اُن کی تدبیریں، اُن کی دانائی اور موقع شناسی قوم کی اجتماعی قوت کا نعم البدل ہو سکتی ہے۔

لیکن جو لوگ ایک قوم کے لیے وطن کی ضرورت کا احساس کر سکتے ہیں، پاکستان کے بقا کے لیے اس کی نظریاتی سرحدوں کی اہمیت سمجھتے ہیں اور اس ملک میں اُندلس کی تاریخ نہیں دہرانا چاہتے، انھیں میں بار بار خبردار کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ قومی اتحاد نے اللہ اور اس کے بندوں کے ساتھ جو عہد کیا تھا، اس سے فرار کا ہر راستہ تباہی کی طرف جاتا ہے —— گزشتہ تیس برس کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان میں نظامِ اسلام کے نفاذ کے سوا ہماری آزادی اور بقا کی کوئی ضمانت نہیں۔

اندلس میں مسلمانوں کی تباہی کا باعث وہ قسمت آزما تھے جنھوں نے قوم کی اجتماعی حیات کے سرچشمے زہر آلود کر دیے تھے —— بھائی کو

بھائی سے جدا کر دیا تھا ـــــــ اور اقتدار کے جنون میں کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ قوم بھی زندہ رہنے کا حق رکھتی ہے جس کے اسلاف نے اس سرزمین پر اپنے خون سے شجرِ اسلام کی آبیاری کی تھی ـــــــ

اس داستان میں پاکستان کے موقع پرستوں کے لیے یہ سبق ہے کہ جب قومیں تباہ ہوتی ہیں تو تاریخ ان کے غداروں کو بھی گمنامی کے اندھیروں میں چھپا دیتی ہے ـــــ آج ہم اپنے گردوپیش جس قدر بھیانک اندھیرے دیکھ رہے ہیں اُسی قدر ہمیں اجتماعی ضمیر کی روشنی کی ضرورت ہے۔

نسیم حجازی

الغیاث
۳۳-بی۔ راولپنڈی

ماں کی وصیّت

غرناطہ سے ہجرت کے بعد، اُندلس کے تاجدار، ابُوعبدُاللہ کی حکومت الفجارہ کے پہاڑی علاقے میں صرف پانچ میل چوڑے اور دس میل لمبے علاقے تک محدُود تھی۔

اس جاگیر کی مغربی سرحد پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی ایک لمبی دیوار تھی! اُس سے نیچے کی طرف ایک پُرانا قلعہ ابوعبداللہ کی قیام گاہ تھا۔ یہ پہاڑیاں شمال کی جانب بتدریج بُلند ہوتی گئی تھیں اور ان کے پیچھے ایک قلعہ اور زرخیز وادی کی چالیس بستیاں ابوعبداللہ کے سابق وزیر ابوالقاسم کی ملکیت تھیں۔

ابوالقاسم کی جاگیر کے مُنتظِم کا نام مصعب تھا ——— وہ ابوالقاسم کی بیوی کا چچازاد بھائی تھا اور سلطان کی آمد سے کچھ دن بعد اپنے گھرانے کے چند افراد کے علاوہ، مسلّح محافظوں، نوکروں اور غلاموں کے ساتھ جاگیر میں منتقل ہوچکا تھا، لیکن ——— غرناطہ میں ابوالقاسم کی مصروفیات کچھ ایسی تھیں کہ گزشتہ تین برس کے عرصے میں اسے چار ہفتوں سے زیادہ وہاں ٹھہرنے کا موقعہ نہ ملا۔

جو قافلے سلطان ابوعبداللہ کے ساتھ یا اس کے فوراً بعد الفجارہ پہنچے

تھے ' ان کی اکثریت بے سرو سامانی کی حالت میں غرناطہ سے نکلی تھی، لیکن ——— اس کے بعد فرڈی نینڈ کا طرزِ عمل دیکھ کر باقی لوگوں کو یہ اُمید ہو گئی تھی کہ وہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا ' اس لیے وہ نسبتاً اطمینان سے اپنی جائیدادوں کو فروخت کر کے الفجارہ پہنچتے اور پھر سمندر عبور کرنے کے لیے جہازوں کا انتظام ہوتے ہی ساحل بربر کی طرف ہجرت کر جاتے۔

فرڈی نینڈ کی بھی یہی خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اُندلس چھوڑ کر افریقہ چلے جائیں اور اس پر یہ الزام بھی نہ آئے کہ اُس نے زبردستی انھیں جلاوطن کر دیا ہے، اس لیے اُس نے نہ صرف جنوب کی طرف پناہ گزینوں کے راستے محفوظ کر رکھے تھے، بلکہ مسلمانوں کا اعتماد بحال کرنے کے لیے وہ حتی الامکان معاہدے کی یہ شرط بھی پوری کرتا رہا کہ جو لوگ غرناطہ سے جا چکے ہیں، وہ تین سال کے اندر اندر کسی روک ٹوک کے بغیر اپنے گھروں کو واپس آ سکتے ہیں اور اس عرصہ میں وہ اپنی املاک کا انتظام کرنے یا انھیں فروخت کرنے کے لیے اپنے کارندے بھی مقرر کر سکتے ہیں۔

مہاجرین کے ان قافلوں کو نصرانی لشکر کی لوٹ مار سے محفوظ رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اہلِ بربر اور ترکوں کے جنگی جہاز، بحیرۂ روم میں گشت کرتے رہتے تھے اور فرڈی نینڈ اپنے مفتوحہ علاقوں میں بے چینی پیدا کر کے، کسی بیرونی مداخلت کا خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔

مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں فرڈی نینڈ کے عزائم کلیسا کے انتہائی تنگ نظر راہبوں سے کسی طرح کم خطرناک نہ تھے، لیکن اُس کے نزدیک مسلمانوں کی رگوں سے رہا سہا خون نچوڑنے کا ابھی وقت نہیں آیا تھا اور اسی وقت کے انتظار میں وہ شطرنج کی مختلف چالیں چل رہا تھا۔

کلیسا کے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لیے اُس نے فوری طور پر ایک نیا محاذ کھولنے کی ضرورت محسُوس کی اور تنگ نظر راہبوں کی توجہ اُس نے یہودیوں کی طرف مبذول کر دی۔

غرناطہ کی فتح کے جشن سے فارغ ہوتے ہی فرڈی نینڈ نے یہ فرمان جاری کیا :-

"اب اسپین کے یہودیوں کے لیے عیسائیت کے دامن میں پناہ لینے یا جلاوطن ہونے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ــــــ حکم عدُولی کی سزا موت ہے!"

فرڈی نینڈ نے اپنی عیسائی رعایا کی توجہ یہودیوں کی طرف مبذول کر کے، غرناطہ کے مسلمانوں کو یہ تاثر دیا تھا کہ وقت کی آندھیوں نے اپنا رُخ بدل لیا ہے اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ اُن کے ہوشیار وزیر ابوالقاسم کی ایک اور کامیابی ہے کہ فاتح دُشمن انھیں اپنی یہودی رعایا کی نسبت بہتر سلوک کا مستحق سمجھتا ہے ــــــ اُن کے گھر محفوظ اور ان کی مساجد آزاد ہیں ــــــ اور اس کے ساتھ ہی اہلِ غرناطہ کے بیرونی مددگاروں کے دل میں یہ احساس پیدا کر دیا تھا کہ غرناطہ کے حالات اطمینان بخش ہیں، اس لیے انھیں یہاں کسی قسم کی مداخلت کر کے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے نئی مشکلات پیدا نہیں کرنی چاہئیں ــــــ چنانچہ ترکوں کے جنگی بیڑے کی توجہ اسپین کی بجائے جنیوا اور اٹلی کے ساحلی علاقوں پر مبذول ہو چکی تھی۔

○

ایک دن ابوعبداللہ اپنی قیام گاہ کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں

دریچے کے قریب کھڑا پہاڑ کے اس تنگ اور پُرپیچ راستے کی طرف دیکھ رہا تھا، جو ابوالقاسم کے قلعے کی طرف جاتا تھا۔ اچانک اسے اپنے پیچھے کسی کے پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی۔

"امّی جان آپ!" اس نے چونک کر پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔

سلطان کی والدہ ملکہ عائشہ چند ثانیے تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی پھر اُس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "بیٹا! مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم نے آج ناشتا بھی نہیں کیا۔ تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"امّی! میں بالکل ٹھیک ہوں، اور تازہ ہوا میں سانس لینے کے لیے یہاں کھڑا ہوں۔"

ماں نے درد بھرے لہجے میں کہا "ابوعبداللہ! اب اس طرف دیکھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اب ابوالقاسم تمھارے پاس نہیں آئے گا۔"

ابوعبداللہ نڈھال ہو کر ماں کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا "امّی جان! کبھی کبھی یہ قلعہ مجھے ایک قید خانہ محسوس ہوتا ہے اور میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔"

"بیٹا! یہ قید خانہ تو تم نے خود ہی منتخب کیا ہے، ورنہ مراکش کی زمین تمھارے لیے بہت کشادہ ہے اور یوسف کے پیغام کے بعد تمھیں مراکش کے حکمران کی دعوت بھی موصول ہو چکی ہے۔"

"امّی! خدا کے لیے آپ پھر یہ موضوع نہ چھیڑیں۔ میں نے یوسف کو بتا دیا تھا کہ میں اندلس سے ہرگز ہجرت نہیں کروں گا۔"

"بیٹا!" بوڑھی ملکہ نے آبدیدہ ہو کر کہا "میں تمھیں اندلس چھوڑنے کا مشورہ نہیں دوں گی۔ صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ فرڈی نینڈ اور ابوالقاسم سے کوئی نیک توقع رکھنا خود فریبی ہے۔ تم گزشتہ چند ہفتوں میں کتنی بار ابوالقاسم کے

متعلق پوچھنے کے لیے اپنے آدمی بھیج چکے ہو اور اس کے ادنیٰ ملازم بھی اس قدر گستاخ ہوگئے ہیں کہ کسی نے کوئی تسلی بخش جواب دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔"

"امی!" ابوعبداللہ نے قدرے نرم ہوکر کہا "میں اس کے نوکروں یا گھر کے آدمیوں کو قصوروار نہیں ٹھہراتا۔ انھیں غرناطہ میں اس کی سرگرمیوں کا علم نہیں ہوسکتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ پچھلی مرتبہ جب وہ یہاں آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ میں غرناطہ میں ان دنوں جو کام کر رہا ہوں، وہ تمھاری بہتری کے لیے ہے۔ کسی دن میں غرناطہ سے تمھارے لیے ایسا تحفہ لاؤں گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے! کیا یہ درست نہیں کہ سقوطِ غرناطہ کے بعد ہم جس مہیب آندھی کے تصور سے لرز اُٹھتے تھے، اس کا رُخ ابوالقاسم نے مسلمانوں کی بجائے یہودیوں کی طرف پھیر دیا ہے؟ اور بہت سے لوگ جو بے سروسامانی کی حالت میں غرناطہ سے ہجرت کر کے الفجارہ اور یہاں سے افریقہ پہنچ گئے تھے، دوبارہ اپنے گھروں کا رُخ کرتے ہوئے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے۔

امی جان! تین برس قبل آپ کی طرح میں بھی اسے اپنا بدترین دشمن سمجھتا تھا۔ مجھے اس کی صورت تک دیکھنا گوارا نہ تھی لیکن اب مجھے آپ کے سامنے یہ اعتراف کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی کہ مجھے اس کا انتظار رہتا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی شکل دیکھ کر ہی مجھے اپنے مستقبل کے متعلق اطمینان ہوجائے گا ـــــ آپ کو یہ شکایت تھی کہ جب بھی وہ دو چار دن کے لیے یہاں آتا ہے تو الفجارہ کے سرکردہ لوگ جن میں سے اکثر نے ابھی تک مجھ سے ملاقات تک نہیں کی، اس کے استقبال کے لیے موجود ہوتے ہیں، وہ اُن کی شاہانہ دعوتیں کرتا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی خفیہ محفلوں میں کیا باتیں

ہوتی ہیں ـــــــ اس کے باوجود میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ الفجارہ کے شیوخ کے ساتھ اس کی دلچسپی صرف ہماری بہتری کے لیے ہے ـــــــ وہ انھیں یہ اطمینان دلانے کی کوشش کر رہا ہے کہ جب تک وہ پُرامن رہیں گے ہماری جاگیروں کی طرح دوسرے علاقے بھی نصرانیوں سے محفوظ رہیں گے۔ کیا یہ حیران کن بات نہیں کہ ان سرکش لوگوں نے تین سال کے عرصے میں کوئی بغاوت نہیں کی۔ اگر وہ ابوالقاسم کے مشوروں پر عمل نہ کرتے تو ہمارے لیے یہ زمین بھی تنگ ہو چکی ہوتی۔ پچھلی مرتبہ اس نے آپ کی موجودگی میں یہ کہا تھا کہ اب الفجارہ کے لوگ یہ سمجھ چکے ہیں کہ وہ پُرامن رہ کر ہی فرڈی نینڈ کا اعتماد بحال کر سکتے ہیں اور فرڈی نینڈ کو بھی یہ اطمینان ہو چکا ہے کہ میں اس کا وفادار ہوں۔ اس لیے وہ دن دُور نہیں جب وہ کسی بڑی ذمہ داری کا مستحق سمجھ کر مجھے غرناطہ واپس بلا لے گا۔"

ملکۂ عائشہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا "اگر ابوالقاسم اتنا ہی نیک اور فرڈی نینڈ اتنا ہی نادان ہوتا تو تم الحمرا سے نہ نکلتے ـــــــ کاش! تمھاری ماں تمھیں بار بار اس زہریلے سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے سے روک سکتی جو تمھیں کئی بار ڈس چکا ہے۔ ابوعبداللہ! میں اس وقت سے ڈرتی ہوں جب ابوالقاسم تمھارے پاس فرڈی نینڈ کا آخری پیغام لے کر یہاں آئے گا اور تم پھر ایک بار مجھ سے یہ کہو گے کہ تم نے اژدہے کے مُنہ میں سر دے دیا ہے۔"

"امی جان!" ابوعبداللہ نے سراپا احتجاج بن کر کہا "آپ ابوالقاسم کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتیں کہ وہ بے وقوف ہے۔ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام یہاں بسر کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اگر مجھے یہاں سے ہجرت کرنا پڑی تو وہ خود اور اس کے خاندان کے لوگ بھی الفجارہ میں

نہیں رہ سکیں گے ۔"

ملکہ نے کہا " ابوالقاسم نے دشمن کی جو خدمات سرانجام دی ہیں، اُن کے باعث وہ الفجارہ میں ایک جاگیر کے علاوہ کئی اور جاگیریں حاصل کر سکتا ہے ۔ اسے ہمارے پڑوس میں اس لیے جاگیر دی گئی ہے کہ جب تک ہم یہاں ہیں، اس کے ملازم اور کارندے ہماری نگرانی کرتے رہیں ۔ اُس نے الفجارہ میں اپنے جاسوسوں کا جال بچھا دیا ہے، جو اسے تمام حالات سے باخبر رکھتے ہیں ۔ یہاں تک کہ ہمارے گھر کی کوئی بات تک ان سے پوشیدہ نہیں رہتی ۔ ہم اپنے کسانوں اور گھریلو ملازموں کے متعلق بھی وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کون ہمارا وفادار ہے اور کون ابوالقاسم یا فرڈی نینڈ کے لیے جاسوسی کرتا ہے ۔ قبائل میں کمزور لوگوں کا دل خریدنے کے لیے وہ فرڈی نینڈ کے خزانے سے جتنی رقم چاہے خرچ کر سکتا ہے اور یوسف کا یہ دعویٰ غلط نہیں تھا کہ ابوالقاسم کے تمام رشتہ دار اور نوکر جنگ کے دنوں میں دشمن کے لیے جاسوسی کیا کرتے تھے ——— افسوس ہے تم یوسف کے خلوص کی قدر نہ کر سکے اور اسے چاروں طرف سے مایوس ہو کر تمہارا ساتھ چھوڑنا پڑا ۔ اور اب یہ حالت ہے کہ جو لوگ غرناطہ سے ہمارا حال پوچھنے آتے ہیں، وہ پہلے مصعب کے پاس جاتے ہیں ۔ اس کے گھر میں صرف سعاد ہی ایک ایسی لڑکی ہے جس سے ہمیں کسی ہمدردی کی توقع ہو سکتی تھی ۔ وہ میری گود میں کھیلا کرتی تھی اور اس کی ماں مجھے ایک بیٹی کی طرح عزیز تھی لیکن مصعب نے شاید اسے بھی ہمارے پاس آنے سے منع کر دیا ہے ۔ وہ کئی ماہ سے میرے پاس نہیں آئی ۔"

ابوعبداللہ نے مضطرب ہو کر جواب دیا " امی جان! آپ اطمینان رکھیں ۔ اگر مصعب پر کوئی الزام ثابت ہوا تو اسے پوری سزا دی جائے گی، لیکن

اب اس موضوع کے چھیڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آپ ان باتوں سے مجھے اندلس چھوڑنے پر آمادہ نہیں کر سکتیں۔ افریقہ کی خاک چھاننے کی بجائے میرے لیے خودکشی کر لینا زیادہ آسان ہے۔"

ملکہ چند ثانیے سکتے کے عالم میں اپنے بیٹے کی طرف دیکھتی رہی پھر اچانک کرسی سے اٹھی اور اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر لڑکھڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ ابو عبد اللہ اٹھ کر دریچے کی طرف بڑھا اور پھر زینے سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک اسے زینے پر تیز قدموں کی آہٹ سنائی دی اور چند لمحے بعد اس کی بیوی بدحواسی کی حالت میں کمرے کے اندر داخل ہوئی "آپ نے پھر کوئی جھگڑا کیا ہے ؟"

ابو عبداللہ پریشان ہو کر بولا " امی جان نے آپ سے کوئی شکایت کی ہے ؟"

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ فوراً نیچے چلیں!"

ابو عبداللہ بھاگتا ہوا نیچے اترا اور چند ثانیے بعد جب ملکۂ عائشہ کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ بے حس و حرکت اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی — کنیزیں اور خادمائیں سلطان کو دیکھتے ہی اِدھر اُدھر ہٹ گئیں۔ اُس نے جھک کر ایک ہاتھ سے اس کی نبض ٹٹولتے اور دوسرا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا " امی ! امی ! مجھے معاف کر دیں۔ میرا مقصد آپ کو خفا کرنا نہیں تھا۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔"

ماں کی پتھرائی ہوئی آنکھیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

ابو عبداللہ اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے بے اختیار چلایا "تم کیا

دیکھ رہی ہو؟ طبیب کو بلاؤ!!"

چھوٹی ملکہ نے کہا "طبیب ابھی آجاتا ہے۔ میں نے اس کو لانے کے لیے نوکر کو بھیج دیا ہے۔"

"امّی جان! امّی جان!!" ابوعبداللہ نے دوزانو ہو کر اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا اور سسکیاں لینے لگا۔

ایک عمر رسیدہ طبیب کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے سُلطان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ایک طرف ہٹایا اور ملکہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کی نبض ٹٹولنے لگا۔ مریضہ کے ہونٹ ہل رہے تھے لیکن اس کے تیمار دار اکھڑتی ہوئی سانس کے سوا کوئی آواز نہ سُن سکے اور جب بوڑھا طبیب اپنے تھیلے سے کوئی دوا نکال رہا تھا تو غرناطہ کے جلاوطن بادشاہ ابوعبداللہ کی ماں نے ایک جھرجھری لی اور اس کے چہرے پر موت نے پردے تان دیے۔

طبیب نے دوبارہ اس کی نبض ٹٹولنے کے بعد ابوعبداللہ کی طرف دیکھا اور اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر سر جھکا دیا۔

کچھ دیر تک ابوعبداللہ کو اس کی موت کا یقین نہ آیا۔ پھر یکایک اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ نکلا اور وہ ماں کے پاؤں پر سر رکھ کر بچوں کی طرح سسکیاں لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد چند سوار قرب و جوار کی بستیوں میں ملکہ عائشہ کی وفات کی اطلاع دینے کے لیے روانہ ہو چکے تھے اور ابوعبداللہ نچلی منزل کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھا اپنے کاتب کو ابوالقاسم اور غرناطہ کے عیسائی گورنر مینڈوزا (کاؤنٹ آف ٹنڈیلا) اور چند سرکردہ لوگوں کے نام خطوط لکھوا رہا تھا۔

اس نے مینڈوزا سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اپنی والدہ کی میت اپنے

آبائی قبرستان لانا چاہتا ہے اور ابوالقاسم کو اس نے یہ تاکید کی تھی کہ وہ غرناطہ کی حکومت سے اجازت حاصل کرنے کے لیے اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے کام لے۔ اگر حکومت کو کوئی خدشہ ہو تو میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ البخارہ سے جو آدمی میت کے ساتھ آئیں گے، ان کی تعداد بہت کم ہوگی، ان میں کوئی آدمی مسلح نہیں ہوگا اور میں میت کو سپردِ خاک کرتے ہی اُن کے ساتھ واپس چلا آؤں گا۔"

اچانک ایک کنیز کمرے میں داخل ہوئی اور اُس نے مغموم لہجے میں کہا "عالیجاہ! ملکہ عالیہ فرماتی ہیں کہ آپ ایلچیوں کو غرناطہ بھیجنے سے پہلے بڑی ملکہ کی وصیت پڑھ لیجیے!"

ابھی تک ابوعبداللہ کو اپنی ماں کی وصیت کا علم نہ تھا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

چند ثانیے بعد وہ اپنی بیوی کے سامنے کھڑا تھا۔

چھوٹی ملکہ نے اسے ایک کاغذ پیش کرتے ہوئے کہا "چند ماہ قبل آپ کی والدہ نے مجھے تاکید کی تھی کہ یہ خط اُن کی وفات کے بعد کھولا جائے۔"

ابوعبداللہ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کاغذ پکڑ لیا اور شکایت کے لہجے میں بولا "آپ نے کبھی اس خط کا ذکر تک نہیں کیا۔"

"یہ اُن کا حکم تھا اور تھوڑی دیر قبل مجھے اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ یہ خط میرے لیے ہے یا آپ کے لیے۔"

ابوعبداللہ خط پڑھنے میں مصروف ہوگیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

ابوعبداللہ کی ماں نے لکھا تھا:

• ایک کم نصیب ماں کے بدنصیب بیٹے!

اس دنیا میں کتنے ہی عزیز ایسے تھے جو ہمارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ موت کبھی یہ نہیں دیکھتی کہ مرنے والوں کی کیا اہمیت تھی یا ان کے حصے کے کتنے کام ادھورے رہ گئے ہیں — وقت مسافرانِ عدم کو کسی تیاری کا موقعہ نہیں دیتا۔

میرے بیٹے! اب مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ میں زیادہ عرصہ زندگی کا بوجھ اٹھا سکوں۔ اس ویرانے میں اپنی موت کا تصور کرتے ہوئے مجھے بارہا تم سے کچھ کہنے کا خیال آیا — لیکن ایک ماں نزع کے عالم میں بھی اپنے بیٹے کو پریشان دیکھنا پسند نہیں کرتی اس لیے میں اپنی وصیت بہو بیگم تمھاری ملکہ کے سپرد کر رہی ہوں۔

غرناطہ چھوڑنے سے قبل میں یہ سوچا کرتی تھی کہ کسی دن مجھے تمھارے باپ کے پہلو میں دفن کیا جائے گا مگر ان کی قبر پر آخری بار حاضری دیتے ہوئے جب میں کسی دُور افتادہ مقام پر اپنی آخری آرام گاہ کا تصور کر رہی تھی تو انتہائی بے کسی کی حالت میں بھی مجھے اطمینان محسوس ہوا تھا کہ مرنے والوں کی ارواح کے درمیان سارے فاصلے ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے میں نے البجارہ پہنچتے ہی اپنی قبر کے لیے ایک موزوں جگہ تلاش کر لی تھی۔ میرے بیٹے! تم وہ صدیوں پرانا قبرستان تو دیکھ ہی چکے ہو جہاں مجاور نے ہمیں طارقؒ کے زمانے کے چند شہیدوں کی قبریں دکھائی تھیں — میں یہ چاہتی ہوں کہ اگر مرنے

سے پہلے مراکش نہ جا سکوں تو مجھے ان بزرگوں کے قدموں میں دفن کر دیا جائے ! ـــــــ عید کے دن وہاں ہزاروں لوگ دُعائے مغفرت اور فاتحہ خوانی کے لیے جاتے ہیں۔ جب گزشتہ عید پر میں وہاں گئی تھی تو میں نے قبرستان کے بوڑھے مجاور سے اپنی یہ آخری خواہش بیان کر دی تھی۔

میری قبر پر تمھیں مقبرہ تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تاریخ کے صفحات سے اپنا نام حذف تو نہیں کر سکتی، لیکن مجھ پر تمھارا آخری احسان یہی ہو سکتا ہے کہ تم دنیا کے سامنے میری قبر کی نمائش نہ کرو۔ اس سے میری روح کو تکلیف ہو گی۔

ابوعبداللہ ! جب کسی قوم کی سلطنت تباہ ہوتی ہے تو اس کے تاجداروں کے آخری نشان بھی مٹ جاتے ہیں اور میں اس حکمران کی ماں ہوں جس نے اپنے ہاتھوں سے اندلس کے مسلمانوں کی آخری سلطنت کا چراغ گل کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک عالیشان مقبرے کی بجائے میری شکستہ قبر سے اُڑنے والی گرد پر ہی کسی کو رحم آجائے۔

تمھاری ماں "

ابوعبداللہ نے کاغذ اپنی آنکھوں سے لگا لیا اور دیر تک سسکیاں لیتا رہا۔ پھر وہ اچانک کمرے سے باہر نکل گیا۔

دوسرے دن الفجارہ کے طول و عرض سے ہزاروں آدمی ملکۂ عائشہ کے جنازے کے لیے جمع ہو چکے تھے۔

فرڈی نینڈ کی سوچ

ابوالقاسم طلیطلہ کے شاہی محل میں فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کی مسند کے سامنے مؤدب کھڑا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بادشاہ اور ملکہ نے تخلیے میں بھی اسے اپنے سامنے بیٹھنے کی دعوت نہیں دی تھی۔

چند ثانیے وہ سرد مہری سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر فرڈی نینڈ نے کہا "ہمیں ابوعبداللہ کی ماں کی وفات کی خبر سے تین دن بعد غرناطہ سے تمہاری روانگی کی اطلاع مل چکی تھی، لیکن ہمارا خیال تھا کہ تم البجارہ کے تازہ حالات معلوم کرنے کے بعد ہمارے پاس آؤ گے؟"

"عالیجاہ!" اس نے جواب دیا "البجارہ سے خبر رسانی کے متعلق میرے انتظامات اتنے مکمل ہیں کہ وہاں کے معمولی معمولی واقعات بھی میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ غرناطہ سے روانگی سے قبل میں نے گورنر سے ملاقات کی تھی اور ان کا بھی یہی خیال تھا کہ موجودہ حالات میں میرا آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہونا ضروری ہے۔"

ملکہ ازابیلا نے کہا "ابوالقاسم! تم نے گزشتہ ملاقات میں ہم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تم کسی دن ہمارے پاس یہ خوشخبری لے کر آؤ گے کہ اندلس کی

زمین ابوعبداللہ کے وجود سے پاک ہو چکی ہے؟"

"ملکۂ عالیہ! مجھے اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے جس وقت کا انتظار تھا، وہ آچکا ہے۔ ملکۂ عائشہ کی وفات سے آپ کے غلام کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ دُور ہو چکی ہے۔ اب میں کسی مزاحمت کا خطرہ محسُوس کیے بغیر ابوعبداللہ سے وہ بات کہہ سکتا ہوں جو اس کی ماں کی زندگی میں نہیں کہی جا سکتی تھی۔ مجھے ملکۂ عائشہ سے یہ خدشہ ہو سکتا تھا کہ اگر اس پر معاہدے کے خلاف کوئی نیا فیصلہ ٹھونسنے کی کوشش کی گئی تو وہ پوری شدت کے ساتھ مزاحمت کرے گی اور ابوعبداللہ بھی اس کے ذہن سے سوچنے پر مجبور ہو جائے گا۔ وہ البجارہ کے جنگجو قبائل کو بھی بغاوت پر آمادہ کر سکتی تھی لیکن اب میں ابوعبداللہ کو قسطلہ کی ملکہ کی آخری خواہش کے احترام پر مجبور کر سکتا ہوں۔ میں اسے مستقبل کا وہ نقشہ دکھا سکتا ہوں کہ وہ رضاکارانہ طور پر افریقہ چلا جائے اور البجارہ کے قبائل کو اس بات کا احساس بھی نہ ہو کہ بادشاہ سلامت یا ملکۂ عالیہ کی طرف سے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی ہوئی ہے۔"

فرڈی نینڈ نے کہا "تمھیں معلوم ہے کہ اگر ابوعبداللہ خاموشی سے مراکش چلا جائے تو اسپین کی آیندہ نسلیں تمھیں اپنا عظیم ترین محسن سمجھیں گی اور مستقبل کے مؤرخ جہاں ہماری فتوحات کا ذکر کریں گے وہاں تمھاری خدمات کو بھی فراموش نہیں کریں گے۔"

"عالیجاہ! ایک غلام اپنے آقا کی خوشنودی سے زیادہ کسی اور انعام کی تمنا نہیں کر سکتا۔"

"ابوالقاسم! بیٹھ جاؤ!! ہم تمھیں اپنا غلام نہیں بلکہ اپنا دوست سمجھتے ہیں۔"

ابوالقاسم پیچھے ہٹ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

ملکہ ازابیلا جو اس ملاقات کے دوران پہلی بار مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی، بولی "ابوالقاسم! ہم نے تمھاری سابقہ خدمات فراموش نہیں کیں، لیکن ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تم کب تک اپنی آخری ذمہ داری پوری کر سکو گے؟"

"ملکہ عالیہ! اگر مجھے حکومت کے خزانے سے ابوعبداللہ کی جاگیر کی قیمت ادا کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو میری واپسی سے چند دن بعد آپ یہ خوشخبری سُنیں گی کہ آپ کا غلام اپنا آخری فرض ادا کر چکا ہے۔ اگر غرناطہ کے حاکم کو اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا تو مجھے یہاں آنے کی ضرورت پیش نہ آتی، لیکن انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ابوعبداللہ کے متعلق آپ کی خواہشات کیا ہیں۔ مینڈوزا نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنی طرف سے طلیطلہ کے دربار میں کوئی ایسی تجویز پیش نہیں کر سکتا جس سے معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔"

"تمھیں یقین ہے کہ ابوعبداللہ الفجارہ میں اپنی جائیداد فروخت کرنے پر آمادہ ہو جائے گا؟"

"عالیجاہ! مجھے یقین ہے۔"

"لیکن تم جانتے ہو کہ گزشتہ جنگ کے باعث ہمارے خزانے خالی ہو چکے ہیں اور ہم ابوعبداللہ کو منہ مانگی قیمت ادا نہیں کر سکتے۔"

"عالیجاہ! میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ وہ آپ کی طرف سے زادِ راہ کے طور پر معمولی رقم بھی بہت بڑا انعام سمجھے گا۔ اگر مینڈوزا کو حکم دیں تو غرناطہ کے خزانے سے بھی اس رقم کا انتظام ہو سکتا ہے۔ پھر یہ رقم شاہی

خزانے پر بوجھ نہیں ہوگی اور جو رقم آپ ابوعبداللہ کو عطا کریں گے اس سے کہیں زیادہ اس کی جاگیر فروخت کر کے وصول کی جا سکے گی۔"

"اگر غرناطہ کے خزانے سے مطلوبہ رقم دستیاب ہو سکتی ہے تو تمھیں کل ہی غرناطہ کے گورنر کے نام ہمارا حکم مل جائے گا۔ اسے یہ بھی ہدایت کر دی جائے گی کہ سلطنت کی بہتری کے لیے تمھیں ہر وقت غرناطہ کے خزانے سے مطلوبہ رقم نکلوانے کی اجازت ہے۔ تمھارے خیال میں ابوعبداللہ کی اشک شوئی کے لیے کتنی رقم کی ضرورت ہوگی؟"

"عالیجاہ! میری کوشش یہی ہوگی کہ اس کے ساتھ حضور کا آخری سودا زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ ڈوکٹ میں ہی چکا دیا جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں اس رقم سے بھی کچھ بچا لوں۔"

ملکہ ازابیلا نے حیرت زدہ ہو کر اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "صرف ایک لاکھ ڈوکٹ؟ ابوالقاسم! اگر اس سے ہماری اُلجھن دُور ہو سکتی ہے تو ابوعبداللہ کی جاگیر تمھارا انعام ہوگی اور جتنی رقم تم بچا سکو گے وہ بھی تمھاری ہوگی۔"

فرڈی نینڈ نے کہا "نہیں ملکہ! ہسپانیہ کی تاریخ کا یہ معمار، جس نے ہمارے لیے غرناطہ کے دروازے کھولے تھے، اس سے بہتر انعام کا حق دار ہے۔ البشارہ میں اس کو ہم نے ابوعبداللہ کی جاگیر کے پاس جو جاگیر دی ہے، وہ اس کی خدمات کا صلہ نہیں تھا، بلکہ اس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ اس بہانے ابوعبداللہ اور اس کے حامیوں کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھی جائے۔ جب ابوعبداللہ رخصت ہو جائے گا تو ابوالقاسم کو زیادہ اہم ذمہ داریاں سونپی جائیں گی اور ہم اس کی خداداد صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے

کی کوشش کریں گے، لیکن اس و ہمارے مہمان کو آرام کی ضرورت ہے۔"

اس کے بعد مجلس برخاست ہو چکی تھی اور ابوالقاسم شاہی مہمان خانے کا رُخ کر رہا تھا۔

فرڈی نینڈ کچھ دیر کسی گہری سوچ میں سر جھکائے بیٹھا رہا۔

ملکہ نے پوچھا "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں!" فرڈی نینڈ نے چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کو یقین ہے کہ ہمیں ابوعبداللہ سے نجات مل جائے گی؟"

"ملکہ! ابوعبداللہ سے ہمیں اُسی دن نجات مل گئی تھی جب وہ غرناطہ سے رُخصت ہوا تھا۔"

"تو پھر آپ کس بات سے فکر مند ہیں؟ کیا آپ کو ابوالقاسم کے وعدوں پر یقین نہیں ہے؟"

"میں اس کی آمد کی اطلاع پاتے ہی سمجھ گیا تھا کہ اب ابوعبداللہ سے نجات حاصل کرنے کا وقت آچکا ہے، لیکن میرے نزدیک اس سے کہیں زیادہ اہم مسئلہ اس آدمی سے نجات حاصل کرنا ہے جو بھیڑیے سے زیادہ خونخوار اور لومڑی سے زیادہ مکّار ہے۔ میں اس کتّے کی وفاداری پر کیسے یقین کر سکتا ہوں جس نے اپنے ہی مالک کو کاٹ کھایا ہو۔ اپنی قوم کے دشمن غیروں کے کیونکر دوست ہو سکتے ہیں۔"

"لیکن اب ہمارے لیے اس کی دوستی یا دشمنی کیا اہمیت رکھتی ہے وہ جس سلطنت کا وزیر تھا، وہ مٹ چکی ہے۔ وہ جس قوم کا فرد تھا اس پر ہم

مکمل فتح حاصل کر چکے ہیں۔ آپ اس درندے کے متعلق فکر مند کیوں ہیں جس کو ہم ہر وقت پنجرے میں بند کر سکتے ہیں۔"

"ازابیلا! ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ ابوالقاسم نے اپنا مستقبل ہمارے ساتھ وابستہ کر لیا ہے۔ فرض کرو کہ کسی دن اس کے دل میں یہ خیال آجائے کہ اس کے مقاصد کسی اور کا ساتھ دینے سے زیادہ پورے ہو سکتے ہیں تو وہ ہمارے لیے کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ جب ہم اس سے ابو عبداللہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے تو ہمیں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ اگر یہ شیطان یہاں آنے کی بجائے ترکوں کے امیرالبحر اور ساحلِ بربر کے جہازرانوں کے پاس پہنچ جاتا تو ہماری تباہی کے لیے اس کی تجاویز کیا ہوتیں؟"

ملکہ نے بے قرار ہو کر کہا "خدا کے لیے مجھے پریشان نہ کیجیے! میرے نزدیک ہسپانیہ کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جسے آپ حل نہ کر سکیں۔ آپ نے غرناطہ کی ٹکسال کے ایک کھوٹے سکے سے وہ کام لیا ہے جو کسی اور کے لیے اس ملک کی ساری دولت لٹا دینے کے بعد بھی ممکن نہ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ جب آپ یہ محسوس کریں گے کہ اب آپ کو اس کھوٹے سکے کی ضرورت باقی نہیں رہی تو اس کو غائب کر دینے میں آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔"

فرڈی نینڈ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور ازابیلا کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کے سر سے ایک پہاڑ کا بوجھ اُتر چکا ہے۔

غدّاری کا صِلہ

طلوعِ آفتاب کے وقت ایک لڑکی ملکۂ عائشہ کی قبر پر جنگلی پھول چڑھانے کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگ رہی تھی اور قبرستان کی شکستہ دیوار سے باہر ایک حبشی لڑکا زیتون کے درختوں کے قریب دو گھوڑوں کی لگامیں تھامے ہوئے کھڑا تھا۔ لڑکی کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا اور قبرستان کی خاموش فضا میں اس کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ چند قدم دُور تین مجاور اپنی کوٹھریوں کے باہر کھڑے تھے۔ ایک لڑکا جنوب کی طرف سے بھاگتا ہوا اُن کے قریب پہنچا اور اس نے کہا "سلطانِ معظم تشریف لا رہے ہیں۔"

مجاور جلدی سے اس پگڈنڈی کی طرف بڑھے جو قبرستان کی طرف آتی تھی۔ انھیں بلند ٹیلے کے نشیب میں آٹھ سوار دکھائی دیے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ قبرستان کے قریب پہنچ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ ایک آدمی نے ابوعبداللہ کے سفید گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ باقی مجاوروں نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا۔ ابوعبداللہ نے ان کے سلام کا جواب دینے کے بعد اپنی جیب سے چند سکّے نکال کر ایک بوڑھے مجاور کے ہاتھ میں تھما دیے

اور آگے بڑھ گیا۔

قبرستان کے اندر چند قدم چلنے کے بعد اپنی ماں کی قبر پر ایک اجنبی لڑکی کو دیکھ کر وہ رُکا اور کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔

بوڑھا مجاور بھاگ کر اس کے قریب پہنچا اور اس نے کہا " عالی جاہ! یہ لڑکی اکثر ملکہ کی قبر پر پھول چڑھانے آتی ہے "

" تمہیں معلوم ہے وہ کون ہے؟ "

" عالیجاہ! ہم نے اکثر اسے ابوالقاسم کے قلعے کی طرف سے آتے جاتے دیکھا ہے۔ پہلے وہ دوسری عورتوں کے ساتھ پیدل آیا کرتی تھی اور اب گھوڑے پر سوار ہو کر آتی ہے اور وہ حبشی لڑکا اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے وہ ابوالقاسم کے کسی رشتے دار کی بیٹی ہے ——— اگر حضور کا حکم ہو تو میں اس سے پوچھ لوں کہ وہ کون ہے؟ "

" نہیں!" ابوعبداللہ نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا " اسے اطمینان سے فاتحہ پڑھنے دو۔ میری ماں کو ایسے پُرخلوص لوگوں کی دُعاؤں کی ضرورت ہے "

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد ابوعبداللہ جھجکتا ہوا آگے بڑھا اور قبر کے قریب جانے کی بجائے اس نے پندرہ بیس قدم دور رُک کر دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا لیے۔

لڑکی دُعا ختم کرنے کے بعد مڑی اور ٹھٹھک کر ابوعبداللہ کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر چند ثانیے توقف کے بعد وہ آہستہ آہستہ اپنے ساتھی کی طرف بڑھی اور ایک درخت کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد جب ابوعبداللہ اپنی ماں کی قبر پر سر جھکائے کھڑا تھا تو

لڑکی درخت کی اوٹ سے نکلی اور جھجکتی ہوئی اس کے قریب پہنچی :
"عالیجاہ!" اس نے مغموم لہجے میں کہا "میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔"

ابوعبداللہ نے چونک کر پیچھے دیکھا اور بولا "ایک جلاوطن بادشاہ اپنی قوم کی ایک نیک دل بیٹی کی کون سی خواہش پوری کر سکتا ہے؟"

"عالیجاہ! یہ لیجیے!" لڑکی نے چمکتے ہوئے قیمتی موتیوں کا ایک ہار ابوعبداللہ کو پیش کرتے ہوئے کہا "آپ کی قوم کے مجاہد کی ایک بیوہ اس ہار پر ہمیشہ فخر کیا کرتی تھی۔ جس دن الحمرا سے اس کے شوہر کی شہادت کی خبر ملی تھی، اسی دن بڑی ملکہ بذاتِ خود اس کی دل جوئی کے لیے آئی تھیں اور انھوں نے اپنا یہ ہار اتار کر اس کے گلے میں ڈال دیا تھا ——— عالیجاہ! یہ بیوہ خاتون میری ماں تھیں۔ انھوں نے آخری سانس لینے سے پہلے یہ ہار میرے گلے میں ڈال دیا تھا۔ اب میں بڑے ادب سے یہ تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ اس ہار کو فروخت کرنے سے جو رقم حاصل ہو، وہ ملکۂ عالیہ کے مزار کی تعمیر پر خرچ کی جائے۔"

ابوعبداللہ کے دل پر چرکہ لگا۔ اس نے کرب ناک لہجے میں کہا "نہیں! میں ایک یتیم لڑکی سے اپنی ماں کا تحفہ واپس نہیں لے سکتا۔"

لڑکی ادب سے بولی "میرا مقصد آپ کی دل آزاری نہ تھا۔ اگر مجھے الفجارہ میں آپ کے حالات کا علم نہ ہوتا تو میں یہ جرأت نہ کرتی۔"

ابوعبداللہ نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا "بیٹی! میں اتنا تہی دست نہیں کہ اپنی ماں کے لیے ایک چھوٹا سا مقبرہ بھی تعمیر نہ کر سکوں۔ اگر میرے پاس کچھ نہ ہوتا تو بھی الفجارہ کے مسلمان کم از کم میری اعانت ضرور کرتے

میرے پاس البجارہ کے علاوہ غرناطہ اور دوسرے علاقوں سے بھی کئی وفود مالی امانت کی پیش کش لے کر آئے لیکن میری ماں کی آخری خواہش یہی تھی کہ اُن کے لیے کوئی مقبرہ تعمیر نہ کیا جائے۔ اگر آج ان کی روح ہم سے ہمکلام ہو سکتی تو وہ یقیناً یہی کہتیں کہ میرے لیے ایک نیک دل لڑکی کی پرخلوص دُعائیں اور پھولوں کا تحفہ موتیوں کے اس ہار سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ میں تمھارا شکرگزار ہوں۔ یہ ہار اپنے گلے میں ڈال لو!"

لڑکی چند لمحے سر جھکائے کھڑی رہی۔ اچانک ابوعبداللہ نے موتیوں کا ہار پکڑ کر اس کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا "تم ابوالقاسم کے گھر سے آئی ہو؟"

"جی ہاں! بادشاہ سلامت!!" اس نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے جواب دیا "ابوالقاسم دور کے رشتے سے میرے ماموں جان اور مصعب میرے خالو ہیں۔"

"اور مصعب کو یہ معلوم ہے کہ تم یہاں آیا کرتی ہو؟"

"عالیجاہ! میں اپنے باپ کی بیٹی ہوں اور یہاں آنے کے لیے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ مصعب خالو کے طرزِ عمل کے خلاف آپ کو کوئی شکایت ہو سکتی ہے لیکن میری خالہ اور خالو میری والدہ پر ملکۂ عالیہ کے احسانات نہیں بھول سکتے۔ جب میں گھر سے نکلتی ہوں تو مصعب خالو کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں قبرستان کی طرف جا رہی ہوں۔ ایک مرتبہ وہ خود بھی میرے ساتھ آئے تھے اور میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار اُن کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔"

"تمھارا نام سعاد ہے؟" ابوعبداللہ نے سوال کیا۔

"جی ہاں!"

"میری ماں تمہاری بہت تعریف کیا کرتی تھیں۔"

سعاد نے آنکھوں میں آنسو پیتے ہوئے کہا "ان کی شفقت میرے لیے بہت بڑا سہارا تھی۔ مجھے مرتے دم تک یہ ندامت رہے گی کہ میں علالت کے ایام میں اُن کی کوئی خدمت نہ کرسکی۔"

"اچھا بیٹی! خدا حافظ! جب تک تم جیسی لڑکیاں میری ماں کو اپنی دُعاؤں کا مستحق سمجھیں گی، انھیں یہ شکایت نہیں ہوگی کہ اندلس کی زمین سے اُن کا نام ونشان مٹ چکا ہے۔"

سعاد نے خدا حافظ کہا اور تھوڑی دیر بعد وہ قبرستان سے باہر اپنے گھوڑے پر سوار ہورہی تھی۔

ایک رات ابوعبداللہ اپنے محافظ دستے کے سالار کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا کہ ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا "عالیجاہ! ابوالقاسم غرناطہ سے واپس آگئے ہیں۔"

"وہ کہاں ہے؟" ابوعبداللہ نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"عالیجاہ! وہ اپنے گھر میں ہیں۔ ہمارے آدمیوں نے شام کے وقت پندرہ بیس سواروں کو اُن کے گھر کا رُخ کرتے دیکھا تھا۔"

"تمھیں یقین ہے کہ ابوالقاسم ان کے ساتھ آیا ہے؟"

"جی ہاں! ہمارے آدمی غرناطہ کے راستے کی ایک بستی سے اس بات کی تصدیق کرچکے ہیں۔"

"لیکن ابوالقاسم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟ وہ سیدھا یہاں کیوں نہیں آیا؟" ابوعبداللہ بے چارگی کی حالت میں اپنے بوڑھے ساتھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اُس نے کہا۔ "عالیجاہ! ممکن ہے کہ اس نے رات کے وقت آپ کو جگانا اور تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سفر کی تھکاوٹ کے باعث وہ گھر پہنچتے ہی اپنے بستر پر دراز ہو گیا ہو۔"

لیکن یہ الفاظ ابوعبداللہ کی تسلی نہ کر سکے اس نے ملازم کی طرف متوجہ ہو کر کہا "تم پہرے داروں کو یہ ہدایت کر دو! کہ وہ اسے یہاں پہنچتے ہی ہمارے پاس لے آئیں۔"

ملازم کمرے سے باہر نکل گیا۔

ابوعبداللہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ پھر وہ کھیل میں مصروف ہو گیا۔ یکے بعد دیگرے شطرنج کی دو بازیاں ہارنے کے بعد اس کی طبیعت اچاٹ ہو گئی تو اس نے کھیل ختم کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا "اب شاید وہ صبح سے پہلے یہاں نہ آ سکے۔ اس لیے تم جا کر آرام کرو۔"

بوڑھا سالار اُٹھ کر کمرے سے نکل گیا اور ابوعبداللہ دیر تک بے چینی کے عالم میں ٹہلتا رہا۔ اس کے بعد وہ دوسرے کمرے میں داخل ہوا اور اپنے بستر پر لیٹ گیا، لیکن ذہنی اضطراب کی وجہ سے اسے دیر تک نیند نہ آئی۔ پھر جب ملکہ اس کے ہاتھ پکڑ کر جگانے کی کوشش کر رہی تھی تو اس نے آنکھیں کھولتے ہی پوچھا "ابوالقاسم آ گیا ہے؟"

"نہیں!" ملکہ نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

ابوعبداللہ بستر سے اُٹھ کر ننگے پاؤں دریچے کی طرف بڑھا اور پردہ اُٹھا

کر باہر جھانکتے ہوئے بولا " اب بہت دیر ہوگئی ہے "
" عالیجاہ! آپ بہت دیر سوتے ہیں "
" اس نے کوئی اطلاع بھی نہیں بھیجی ؟ "
" ابوالقاسم نے ؟ "
" آپ کو معلوم نہیں کہ وہ اپنے گھر پہنچ چکا ہے ؟ "
" مجھے صبح ہوتے ہی اطلاع مل گئی تھی "
" آپ میرا گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیں۔ میں ابھی تیار ہو کر آتا ہوں "
" آپ اُس کے پاس جانا چاہتے ہیں ؟ " ملکہ حیران ہو کر اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔

ابوعبداللہ نے قدرے تلخ ہو کر جواب دیا " جی ہاں! آپ کو کوئی اعتراض ہے ؟ "

ملکہ نے جواب دیا " جب تک آپ کی والدہ زندہ تھیں، مجھے ایسی باتوں کے متعلق سوچنے کی کبھی ضرورت نہ تھی اور اب میں آپ سے کوئی بات کہنا چاہتی ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک پہاڑ کا بوجھ صرف پہاڑ ہی اُٹھا سکتا ہے۔ اگر آپ مجھے اپنے حصے کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی اجازت دیں تو میں یہ عرض کروں گی کہ سلطان ابوالحسن اور ملکہ عائشہ کا بیٹا اور میرے سرتاج اُس غدار کے گھر نہیں جا سکتے۔ میں آپ کے ساتھ افریقہ کی خاک چھاننے کے لیے تیار ہوں، لیکن یہ توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتی! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو اپنی آمد کی اطلاع بھی نہ دے اور آپ اس کے گھر پہنچ جائیں "

ابوعبداللہ کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا اور پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔

ایک کنیز کمرے میں داخل ہوئی اور اُس نے محافظ دستے کے سالار

کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ وزیر ابوالقاسم آ رہا ہے۔

سلطان نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا "ملکہ! اب آپ کا کیا حکم ہے؟"

ملکہ نے آبدیدہ ہو کر کہا "عالیجاہ! میں تو محض التجا کر سکتی ہوں اور میری التجا اتنی ہی ہے کہ آپ پہلے اطمینان سے ناشتہ کریں اور ملاقات کے دوران اسے یہ احساس نہ ہونے دیں کہ آپ ایک غدار سے بغلگیر ہونے کے لیے اس قدر بے تاب تھے۔"

○

ایک ساعت بعد ابُوعبداللہ بالائی منزل سے نیچے اُترا تو زینے کے سامنے اس کے محافظ دستے کا سالار اور چند دوسرے مسلح آدمی کھڑے تھے۔

سالار نے ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا "عالیجاہ! ابوالقاسم کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ چند نصرانی فوجی بھی آئے ہیں۔ میں نے مسلح آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ ابوالقاسم نے بھی اصرار نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ وہ آپ کے لیے قیمتی تحائف لائے ہیں۔ ہم نے آٹھ صندوق خچروں سے اُتروا کر ملاقات کے کمرے میں رکھوا دیے ہیں۔"

ابوعبداللہ کچھ کہے بغیر ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا۔ ابوالقاسم کرسی سے اٹھا اور گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا "عالیجاہ! مجھے عمر بھر اس بات کا ملال رہے گا کہ میں ملکۂ عالیہ کے جنازے میں شریک نہ ہو سکا۔ حالات ایسے تھے کہ مجھے اچانک طلیطلہ جانا پڑا۔ میں علی الصباح فاتحہ خوانی اور دعائے

مغفرت کے لیے ان کی قبر پر گیا تھا اور مجھے بار بار یہ خیال پریشان کرتا ہے کہ کاش ! ان کی آخری آرام گاہ ان کی شان کے شایاں ہوتی "۔

ابوالقاسم کی زبان سے ہمدردی کے چند رسمی الفاظ نے ابوعبداللہ کے سارے گلے دُور کر دیے اور اُس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا " ابوالقاسم! آپ تشریف رکھیں !! مجھے رات کے وقت آپ کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی "۔

" عالیجاہ ! میں گھر پہنچتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا مگر رات کے وقت آپ کے آرام میں مخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ میری فروگزاشت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فرڈی نینڈ نے مجھے آپ کی خدمت میں ایک نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا تھا اور رات کی تاریکی میں اس پہاڑی راستے پر باربرداری کے خچروں کو یہاں پہنچانا مشکل تھا۔ میں خود بھی بہت تھک چکا تھا۔ فرڈی نینڈ اور ازابیلا کو بھی ملکہ عالیہ کی وفات کی خبر سُن کر بہت صدمہ ہوا اور اُن کی یہ خواہش تھی کہ اب اگر الفجارہ میں آپ کا جی نہ لگے تو آپ کو پورے احترام کے ساتھ رُخصت کیا جائے اور آپ کو یہ احساس نہ ہونے دیا جائے کہ آپ الفجارہ میں قیام کے دوران اپنی ساری پونجی لُٹا چکے ہیں "۔

ابوعبداللہ کو اچانک یہ محسوس ہوا کہ ایک معصوم بھیڑ کی کھال کے اندر ایک بھیڑیا چھپا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر تو اس کے مُنہ سے آواز تک نہ نکل سکی بالآخر ڈوبتی ہوئی آواز میں بولا " ابوالقاسم ! اگر تم فرڈی نینڈ کی طرف سے کوئی نیا منصوبہ لے کر میرے پاس آئے ہو تو صاف صاف بات کرو ! "

" عالیجاہ ! آپ کو میرے خلوص کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے صرف آپ کی خاطر طلیطلہ کا سفر اختیار کیا تھا اور جب آپ یہ صندوق کھول کر دیکھیں گے تو آپ کو یہ شکایت نہیں ہوگی کہ میں

ناکام لوٹا ہوں۔ میں آپ کے لیے اسی ہزار "دوکٹ" کا نذرانہ لایا ہوں، مجھے اس بات کا بہت افسوس تھا کہ آپ کی پونجی ختم ہو چکی ہے اور جو تھوڑے بہت آدمی آپ کے پاس رہ گئے ہیں انھیں آپ پوری تنخواہ بھی نہیں دے سکتے۔ یہ جاگیر آپ کے گزارے کے لیے کافی نہیں اور آپ اسّی ہزار دوکٹ کے عوض مراکش یا الجزائر میں اس سے زیادہ زمین حاصل کر سکتے ہیں۔"

ابوعبداللہ کی رگوں کا سارا خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ کچھ دیر وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ابوالقاسم کی طرف دیکھتا رہا پھر اچانک غصے سے کانپتا ہوا اُٹھا اور اپنا خنجر نکال کر بلند آواز میں چلّایا "ذلیل آدمی! تم غدّار ہو!! تم وہ سانپ ہو جو مجھے کئی بار ڈس چکا ہے، لیکن اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔"

ابوالقاسم نے جلدی سے اُٹھ کر ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا "عالیجا! آپ کو مجھ پر ہاتھ اُٹھانے سے پہلے یہ بات اچھی طرح سوچ لینی چاہیے کہ مجھے قتل کرنے کے بعد آپ کا انجام کیا ہوگا؟ ـــــ البجارہ کے قبائل آپ سے نفرت کرتے ہیں۔ انھیں اس بات سے کوئی دل چسپی نہیں کہ اندلس چھوڑنے کے بعد آپ کہاں جائیں گے، لیکن میں اُن کی آخری ڈھال ہوں اور میری موت کے بعد ان پر جو تباہی نازل ہوگی اُس کی ساری ذمہ داری آپ پر ڈالی جائے گی۔ صرف البجارہ پر ہی تباہی نہیں آئے گی بلکہ غرناطہ کی گلیاں بھی بے گناہ مسلمانوں کے خون سے بھر جائیں گی۔ کیا آپ مجھے اس بات کی سزا دینا چاہتے ہیں کہ میں اپنی زندگی میں آپ کے مستقبل کے متعلق اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں؟ ـــــ ابوعبداللہ! میں آپ کا دُشمن نہیں ہوں۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ میرے بعد آپ کو آئے دن نئے

آلام و مصائب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور آپ کسی دن تنہا نہیں رہ جائیں گے تو میں آپ کو ہجرت کرنے کا مشورہ نہ دیتا۔ جب آپ نے فرڈی نینڈ کو اپنی نیک نیتی کا ثبوت دینے کے لیے غرناطہ چھوڑ دیا تھا تو مجھے اس بات کا یقین تھا کہ اس کے بعد وہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا، لیکن تنگ نظر راہبوں نے اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی ہے کہ ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔ میں فرڈی نینڈ اور ازابیلا کو مطمئن کرنے کی ہر امکانی کوشش کر چکا ہوں مگر ان کے ذہن سے کلیسا کے زہریلے اثرات زائل کرنا میرے بس کی بات نہیں۔"

ابوعبداللہ کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنا خنجر پیچھے ہٹا لیا اور کہا "اب بھی کوئی بدبخت میرے متعلق یہ سوچ سکتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں؟"

"آپ اپنی قوم کو اپنی بے بسی اور بے چارگی کا احساس دلا سکتے ہیں مگر کلیسا کے راہب جنھوں نے الحمرا کی شان دیکھی ہے، انھیں یہ اطمینان کیسے دلایا جا سکتا ہے کہ آپ البجارہ میں تھوڑی سی زمین پر قانع رہ سکتے ہیں میں ان کا یہ خدشہ کیسے دور کر سکتا ہوں کہ کسی دن آپ ترک اور بربر افواج کی اعانت سے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لینے کی کوشش کریں گے؟

—— عالیجاہ! آپ کا خادم آپ کے احساسات سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اس وقت میری گفتگو سے آپ کو تکلیف ضرور ہو گی، لیکن جب آپ افریقہ کے کسی ملک کی آزاد فضاؤں میں سانس لیں گے تو آپ کو محسوس ہو گا کہ آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ جلد از جلد اس گرداب سے نکل جائیں۔ اگر آپ کو مستقبل کی الجھنوں اور مصیبتوں سے نجات دلانے کی اور کوئی تدبیر میرے ذہن میں آ سکتی تو میں یہاں نہ آتا۔ آپ یہ کہہ سکتے

ہیں کہ میں آپ کی توقعات پوری نہیں کر سکا، لیکن خدا شاہد ہے کہ میں نے دانستہ طور پر آپ سے کوئی برائی نہیں کی۔ ہم زمانے کے گرداب میں پھنس گئے ہیں۔ مجھے اپنی فکر نہیں لیکن آپ کو اس گرداب سے نکالنا میں اپنا اوّلین فرض سمجھتا ہوں ـــــ میں آپ کے پاس فرڈی نینڈ کی طرف سے کوئی حکم لے کر نہیں آیا۔ اگر آپ یہیں رہنے پر بضد ہوں تو میں خاموشی سے واپس چلا جاؤں گا اور مرتے دم تک اپنے حصّے کا بوجھ اُٹھانے کی کوشش کروں گا۔ فرڈی نینڈ کو بھی اس بات کا کوئی ملال نہیں ہوگا کہ آپ نے اسی ہزار کا نذرانہ رد کر دیا ہے۔ وہ کچھ عرصہ اور آپ کو اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے کا موقع دے گا لیکن کسی نہ کسی دن ملکہ ازابیلا اور خداوندانِ کلیسا کی خواہشات اس کی ذاتی مصلحتوں پر غالب آجائیں گی اور پھر آپ کے پاس وہ ایلچی آئیں گے جن کی زبان میری زبان سے زیادہ سخت ہوگی اور آپ انھیں خنجر دکھا کر مرعوب نہیں کر سکیں گے۔"

ابوعبداللہ کی حالت اس آدمی کی سی تھی جس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر سمندر میں پھینک دیا گیا ہو۔ ـــــ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "ابوالقاسم! میں اپنے قاتل کو اپنی کھال اُتارنے کی لذت سے محروم نہیں کروں گا ـــــ مجھے بحری سفر کا انتظام کرنے کے لیے صرف چند ہفتوں کی مہلت درکار ہے۔"

"عالیجاہ! میں نے ایک انتہائی ناخوشگوار فرض ادا کیا ہے۔ اب آپ کے لیے بحری سفر کا انتظام فرڈی نینڈ کی ذمہ داری ہے اور میں اس سے یہ وعدہ لے کر آیا ہوں کہ آپ کے لیے سرکاری جہاز فراہم کیے جائیں گے اور آپ کو شاہانہ اعزاز کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔"

"نہیں! فرڈی نینڈ کو میرے لیے جہاز مہیا کرنے کی ضرورت نہیں میں اپنے لیے انتظام کر سکتا ہوں۔ کل میرا ایلچی مراکش روانہ ہو جائے گا' اور مجھے یقین ہے کہ مراکش کا حکمران اپنے جہاز بھیجنے کے لیے میری درخواست رد نہیں کرے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے راستے میں ہی کوئی جہاز مل جائے۔ مجھے صرف اتنی اجازت چاہیے کہ میں کسی قریب ترین بندرگاہ سے سوار ہو سکوں۔"

"عالیجاہ! میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ جو جہاز آپ کو لینے کے لیے آئیں ان سے کوئی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ اگر مراکش کا حکمران آپ کو پناہ دینے پر آمادہ ہو تو فرڈی نینڈ کو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہاں! وہ ترکوں کے کسی جہاز کو ساحل کے قریب آنے کی اجازت نہیں دیگا۔"

"ترکوں کو اندلس کے ساحل تک پہنچنے کے لیے فرڈی نینڈ کی اجازت کی ضرورت نہیں، مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ میری ذلت اور رسوائی دیکھیں۔ تم فرڈی نینڈ کو میری طرف سے یہ اطمینان دلا سکتے ہو کہ مراکش کے علاوہ کسی اور ملک میں جائے پناہ تلاش نہیں کروں گا۔ اگر تم مالقہ میں بحری فوج کے کسی افسر کو جانتے ہو تو اس کے نام یہ خط لکھ دو کہ میرے ایلچی کو مراکش کے ساحل پر اُتار دیا جائے۔"

"عالیجاہ! فرڈی نینڈ کا ایک خاص آدمی طلیطلہ سے میرے ساتھ آیا ہے اور کل علی الصباح آپ کے ایلچی کو مالقہ کے کسی ذمہ دار افسر کے نام اس کا خط مل جائے گا۔"

"تم کتنے فرض شناس ہو ابو القاسم! تمہارا کوئی انتظام ادھورا نہیں ہوتا۔ سچ کہو! تم مجھے کتنے دنوں تک یہاں سے نکالنے کا وعدہ کر کے آئے

ہو ؟"———

" عالیجاہ! اب ایسی تلخ باتوں سے کیا فائدہ ؟ میں جانتا ہوں کہ میں ایک انتہائی ناخوشگوار فریضہ انجام دے رہا ہوں۔"

" تم کب تک یہاں ٹھہرو گے ؟"

" اگر آپ اجازت دیں تو دو تین دن آرام کرنے کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔"

" مجھے رخصت ہوتے نہیں دیکھو گے ؟ "

" عالیجاہ! اگر حالات نے اجازت دی تو ہو سکتا ہے کہ میں چند دنوں تک واپس آجاؤں، ورنہ ساحل پر ہماری ملاقات ضرور ہوگی۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک ضروری بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

" کہو! "

" عالیجاہ! الغجارہ میں یہ خبر مشہور نہیں ہونی چاہیے کہ آپ جارہے ہیں! "

" تمہارا خیال ہے کہ الغجارہ میں بغاوت ہو جائے گی ؟ "

" نہیں! لیکن لوگ آپ کو پریشان ضرور کریں گے۔"

" تم فرڈی نینڈ کو یہ اطلاع بھیج سکتے ہو کہ جب تک میں یہاں سے روانہ نہیں ہو جاتا، میرے انتہائی قابلِ اعتماد ساتھیوں کے سوا کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہو گا کہ آج ہمارے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں۔"

ابوالقاسم کرسی سے اٹھ کر بولا " اب مجھے اجازت دیجیے! انشاءاللہ میں اپنے قیام کے دوران ہر روز یہاں حاضری دینے کی کوشش کروں گا۔"

ابوعبداللہ نے اٹھ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا، لیکن جب وہ

مصافحہ کرکے دروازے کی طرف بڑھا تو اچانک ابوعبداللہ کے دل میں کوئی خیال آیا اور اس نے کہا "ابوالقاسم! ٹھہرو! میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

ابوالقاسم مڑکر اس کی طرف دیکھنے لگا "فرمایئے!"

ابوعبداللہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میں سوچ رہا ہوں کہ جب میں یہاں سے ہجرت کرجاؤں گا اور فرڈی نینڈ کو یہ اطمینان ہوجائے گا کہ تم اس کی اہم ترین ضرورت پوری کرچکے ہو تو ملکہ ازابیلا یا کلیسا کے اکابر اُسے یہ سوچنے پر تو مجبور نہیں کردیں گے کہ اب کسی چھوٹے کام کے لیے ایک بڑے آدمی کی ضرورت باقی نہیں رہی ——— میرا مطلب یہ ہے کہ مجھ جیسا احمق یہاں رہ کر بھی اس کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہوسکتا تھا، لیکن جب اسے یہ احساس ہوگا کہ تم ضرورت سے زیادہ ہوشیار ہو اور تمھاری ذہانت اس کے لیے بھی کوئی خطرہ پیدا کرسکتی ہے تو وہ کتنا عرصہ تمھارے ساتھ نباہ کرسکے گا؟"

ابوالقاسم کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ چند ثانیے اضطراب کی حالت میں ابوعبداللہ کی طرف تکتا رہا۔ بالآخر ڈوبتی ہوئی آواز میں بولا "میں نے اپنی استعداد کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کی ہیں اور یہ مسئلہ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے کہ میرا انجام کیا ہوگا۔"

ابوعبداللہ نے آگے بڑھ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "میرے دوست! میرا مقصد تمھیں پریشان کرنا نہیں۔ پھر بھی ہر راستے کی ایک آخری منزل ہوتی ہے اور مجھ جیسے لوگ جو تاریک اور بے نشان راستوں پر قدم اُٹھاتے ہیں کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ان کی آخری منزل کہاں ہے لیکن تم ایک ہوشیار آدمی ہو، اس کے باوجود میں تمھیں یہ مشورہ دینے کی ضرورت

محسوس کرتا ہوں کہ تمھیں غروبِ آفتاب اور طلوعِ آفتاب کے درمیان ہر لمحہ یہ سوچنا چاہیے کہ وہ رات جو سر پر آچکی ہے کہیں تمھاری آخری رات اور وہ صبح جو اس کے بعد آئے گی کہیں تمھاری آخری صبح نہ ہو —— اب جاؤ! ابوالقاسم!! اگر موقع ملا تو ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔ اس وقت تمھیں آرام کی ضرورت ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ابوالقاسم قلعے سے باہر نکل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا اور ابوعبداللہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے ٭

شہسوار

چار دن بعد ــــــ ابوالقاسم غرناطہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور سعاد جسے اس کی موجودگی میں گھر سے نکلنے کا موقع نہیں ملا تھا ــــــ دوسرے روز، صبح ہوتے ہی غرناطہ کی سمت جانے والے کشادہ راستے پر گھوڑا دوڑا رہی تھی ــــــ

یہ راستہ جو قریباً ڈیڑھ میل آگے ایک ٹیلے کے کنارے بل کھاتا ہوا بائیں جانب پہاڑ کے نشیب و فراز میں گم ہو جاتا تھا دائیں طرف نسبتاً تنگ اور دشوار گزار تھا اور ایک ٹیلے کے عقب سے قبرستان کی طرف جاتا تھا۔ حبشی غلام سعاد سے کچھ دُور پیچھے آ رہا تھا ــــــ ایک موڑ سے نکل کر نسبتاً کشادہ اور ہموار راستے پر اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

قبرستان کے قریب وہ گھوڑے سے اُتر کر اپنے ساتھی کا انتظار کر رہی تھی کہ ایک مجاور بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام لے کر بولا "جناب! آپ کا غلام ساتھ نہیں آیا؟"

"وہ پیچھے آ رہا ہے۔"

سعاد پھولوں کا گلدستہ ہاتھ میں لیے آگے بڑھی اور اُس نے ملکہ،

عائشہ کی قبر پر پھول چڑھانے کے بعد دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا لیے۔
دُعا ختم کرنے کے بعد وہ تنگ وادی کی ڈھلوان پر گھنے درختوں سے اُن بلند چٹانوں کی طرف دیکھ رہی تھی جن کی برہنہ چوٹیاں سُورج کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ ایک عقاب فضا میں اُڑ رہا تھا اور اس کی پرواز کے دائرے بتدریج بلند ہو رہے تھے۔ سعاد کچھ دیر آسمان کی طرف دیکھتی رہی۔ جب وہ واپس لَوٹنے کا ارادہ کر رہی تھی تو اچانک اس کی نگاہیں تنگ وادی کے پار قریب ترین چٹان کی چوٹی پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

ایک سوار چوٹی پر نمودار ہوا اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد نیچے اُترنے لگا۔ سعاد پہلی نظر میں ہی اندازہ لگا چکی تھی کہ اس کے لیے گھوڑے کے بغیر بھی نیچے اُترنا ممکن نہیں۔ وہ اسے خبردار کرنا چاہتی تھی کہ تم موت سے کھیل رہے ہو۔ لیکن اس کی آواز سوار کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہ اضطراب اور بے بسی کی حالت میں دونوں ہاتھ اُٹھا کر اُسے اشارہ کر رہی تھی۔ سوار پندرہ بیس گز نیچے اترنے کے بعد گھوڑے سے نیچے کُود پڑا اور اس کی لگام پکڑ کر کھینچنے لگا۔

"نہیں! نہیں!!" سعاد پُوری قوت سے چلّا رہی تھی۔ اس کا غلام اور قبرستان کے مجاور بھی بھاگتے ہوئے اس کے قریب پہنچے۔

غلام نے کہا "جناب! وہ یقیناً کوئی پاگل ہے لیکن خودکشی کے لیے اسے اپنے ساتھ ایک خوب صورت گھوڑا ہلاک کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ آگے ڈھلوان اتنی خطرناک ہے کہ ایک بکری بھی نیچے نہیں اُتر سکتی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"خدا کے لیے جاؤ!" سعاد نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

غلام بھاگتا ہوا قبرستان سے نکلا اور گھنے درختوں میں روپوش ہو گیا، سعاد اور تینوں مجاور اس کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگے ——— تھوڑی دیر بعد حبشی غلام پوری قوت سے آوازیں دے رہا تھا " خدا کے لیے رک جاؤ! تم نیچے نہیں آ سکتے۔"

بوڑھے مجاور نے سعاد سے کہا " جناب! آپ احتیاط سے چلیے! آگے ایک گہرا کھڈ ہے ——— دیکھیے! اس نے گھوڑے کو ایک ایسی خطرناک جگہ لا کر چھوڑ دیا ہے جہاں سے اس کا لوٹنا ممکن نہیں۔"

" لیکن وہ خود کہاں ہے؟ " سعاد نے رک کر چٹان پر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

مجاور نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا " جناب! اس جھاڑی کی طرف دیکھیے! وہ چٹان کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ وہاں تو کھڑا ہونے کے لیے بھی کوئی جگہ نہیں۔ اگر وہ رک جائے تو شاید اسے کوئی مدد مل سکے، لیکن اب وہ نیچے سرک رہا ہے۔ اس وقت تک آپ کے نوکر کی آوازیں یقیناً اس کے کانوں تک پہنچ چکی ہوں گی۔ وہ پاگل نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اسے کسی بہت بڑے خطرے یا کسی ایسے مقصد نے اس اقدام پر مجبور کیا ہے جسے وہ اپنی زندگی سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔"

سعاد دم بخود ہو کر کبھی اس مصیبت زدہ آدمی اور کبھی اس کے گھوڑے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اچانک چھ سوار جن کے خود دھوپ میں چمک رہے تھے یکے بعد دیگرے چٹان کی چوٹی سے نمودار ہوئے اور چند لمحے نیچے دیکھنے کے بعد تیر اور پتھر برسانے لگے۔ اجنبی کے سر کے اوپر چٹان کا کچھ حصہ باہر کی طرف جھکا ہوا تھا اس لیے

وہ حملہ آوروں کی زد سے محفوظ تھا، مگر اس کا گھوڑا ایک بھاری پتھر سے زخمی ہو کر اُچھلا، گرا اور راستے میں چٹان کے ابھرے ہوئے کناروں سے ٹکراتا ہوا سعاد کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک اس کی خوف ناک آواز فضا میں گونجتی رہی۔

پھر اجنبی کے پاؤں سے ایک پتھر کھسک کر نیچے گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی جھاڑی کی ایک شاخ جو اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھی تھی ٹوٹ گئی۔ وہ چٹان کے ساتھ رگڑ کھاتا ہوا چند گز نیچے ایک اور جھاڑی سے لٹک گیا۔ پھر جب جھاڑی کی کمزور شاخیں اس کے بوجھ سے ٹوٹنے لگیں تو اُس نے ایک موٹی سی شاخ پکڑ لی اور اپنے پاؤں ایک پتھر پر جما دیے۔

"اللہ تمھاری مدد کرے! اللہ تم پر فضل کرے!!" سعاد قدم قدم پر دُعائیں مانگتی ہوئی آگے بڑھی، لیکن حبشی غلام بھاگتا ہوا واپس آیا اور اس نے کہا "جناب! آپ آگے نہ جائیں۔ آپ کو درختوں سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ مجھے شک ہے کہ یہ وہی نصرانی ہیں جو آقا کے ساتھ آئے تھے اور یہ اجنبی اپنے لباس سے مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ اب وہ لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے۔ اس کی جان اسی صورت میں بچ سکتی ہے کہ حملہ کرنے والے اس کو مُردہ سمجھ کر چھوڑ جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آدمی جس کے متعلق ہم اس قدر پریشان ہیں، کوئی دشمن ہو، جو ہماری طرف سے کسی ہمدردی کا حق دار نہ ہو ——— اگر آپ اس کا گھوڑا اچھی طرح دیکھ سکتیں تو شاید آپ بھی میری طرح یہی محسوس کرتیں کہ وہ بالکل وزیرِ اعظم ابوالقاسم کے گھوڑے کی طرح تھا۔"

"تم تو پاگل ہو گئے ہو۔ ہر خوب صورت گھوڑے کو اپنے آقا کی ملکیت سمجھتے ہو!"

غلام کو کچھ اور کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔
سعاد کی نگاہیں اجنبی پر مرکوز تھیں۔ بُوڑھے مجاور نے کہا "جناب! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ واپس جا رہے ہیں۔"
سعاد نے چوٹی کی طرف دیکھا۔ حملہ آور گھوڑوں کی لگامیں پکڑ رہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔
سعاد نے تھوڑی دیر توقف کے بعد کہا "تمہیں یقین ہے کہ وہ نیچے آ سکے گا؟"
"جناب! اگر اس کی ہمت جواب نہ دے گئی تو شاید اس کی جان بچ جائے۔ وہ چٹان کے انتہائی خطرناک حصّے سے نیچے آ چکا ہے۔ اگر وہ کھڈ تک پہنچ گیا تو ہمارے لیے اسے اس طرف لانا مشکل نہیں ہوگا، لیکن آپ یہیں ٹھہریں!"
"نہیں! میں کھڈ تک تمہارے ساتھ چلوں گی۔"
بوڑھے مجاور نے سعاد کے ساتھ چلتے ہوئے کہا "جناب! اگر وہ نصرانی ہیں تو جس آدمی کا اُنھوں نے اُس چٹان تک پیچھا کیا ہے، اس کی ہلاکت کے متعلق پورا اطمینان حاصل کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ چند دشوار گزار گھاٹیاں عبور کرنے اور ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد وہ اس طرف آ سکتے ہیں، اس لیے ہمیں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کے اندر اندر اجنبی کو وہاں سے نکال کر کسی محفوظ جگہ پہنچا دینا چاہیے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ اپنے گھوڑے پر واپس چلی جائیں اور گھر سے چند مسلح آدمی یہاں بھیج دیں۔"
"نہیں! ہمارا کوئی آدمی ایک اجنبی کی جان بچانے کے لیے نصرانیوں کے ساتھ اُلجھنا پسند نہیں کرے گا۔ تم واپس جاؤ! اور ہمارے گھوڑے یہاں

اکر کسی درخت کے ساتھ باندھ دو! اس کے علاوہ پانی بھی لے آؤ! اگر اُس کی جان بچ گئی تو میں تم سب کو دس دس سُنہری دینار انعام دوں گی"

بوڑھا آدمی بھاگتا ہوا واپس چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد باقی تین آدمی کھڈ میں اُترنے لگے۔ سعاد کھڑی اجنبی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بدستور دونوں ہاتھوں سے جھاڑی کی شاخ تھامے چٹان کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔ اچانک سعاد کے غلام کی آواز سنائی دی "ہم تمھاری مدد کے لیے آرہے ہیں۔ تمھارے دشمن واپس جا چکے ہیں۔ تمھارے لیے سیدھا نیچے اُترنا بہت خطرناک ہے، لیکن اگر تم دائیں طرف اس شگاف تک پہنچنے کی کوشش کرو تو وہاں سے نیچے آنا زیادہ آسان ہوگا۔"

اجنبی نے ذرا سر اُٹھا کر دیکھا اور آہستہ آہستہ دائیں کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔

سعاد کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ پوری قوت سے چلّانا چاہتی تھی، مگر اُس کا گلا خشک ہو چکا تھا۔ اس نے کرب کی حالت میں آنکھیں بند کرلیں۔

اجنبی نے پانچ منٹ میں قریباً تیس قدم فاصلہ طے کیا اور ایک برساتی آبشار کی تنگ گزرگاہ میں جو قریباً چار پانچ فٹ چوڑی اور اسی قدر گہری تھی اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا دیے۔

شاباش! ایک مجاور بلند آواز میں چلّایا۔ سعاد نے آنکھیں کھولیں۔ اجنبی آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہا تھا۔

سعاد، کچھ دیر اس بہادر آدمی کے عزم اور حوصلے کا ایک ناقابلِ یقین مظاہرہ دیکھتی رہی۔ پھر اچانک ایک درخت کی اوٹ میں ہو کر سجدے میں گر پڑی اور مارے خوشی کے ایک بچے کی طرح رونے لگی۔

اجنبی کھڈ میں اتر کر چند منٹ منہ کے بل بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اتنے میں سعاد کا غلام اور اس کے دو ساتھی اس کے قریب پہنچ گئے۔

اجنبی نے آہستہ سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا لباس پھٹا ہوا تھا اور اس کے ہاتھوں، کُہنیوں، گھٹنوں اور پیشانی سے خُون رِس رہا تھا۔

"تمھیں یقین ہے کہ میرا پیچھا کرنے والے سوار واپس جا چکے ہیں؟" اس نے قدرے تامّل سے پوچھا۔

"ہاں!" ایک مجاہد نے جواب دیا "سرِ دست آپ کو ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں، تاہم اس بات کا امکان ضرور ہے کہ وہ ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد دوسرے راستے سے اس طرف آنے کی کوشش کریں، اس لیے آپ کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ اگر آپ چل سکتے ہوں تو آپ سامنے ان درختوں کی اوٹ میں دشمن کی نگاہوں سے زیادہ محفوظ ہوں گے۔ اس کے بعد ہم آپ کے لیے کوئی موزوں جائے پناہ تلاش کر سکیں گے۔ آپ کو تکلیف تو ضرور ہوگی مگر یہ چڑھائی زیادہ دُشوار نہیں ہے۔"

اجنبی نے اُٹھتے ہوئے کہا "چلیے! اگر قدرت نے آپ کو میری مدد کے لیے بھیجا ہے تو مجھے آپ کی رفاقت میں راستے کی مشکلات کا احساس نہیں ہوگا۔" وہ لڑکھڑاتا ہوا ان کے ساتھ ہو لیا۔

چند قدم چلنے کے بعد حبشی غلام نے کہا "مجھے آپ کے گھوڑے کی ہلاکت کا افسوس ہے۔ ایسے خوب صورت جانور بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ اسی رنگ اور بالکل اسی حلیے کا ایک گھوڑا میرے آقا کے پاس بھی ہے۔"

"تمھارا آقا!" اجنبی مضطرب ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا تو ایک مجاہد

نے کہا "یہ وزیر ابوالقاسم کے خادم ہیں"
"اُن کی قیام گاہ کس طرف ہے؟"
"زیادہ دور نہیں"
"وہ گھر پر ہیں؟"
"نہیں! وہ غرناطہ واپس جاچکے ہیں"
"کب؟"
"وہ کل علی الصباح روانہ ہو گئے تھے ـــــ لیکن جناب! آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کے دشمن کون تھے؟

وہ نصرانی تھے اور اب تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ میرا پیچھا کیوں کر رہے تھے ـــــ تمھیں یقین ہے کہ ابوالقاسم کا گھوڑا بالکل اسی گھوڑے جیسا تھا؟

"جی ہاں!" غلام نے جواب دیا "اسے دُور سے دیکھ کر یہی شک ہوا تھا لیکن اس کی لاش دیکھنے کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ شاید یہ میرا وہم ہو۔ ابوالقاسم کا گھوڑا اس سے کہیں زیادہ خوب صُورت اور مضبوط تھا"

اجنبی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔

○

قریباً دو تہائی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔ سعاد دو تین منٹ بے چینی کی حالت میں اسے دیکھتی رہی پھر اس نے اپنے غلام کو آواز دی "ابویعقوب! اسے سہارا دے کر اُوپر لے آؤ!"

سعاد کے غلام اور ایک مجاور نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور اُس نے

اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا "مجھے چھوڑ دو۔ میرا سر چکرانے لگا تھا۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

اجنبی چند قدم چل کر درختوں کی اوٹ میں ایک پتھر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ بوڑھے مجاور نے مٹی کے ایک پیالے میں پانی بھر کر اس کے منہ سے لگا دیا۔ اجنبی نے ایک ہی سانس میں یہ پیالہ خالی کر دیا ــــــ اور پھر للچائی ہوئی نظروں سے پانی کے برتن کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ دیکھ کر مجاور نے یکے بعد دیگرے اور دو پیالے بھر کر اسے پیش کر دیے۔

سعاد نے اپنے سر سے چادر اُتار دی۔ پھر جلدی سے ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر پانی سے تر کیا اور اجنبی کے قریب بیٹھ کر اس کے زخم صاف کرنے لگی ــــــ اُس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ایک اجنبی نوجوان کو اس قدر اپنے قریب دیکھ رہی تھی۔

جب وہ کھڈ کے پار ایک بلند اور ناقابلِ عبور چٹان کے دامن میں زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا تھا تو سعاد اپنے تصوّر میں اندلس کے ان مجاہدوں کے ساتھ اس کے رشتے جوڑ رہی تھی، جو کئی رزمگاہوں میں مردانگی کے جوہر دکھا چکے تھے اور جب وہ سربسجود ہو کر اس کی سلامتی کے لیے دعا مانگ رہی تھی تو بار بار اس کے ذہن میں یہ خیال آتا تھا کہ اگر وہ اس کڑی آزمائش سے زندہ و سلامت نکل آیا تو میں اسے یہ بتاؤں گی کہ میں فلاں باپ کی بیٹی ہوں اور اگر آپ فلاں فلاں معرکے میں حصہ لے چکے ہیں تو آپ یقیناً انھیں جانتے ہوں گے۔"

لیکن اب وہ ایک ایسے آدمی کو دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پر ابھی تک جوانی کی پختگی نہیں آئی تھی اور وہ ایک تجربہ کار سپاہی کی بجائے کسی مکتب کا

طالب علم معلوم ہوتا تھا۔ تاہم اُس کی آنکھیں ناقابلِ شکست حوصلوں کی آئینہ دار تھیں۔

سعادنے اس کے زخم صاف کرنے کے بعد چادر سے چند اور ٹکڑے پھاڑے اور ان پر پٹیاں باندھنے لگی۔ اجنبی بے خیالی میں کبھی کبھی اس کی طرف دیکھتا تو حیا اور مرعوبیت کا احساس اُس کی آنکھوں پر پردے تان دیتا۔

"آپ کون ہیں؟" سعاد نے پوچھا۔

"میں ایک مصیبت زدہ مُسافر ہوں اور میرا نام ابُوالحسن ہے۔"

"میرے لیے آپ کی مصیبت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ میں آپ کو موت سے کھیلتے ہوئے دیکھ چکی ہوں، لیکن ہم زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو سکیں گے؟"

"ہاں! اگر آپ کوئی جائے پناہ تلاش کر سکیں تو میرے لیے پیدل بھاگنے کی بجائے گھوڑے پر سواری کرنا زیادہ آسان ہوگا۔ مگر میں نہیں چاہتا کہ آپ میری وجہ سے کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔"

سعاد نے کہا "میرا باپ ایک مسلمان تھا اور جس ماں نے مجھے دُودھ پلایا تھا، وہ بھی ایک مسلمان تھی۔"

"معاف کیجیے! میں ناشکر گزار نہیں ہوں، مگر آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو سوار میرا پیچھا کر رہے تھے وہ نصرانی فوج سے تعلق رکھتے ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے قتل کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ اس لیے میری اعانت کا فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیجیے کہ میری وجہ سے آپ کو کئی خطرات پیش آ سکتے ہیں۔"

سعاد نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے جواب دیا "یہ

جگہ ایسی باتوں کے لیے موزوں نہیں۔ میں آپ کی سرگزشت سُننے سے پہلے آپ کو کسی ایسی جگہ پہنچانا چاہتی ہوں جو آپ کے دشمنوں سے محفوظ ہو۔"

اُس نے نوکر کو اشارہ کیا اور وہ پاس ہی کے ایک درخت سے دونوں گھوڑے کھول کر لے آیا۔

ابوالحسن اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سعاد نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "آپ اس پر سوار ہو جائیں! اگر راستے میں کوئی خطرہ پیش آیا تو آپ اس کی تیز رفتاری پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔"

وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ سعاد نے اپنے غلام سے مخاطب ہو کر کہا: "ابویعقوب! تم بھاگ کر قبرستان سے آگے ٹیلے کی چوٹی سے غرناطہ کے راستے کی طرف دیکھتے رہو۔ اگر ان کے دشمن نظر آئیں تو ہمیں خبر کر دینا۔ ہم تمھارے پیچھے پیچھے آئیں گے۔"

غلام بھاگ کر درختوں میں غائب ہو گیا اور سعاد دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر مجاوروں سے مخاطب ہوئی۔ "اگر کوئی اس طرف آ کر تم سے ان کے متعلق پوچھے تو یہ کہہ دینا کہ الفجارہ کے حریت پسند ایک آدمی کو کھڈ سے نکال کر مشرق کی طرف لے گئے ہیں۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ قبائل کا ایک لشکر چند کوس دُور کسی بستی میں جمع ہو رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ درندے کوئی بڑا خطرہ مول لینا پسند نہیں کریں گے۔"

○

تھوڑی دیر بعد انھیں ٹیلے کے ساتھ ساتھ تنگ راستے کے ایک موڑ سے حبشی نوکر آتا دکھائی دیا۔ وہ اطمینان سے نیچے اُتر رہا تھا۔ سعاد گھوڑا روک

کر اسے دیکھنے لگی۔ غلام نے قریب پہنچ کر آواز دی "آگے کوئی خطرہ نہیں، آپ جلدی سے گھر پہنچنے کی کوشش کریں!"

سعاد نے مڑ کر ابوالحسن کو دیکھا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

ٹیلے کے گرد نصف چکر لگانے کے بعد ابوالحسن کو سرسبز وادی کی پشت میں ایک چھوٹا سا قلعہ دکھائی دیا۔ اس نے اپنا گھوڑا سعاد کے قریب کرتے ہوئے سوال کیا "آپ کا گھر کہاں ہے؟"

سعاد نے گھوڑا روک کر اس کی طرف دیکھا اور قلعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ ہمارا گھر ہے۔ اگر آپ تکلیف محسوس کر رہے ہوں تو ہم تھوڑی دیر یہاں رک سکتے ہیں۔"

ابوالحسن نے سوال کیا "اس قلعے میں کون رہتا ہے؟"

"وزیر اعظم ابوالقاسم۔"

"اور آپ ....؟"

"میں بھی اسی قلعے میں رہتی ہوں۔ ابوالقاسم میرے رشتے دار ہیں۔"

"لیکن ....." ابوالحسن نے مذبذب ہو کر کہا "میں وہاں نہیں جا سکتا۔"

سعاد پریشان ہو کر بولی "اگر آپ کو نصرانیوں سے خطرہ ہے تو بھی ہمارے گھر سے بہتر کوئی اور جائے پناہ نہیں مل سکتی۔ آپ کے دشمن اس قلعے کی تلاشی لینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ آپ کے زخموں کے علاج کے لیے کسی اچھے طبیب کی ضرورت ہے اور ہمارا طبیب کافی تجربہ کار ہے۔"

ابوالحسن نے کہا "دیکھیے! مجھے ابھی تک آپ سے ایک ضروری بات کہنے کا موقع نہیں ملا۔ آپ کے نوکر نے کھڈ کے اندر میرے گھوڑے کی لاش دیکھی تھی اور اُس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ وزیر اعظم ابوالقاسم کا گھوڑا

بالکل اس جیسا تھا۔"

سعاد نے کہا " میں نے بھی دُور سے آپ کے گھوڑے کی پہلی جھلک دیکھ کر یہی محسوس کیا تھا۔ لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے اس جیسے گھوڑے کئی اور بھی ہو سکتے ہیں۔"

" مگر میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ گھوڑا میرا نہیں تھا۔ وہ مجھے راستے میں ملا تھا اور میں اپنی جان بچانے کے لیے اس پر سوار ہو گیا تھا۔ یہ داستان بہت طویل ہے۔ اگر آپ کے نوکر کا قیاس صحیح ہو تو مجھے ڈر ہے کہ جو آدمی اس گھوڑے پر سوار ہو کر غرناطہ کا رُخ کر رہا تھا' وہ قتل ہو چکا ہے۔"

سعاد کچھ دیر سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا "آپ نے کسی کو قتل ہوتے دیکھا تھا؟"

" ہاں! قتل ہونے والے کی آخری چیخ ابھی تک میرے کانوں میں گُونج رہی ہے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اُس کے قاتل وہی تھے جنھوں نے اپنا جُرم چھپانے کے لیے اس چٹان تک میرا پیچھا کیا تھا۔ اب آپ یہ سوچ سکتی ہیں کہ ابوالقاسم کا قلعہ میرے لیے اور میری وجہ سے آپ کے لیے کہاں تک محفوظ ہو گا؟"

سعاد کے ذہن میں کئی سوال آئے لیکن نوکر کو قریب آتے دیکھ کر اُس نے کہا " آپ میرے نوکر کے سامنے کوئی بات نہ کریں اور خاموشی سے میرے پیچھے پیچھے چلتے رہیں۔ انشاءاللہ میں آپ کو کسی زیادہ محفوظ جگہ پہنچانے کی کوشش کروں گی۔"

ابوالحسن نے جواب دیا " آپ میری محسنہ ہیں اور میں آپ کو کسی

مصیبت میں ڈالنا پسند نہیں کروں گا ـــــ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ میں غروبِ آفتاب تک یہاں سے کئی میل دُور نکل جاؤں گا۔ پھر مجھے قبائل کی کسی بستی میں کئی مددگار مل جائیں گے۔ کل تک آپ کا گھوڑا آپ کو واپس مل جائے گا "

" نہیں ! میں اپنے دشمن کو بھی اس حال میں نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ بہت بہادر ہیں، لیکن ابھی آپ سفر کے قابل بھی نہیں اور اگر کسی اچھے طبیب نے فوراً آپ کی مرہم پٹی نہ کی تو آپ کے زخم بگڑ جائیں گے "

ابوالحسن نے کہا " میں آپ کا دشمن نہیں ہوں۔ چلیے ! "

نوکر نے آگے بڑھ کر کہا " جناب ! آپ رُک کیوں گئیں ؟ "

" ابولیعقوب ! " سعاد نے کچھ سوچ کر کہا " تمھیں میری واپسی تک گھر سے دُور رہنا چاہیے اور کسی سے ان واقعات کا ذکر نہیں کرنا چاہیے "

" آپ کہاں جا رہی ہیں ؟ "

سعاد نے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے جواب دیا " یہ واپس آکر بتاؤں گی " ـــــ ابوالحسن نے اس کے پیچھے گھوڑا چھوڑ دیا۔

◯

وہ راستے کی پہاڑی عبور کر کے دوسری وادی میں داخل ہوئے۔ وہاں سے ایک تدریجی ڈھلوان پر ایک کشادہ راستہ دوسرے قلعے کی طرف جاتا تھا۔

ابوالحسن کچھ دیر سعاد کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر اچانک اُس نے کہا :

" ٹھہریے ! اگر میں غلطی پر نہیں تو وہ قلعہ سلطان ابوعبداللہ کی قیام گاہ ہونی چاہیے۔ مجھے غرناطہ میں یہ بتایا گیا تھا کہ ابوالقاسم کی جاگیر کی سرحد اُن

کی جاگیر سے ملتی ہے۔"

سعاد نے مڑ کر جواب دیا "ہاں! آپ کا قیاس درست ہے۔"

"آپ مجھے وہاں لے چلنا چاہتی ہیں؟"

"میں وہاں جانے کی جرأت نہ کرتی، لیکن یہ ایک مجبوری ہے۔ جب تک آپ کے زخم ٹھیک نہیں ہو جاتے، آپ کو سلطان کے ہاں مہمان رہنا پڑے گا۔ اُن کا طبیب نسبتاً تجربہ کار ہے۔ چلیے!" سعاد نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

ابوالحسن کو تھوڑی دیر تذبذب رہا اور پھر بادلِ نخواستہ اُس نے بھی اپنے گھوڑے کا رُخ ابو عبداللہ کی قیام گاہ کی طرف موڑ دیا۔

وہ قلعے کے دروازے پر رُکے اور سعاد نے گھوڑے سے اُتر کر پہرے داروں سے کہا "یہ زخمی ہیں۔ انھیں مہمان خانے میں لے چلو اور فوراً طبیب کو بُلاؤ!"

ایک پہرے دار نے کہا "آپ کو معلوم ہے کہ ہم سلطان کی اجازت کے بغیر ایک اجنبی کو یہاں نہیں ٹھہرا سکتے۔"

تم سلطانِ معظم کو اطلاع دو! کہ وزیر ابوالقاسم کے گھرانے کی ایک لڑکی جسے انھوں نے ملکہ عائشہ کی قبر پر دیکھا تھا، ایک زخمی کے لیے اُن کی اعانت کی طلب گار ہے۔"

ایک افسر اچانک اندر سے نکلا اور اس نے آگے بڑھ کر کہا "میں انھیں جانتا ہوں۔ تم زخمی کو اندر لے جاؤ!" پھر وہ سعاد سے مخاطب ہوا: "کل سے سلطانِ معظم کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ لیکن اگر کوئی بہت ضروری بات ہے تو شاید وہ آپ کی ملاقات سے انکار نہ کریں۔ میرے ساتھ تشریف لائیے!"

سعاد نے گھوڑے کی لگام ایک پہرے دار کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "میں سلطان کو تکلیف دینے سے پہلے زخمی کے متعلق اطمینان حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

افسر نے پہرے داروں سے کہا "تم کیا دیکھ رہے ہو؟ زخمی کو مہمان خانے میں لے جاؤ! اور طبیب کو اطلاع دو!"

ایک پہرے دار ابوالحسن کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے اندر لے گیا اور سعاد عمر رسیدہ افسر کے ساتھ سلطان کے سکونتی محل کی طرف چل پڑی۔

○

چند منٹ بعد وہ ایک کنیز کی رہنمائی میں سلطان کی ملکہ کے کمرے میں داخل ہوئی۔ آگے بڑھ کر ادب سے جھکی اور اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہوئے بولی "جناب! میرا نام سعاد ہے۔"

ملکہ نے اُٹھ کر اسے گلے لگا لیا اور کہا —— "بیٹی! تم ایک مدت بعد یہاں آئی ہو، لیکن میرا حافظہ اتنا کمزور نہیں کہ تمھیں پہچان بھی نہ سکوں۔"

سعاد نے کہا "اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ہر روز یہاں آیا کرتی۔ مجھے صرف بڑی ملکہ کی وفات کے دن یہاں آنے کی اجازت ملی تھی لیکن عورتوں کے ہجوم میں آپ تک رسائی حاصل نہ کر سکی۔ اب میں گھر میں اطلاع دیے بغیر یہاں آگئی ہوں۔"

"بیٹی! تم بہت پریشان معلوم ہوتی ہو خیر تو ہے؟"

سعاد نے جواب دیا "میں سلطان سے ایک بہت ضروری بات عرض کرنا چاہتی ہوں، لیکن شاید ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

ملکہ نے کہا " وہ ان دنوں عام لوگوں سے ملاقات نہیں کرتے، لیکن تم عام لوگوں سے مختلف ہو۔ بیٹھ جاؤ! میں ابھی آتی ہوں "

ملکہ اُٹھ کر ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔ ایک منٹ بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک قیمتی چادر تھی " بیٹی! تم اپنی چادر اُتار کر یہ اوڑھ لو! اور میرے ساتھ آؤ! "

سعاد نے اپنی پھٹی ہوئی چادر اُتار کر کنیز کے ہاتھ میں تھما دی اور نئی چادر اوڑھ کر ملکہ کے پیچھے پیچھے چل دی۔ چند لمحوں میں وہ محل کے ایک اور کمرے میں سلطان ابوعبداللہ کو گزرے ہوئے واقعات سُنا رہی تھی۔

سلطان ابوعبداللہ کے نزدیک ایک اجنبی کے زخمی ہونے کی کوئی اہمیت نہ تھی تاہم وہ رسمی طور پر اس لڑکی کی دلجوئی کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا جسے اس نے اپنی ماں کی قبر پر آنسو بہاتے دیکھا تھا۔ اس نے کہا " بیٹی! تم اطمینان رکھو! میں اس کی جان بچانے کا وعدہ کرتا ہوں۔ اس کی حالت زیادہ تشویشناک تو نہیں؟ "

" نہیں عالیجاہ! اس کے زخم زیادہ تشویش ناک نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا، لیکن میرے لیے پریشانی کی بات یہ ہے کہ اس کا پیچھا کرنے والے نصرانی تھے "

" نصرانی؟ " ابوعبداللہ نے مضطرب ہو کر پوچھا " تمھیں اس نے بتایا تھا کہ اس نے کیا جرم کیا ہے؟ "

" عالیجاہ! اُس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں اس سے ساری تفصیلات نہیں سُن سکی، تاہم اُس نے جو کچھ بتایا ہے، اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اُس کے دشمن شاید اپنا جرم چھپانے کے لیے اس کو قتل کرنا چاہتے

تھے اور اس کا زندہ بچ نکلنا ایک معجزہ ہے۔"

"تم نے اس کا نام پوچھا ہے ؟"

" عالیجاہ! اُس کا نام ابوالحسن ہے ۔"

" اگر نصرانی اس کا پیچھا کر رہے تھے، تو تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اُس کے لیے میری قیام گاہ کی نسبت تمھارا گھر زیادہ محفوظ ہے ۔"

" عالیجاہ! میں اسے وہیں لے جانا چاہتی تھی لیکن راستے میں اُس کی گفتگو سُن کر مجھے اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑا۔ اُس کے اَبلق گھوڑے کا حُلیہ ابوالقاسم کے گھوڑے سے بہت ملتا جلتا تھا اور اس نے بتایا تھا کہ یہ گھوڑا اسے راستے میں ملا تھا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ شاید ..... اس گھوڑے کا مالک قتل ہو چکا ہے ۔"

ابوعبداللہ اب پہلی بار پوری سنجیدگی کے ساتھ سعاد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے پے در پے کئی سوال کیے، لیکن سعاد اپنی مختصر سی داستان دہرانے کے سوا اسے کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکی۔ اس نے ملکہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا " مجھے تو یہ واقعات ایک افسانہ معلوم ہوتے ہیں ۔"

سعاد نے کہا " اگر آپ اس سے گفتگو کرنا پسند فرمائیں تو ممکن ہے کہ وہ آپ کے سوالات کا تسلی بخش جواب دے سکے ۔"

"بہت اچھا! میں اس سے ملاقات کرتا ہوں ۔"

ملکہ نے کہا " میرے خیال میں سر دست کسی اور کو ان باتوں کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ جب طبیب اس کی مرہم پٹی سے فارغ ہو جائے تو آپ اسے یہیں بُلوا لیں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بھی اس سے چند سوال پوچھنا چاہتی ہوں ۔"

اِنکشاف

کچھ دیر بعد ابوالحسن اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کی بجائے نیا لباس پہنے ملاقات کے کمرے میں ابوعبداللہ، ملکہ اور سعاد کے سامنے بیٹھا اپنی سرگزشت سُنا رہا تھا:

"عالیجاہ! میں غرناطہ سے آیا ہوں اور عام حالات میں شاید میں کبھی اس گھر کا رُخ نہ کرتا ـــــ میں عبیداللہ کا بیٹا ہوں اور میرا بڑا بھائی حامد بن زہرا کے ساتھ شہید ہوا تھا، اب ایک حادثے نے مجھے آپ کی قیام گاہ میں دھکیل دیا ہے ـــــ لیکن ....."

ابوعبداللہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "اگر تم عبیداللہ کے بیٹے ہو تو اس گھر کو اپنے لیے تنگ نہیں پاؤ گے ـــــ"

ملکہ بولی "اگر تمہارا بھائی حامد بن زہرا کی رفاقت میں شہید ہوا تھا تو اس بدنصیب قوم پر ہم تمہارا قرض کبھی نہیں چکا سکتے ـــــ تم ہمارے معزز مہمان ہو ـــــ اب اطمینان سے اپنی سرگزشت سُناؤ ـــــ!"

ابوالحسن نے احسانمندی سے ملکہ کی طرف دیکھا اور کہا "میرے والد نے مرتے وقت مجھے نصیحت کی تھی کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ افریقہ کی طرف ہجرت کر جاؤں، لیکن جب میں مہاجرین کے ایک قافلے کے ساتھ سفر

کی تیاری مکمل کر چکا تھا تو والدہ اچانک بیمار ہو گئیں اور مجھے رُکنا پڑا ـــــــ اس سے قبل میری ایک بہن اپنے شوہر کے ساتھ مراکش کی طرف ہجرت کر چکی تھیں . . . . .

والدہ کوئی آٹھ ماہ کی علالت کے بعد انتقال کر گئیں۔ ان کی آخری وصیت بھی یہی تھی کہ میں کسی تاخیر کے بغیر غرناطہ چھوڑ دوں۔ ان کی وفات سے دو دن قبل مہاجرین کا ایک قافلہ غرناطہ سے المجارہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ والدہ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے ہی میں اس قافلے کے ساتھ شامل ہونے کی نیت سے چل پڑا . . .

میرا گھوڑا کافی مضبوط تھا، لیکن اسے راستے میں بہت کم آرام ملا۔ کل بھی میں نے حسبِ معمول اس پر دو منزلیں طے کی تھیں لیکن تیسرے پہر اُس نے ایک بلند پہاڑی عبور کرتے ہوئے اچانک گر کر دم توڑ دیا . . .

میں آنے والی رات کسی بستی میں گزارنے کے ارادے سے پیدل چلتا رہا۔ یہ علاقہ بہت ویران تھا اور مجھے آخری پہر تک آس پاس کسی بستی کے آثار نظر آئے تو میں رات گزارنے کے لیے کسی موزوں جگہ کی تلاش میں ایک پہاڑی پر چڑھنے لگا . . . . "

ابوعبداللہ نے بے چین ہو کر کہا " نوجوان! کیا تم اس تمہید کو ذرا مختصر نہیں کر سکتے ؟ "

ابوالحسن نے جواب دیا " عالیجاہ! آپ نے مجھے پوری سرگزشت سنانے کا حکم دیا تھا۔ اب میں آپ کو پریشان نہیں کروں گا ـــــــ جب میں چوٹی پر پہنچا تو مجھے دوسری طرف راستے کے موڑ پر چند سوار دکھائی دیے۔ وہ تھوڑی دیر تک آپس میں کچھ مشورہ کرتے رہے پھر ایک تنگ پگڈنڈی سے

پہاڑی پر چڑھنے لگے ـــــ اُن میں سے چار پانچ آدمی ایسے تھے جو اپنے لباس سے مجھے مسلمان دکھائی دیتے تھے۔ باقی دس بارہ آدمی نصرانی سپاہی معلوم ہوتے تھے۔ ایک آدمی ابلق گھوڑے پر سوار تھا۔۔۔

میں احتیاطاً ایک جھاڑی کی اوٹ میں لیٹ گیا۔ وہ پہاڑی کی چوٹی سے تھوڑی دُور دو ٹیلوں کے درمیان ایک چھوٹے سے میدان میں رُک گئے اور ابلق گھوڑے کے سوار کے سوا باقی سب گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ چار نصرانی اچانک اس کی طرف بڑھے۔ ان میں سے ایک نے اس کے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام چھین لی اور دوسرے نے اس کی ٹانگ کھینچ کر نیچے گرا دیا۔۔۔

گھوڑا اچانک اُچھلا۔ اُس کے اگلے سُم نصرانی کے سر پر لگے اور وہ گر پڑا۔ جس آدمی کو انھوں نے کھینچ کر گھوڑے سے نیچے گرایا تھا' وہ پُوری قوت سے چلا رہا تھا "تم کیا کر رہے ہو؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ میں شہنشاہ کا دوست ہوں۔ وہ تمھاری کھالیں کھنچوا دیں گے۔۔۔۔" پھر مجھے اس کی خوف ناک چیخ سُنائی دی۔

اس کے بعد وہ بدحواس گھوڑے کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو گھوڑا اُن کے گھیرے سے نکل کر سیدھا میری طرف آ رہا تھا ـــــ میں بھاگنا چاہتا تھا' لیکن گھوڑے کا پیچھا کرنے والے قاتلوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے چند ثانیے بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر جب گھوڑا میرے قریب پہنچا تو میں نے اُٹھ کر جست لگائی اور اس کی لگام میرے ہاتھ میں آ گئی اور میں بلا توقف اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔۔۔

سرکش گھوڑا ایک زخمی درندے کی طرح اُچھلا لیکن پہاڑی کے نشیب میں اس کا جوش وخروش جلد ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ ڈھلوان زیادہ خطرناک نہ تھی، اس لیے مجھے نیچے اترتے ہوئے کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ لیکن وہاں پہنچ کر مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ راستے میں مجھے گھیر ہی نہ لیں، اس لیے میں نے شمال کی طرف گھوڑے کی باگ موڑ دی۔"

ملکہ نے پوچھا "تم نے مقتول کو اچھی طرح دیکھا تھا؟"

"نہیں! میں اس کے سفید عمامے اور قبا سے صرف یہ اندازہ لگا سکا تھا کہ وہ کوئی مُسلمان ہے۔ میں نے کافی فاصلے سے اس کے چہرے کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی۔ شاید اس کی داڑھی بھی سفید تھی، لیکن میں اس کے خدوخال بیان نہیں کر سکتا۔"

"تم نے اُسے قتل ہوتے ہوئے دیکھا تھا؟"

"میں نے قاتلوں کو صرف چمکتی ہوئی تلواریں بلند کرتے دیکھا تھا اور پھر ایک دل ہلا دینے والی چیخ نے میرے حواس مُختل کر دیئے تھے۔"

ملکہ نے پوچھا "جب وہ فریاد کر رہا تھا تو اُس کے ساتھیوں میں سے کسی نے اس کی مدد نہیں کی تھی؟"

"نہیں! بلکہ جو لوگ مجھے مسلمان نظر آتے تھے وہ بھی خاموش تماشائیوں کی طرح ایک طرف کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔"

ابوعبداللہ نے کہا "اب ایسے سوالات کرنے سے کوئی فائدہ نہیں جو لوگ ایک وزیر کو خرید سکتے ہیں، وہ اس کے نوکروں کے ضمیر کا سودا بھی چُکا سکتے ہیں۔"

ملکہ بولی "آپ کو یقین ہے کہ وہ ابوالقاسم تھا؟"

"ہاں! مجھے پورا پورا یقین ہے کہ وہ چاروں آدمی اس کے انتہائی وفادار نوکر تھے اور وہ ابلق گھوڑا آخری انعام تھا جو میں نے غرناطہ چھوڑنے سے ایک دن پہلے ابوالقاسم کو دیا تھا" ـــــــ سلطان ابوعبداللہ، ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوا "اب تم مختصر طور پر اپنی سرگزشت بیان کرو!"

"ابوالحسن نے کہا" عالیجاہ! میں پوری رفتار سے غرناطہ کی طرف بھاگ رہا تھا۔ میرے بائیں طرف ایک پہاڑ تھا اور دائیں طرف ایک خشک نالہ، اور اس کے پار دوسرا پہاڑ تھا۔ کوئی ایک میل دُور اس پہاڑ کے دامن میں مجھے ایک پگڈنڈی دکھائی دی۔ میں نالہ عبور کر کے اوپر چڑھنے لگا۔ اتنی دیر میں وہ نصرانی تیز رفتار گھوڑوں پر چیختے چلاتے نیچے راستے کے موڑ سے نمودار ہو رہے تھے . . .

ایک جگہ کٹھن چڑھائی پر گھوڑے کے پاؤں پھسل رہے تھے چنانچہ میں اُترا اور اس کی لگام کھینچتا ہوا پیدل چل دیا ـــــــ وہ میرے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ میں نے چوٹی پر پہنچ کر گھوڑا باندھا اور اپنی کمان سنبھال کر ایک چٹان کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ دشوار گزار راستے میں وہ بھی میری طرح اپنے گھوڑے پکڑ کر پیدل چلنے پر مجبور ہو گئے تھے . . . .

جب سب سے اگلا آدمی میری زد میں آگیا تو میں نے تیر چلا دیا۔ وہ گر پڑا اور اس کا بدحواس گھوڑا پیچھے مُڑ کر پھسلتے ہوئے ایک اور آدمی کو اپنے ساتھ کھڈ میں لے گیا . . . .

پھر میں اُٹھ کر آگے بڑھا اور چٹان کے کنارے کھڑا ہو کر تیر برسانے لگا اور جب وہ اپنے دو اور ساتھیوں کو زخمی چھوڑ کر میری زد سے دُور نکل گئے تو میں نے چند بھاری پتھر چٹان سے نیچے لڑھکا دیے . . . .

شام ہو رہی تھی ـــــــ میں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ وہ اب میرا پیچھا نہیں کریں گے ـــــــ گھوڑے کی لگام پکڑی اور رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا پہاڑی کی جنوب کی سمت چلنے لگا....

تھوڑی دیر بعد چاند نکل آیا۔ تھکاوٹ اور پیاس کے باعث میرا بُرا حال ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہوئی چھاگل اُتار کر پانی کے چند گھونٹ پیے اور پہاڑ کے ساتھ ساتھ چلنے کی بجائے اب اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں کہیں گھوڑوں کی ٹاپ سُن رہا ہوں لیکن اس کو ایک وہم سمجھ کر اطمینان سے چلتا رہا....

پہاڑ کی دوسری چوٹی پر پہنچ کر میں تھکاوٹ سے بیدم ہو چکا تھا۔ آگے ایک وادی کی ڈھلوان شروع ہو چکی تھی۔ میں آدھی رات تک چلتا رہا۔ میں پانی کی چھاگل ختم کر چکا تھا لیکن گھوڑے کی پیاس مجھے پریشان کر رہی تھی۔ میری خوش قسمتی تھی کہ وادی کے گھنے درختوں میں مجھے ایک اُبلتا ہوا چشمہ دکھائی دیا۔ میں نے گھوڑے کو پانی پلایا۔ اپنی پیاس بجھائی اور تھوڑی دیر سستانے کے بعد پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا....

پاس ہی کسی بستی کے کتے بھونک رہے تھے، لیکن میں راتوں رات زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا ـــــــ میرا رُخ سیدھا جنوب کی طرف تھا اور میں ستاروں سے اپنی سمت کا اندازہ کر رہا تھا ـــــــ ایک پہر سفر کرنے کے بعد میں وادی سے نکل کر ایک اور پہاڑ کے دامن میں پہنچ گیا۔ اب میری ہمت جواب دے چکی تھی۔ میں نے گھوڑے سے اُتر کر اسے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور اس کے قریب لیٹ گیا۔

طلوعِ آفتاب کے قریب گھوڑے کی ہنہناہٹ سُن کر میں بیدار ہوا تو مجھے درختوں کے پیچھے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ میں نے جلدی سے اپنی کمان سنبھال لی۔ چند ثانیے بعد تین نصرانی سپاہی گھنے درختوں سے نمودار ہوئے۔ میرے تیروں سے ایک سوار گر پڑا اور باقی دو جن میں سے ایک کو بدحواسی کی حالت میں مُڑتے ہوئے تیر لگا تھا' بھاگ نکلے...

پھر تھوڑی دیر بعد جب میں گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ پر چڑھ رہا تھا تو بھاگنے والوں کی چیخ پکار کے جواب میں وادی کی مختلف اطراف سے اُن کے ساتھیوں کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں اور جب میں تین چار سو قدم اوپر جا چکا تھا تو دس سوار میرا پیچھا کر رہے تھے...

اس کے بعد میرے سفر کا مشکل ترین مرحلہ شروع ہو چکا تھا۔ خطرناک گھاٹیوں پر مجھے کئی بار گھوڑے سے اُترنا پڑا۔ کئی بار دشمن کو دُور رکھنے کے لیے تیر چلانے پڑے اور جب میرا ترکش خالی ہو گیا تو میں اُس چٹان پر پہنچ گیا تھا' جس کے آگے ایک مہیب کھڈ مجھے موت کا پیغام دے رہی تھی...

وہاں سے زندہ نکل آنے میں میری ہمت کو کوئی دخل نہیں جناب! اللہ نے میری مدد کے لیے ایک فرشتہ بھیج دیا تھا ـــــ اور اب میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ کو کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ اس لیے یہی بہتر ہو گا کہ میں آج ہی یہاں سے نکل جاؤں۔"

"نہیں! نہیں!!" ابو عبداللہ نے جواب دیا "تمھیں آرام کی ضرورت ہے اور ہم اپنے مہمانوں کو ایسی حالت میں کبھی رخصت نہیں کرتے۔ تمھاری وجہ سے ہمیں کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا...

اگر ابوالقاسم کے قاتلوں کو یہ معلوم بھی ہو جائے کہ تم میری پناہ

میں ہو، تو بھی وہ اس طرف نہیں آئیں گے۔ انھوں نے تمھارا پیچھا صرف اس لیے کیا تھا کہ تم اُن کے جرم کے چشم دید گواہ ہو۔ یہ تمھاری خوش قسمتی ہے کہ تم ان کے ہاتھ نہیں آئے، ورنہ یہ ممکن تھا کہ وہ اپنا جرم تمھارے سر تھوپ دیتے ....

اُن کے لیے غرناطہ کے کسی مسلمان کو ابوالقاسم کا قاتل ثابت کرنا مشکل نہ تھا ___ لیکن تمھاری سرگزشت سُننے سے پہلے مجھے تمھاری بھوک کی فکر کرنی چاہیے تھی۔ اب تم کھانا کھاکر آرام کرو، مگر اس بات کا خیال رکھو کہ ابھی یہاں کسی اور کے سامنے ابوالقاسم کا ذکر کرنا مناسب نہیں ۔"

ابوعبداللہ نے تالی بجائی۔ ایک کنیز کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے حکم دیا "انھیں مہمان خانے میں لے جاؤ اور نوکروں سے کہو کہ وہ فوراً ان کے کھانے کا انتظام کریں ۔"

ابوالحسن اُٹھ کر کنیز کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گیا اور ابوعبداللہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا :

"اس نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے مجھے بار بار یہ خیال آتا تھا کہ غرناطہ کے اسلحہ خانے کے کتنے کارآمد تیر میری بدنصیب قوم کے کام نہ آسکے۔ یہ بہادر اور غیور نوجوان میرے متعلق کیا سوچتا ہوگا اور جب اندلس کی آیندہ نسلیں اپنی ذلت اور رُسوائی کے مسکن سے الحمرا کی طرف دیکھا کریں گی تو وہ میرے متعلق کیا خیال کریں گی ۔"

ملکہ نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا :

"میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ابوالقاسم کے متعلق آپ نے جن خدشات کا اظہار کیا تھا، وہ اتنی جلدی پورے ہوجائیں گے ۔"

سعاد نے اُٹھ کر کہا "عالیجاہ! مجھے گھر سے نکلے بہت دیر ہو گئی ہے۔ اس لیے میں اجازت چاہتی ہوں"

ابوعبداللہ نے پوچھا "تم گھر جاکر کیا بتاؤ گی؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ تاہم خالو جان کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچنے کے لیے مجھے کوئی نہ کوئی بہانہ تو بنانا ہی پڑے گا"

"میں مصعب کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اسے کبھی ابوالقاسم کی موت کا یقین نہیں آئے گا اور شاید وہ تمھارا یہاں آنا بھی پسند نہ کرے"

سعاد نے جواب دیا "میں ان کی قید میں نہیں ہوں، اور ان کو اس بات پر اعتراض نہیں ہو سکتا کہ میں ملکۂ عالیہ کو سلام کرنے گئی تھی"

ابوعبداللہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا "سعاد! تم تھوڑی دیر یہیں ٹھہرو۔ میں مصعب کے نام ایک خط لکھ دیتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ میرا خط پڑھتے ہی یہاں آجائے گا اور تمھیں بھی گھر جاکر ابوالقاسم کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بذاتِ خود مصعب سے گفتگو کروں گا۔ فی الحال دُشمن کو یہ احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ ہم ابوالقاسم کے متعلق قطعاً بے خبر ہیں۔ اگر اسے یہاں آنے میں تامل ہو تو تم اُسے یہ بتا سکتی ہو کہ غرناطہ سے کوئی مسافر آیا ہے جسے راستے میں ابوالقاسم نے کوئی پیغام دیا ہے اور یہ پیغام ایسا ہے، جو تمھارے سوا کسی اور کے کانوں تک نہیں پہنچنا چاہیے"

ابُوعبداللہ اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آکر ایک خط سعاد کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "یہ لے جاؤ! قلعے سے دو محافظ تمھارے ساتھ جائیں گے"

سعاد نے اٹھ کر کہا "عالیجاہ! اس کی ضرورت نہیں۔ میں صرف ایک

فالتو گھوڑا گھر پہنچانے کے لیے ایک آدمی لے جانا چاہتی ہوں۔"
ملکہ نے اسے دروازے سے باہر رخصت کرتے ہوئے کہا "بیٹی! جب تک ہم یہاں ہیں، تمہارے لیے ہمارے گھر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔"
سعاد نیچے اُتری۔ نوکر صحن میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ چند ثانیے تذبذب کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے ایک نوکر سے مخاطب ہو کر کہا "میں زخمی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔"
"تشریف لائیے!" نوکر اُس کے ساتھ مہمان خانے کی طرف چل دیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کمرے میں ابُوالحسن کے سامنے کھڑی تھی۔ ابوالحسن اس کو دیکھتے ہی بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔
سعاد نے کہا "نہیں! نہیں!! آپ آرام سے لیٹے رہیں۔ میں جا رہی ہوں اور آپ سے یہ وعدہ لینا چاہتی ہوں کہ آپ مجھ سے ملے بغیر یہاں سے روانہ نہیں ہو جائیں گے۔"
وہ بولا "آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر چلا جاؤں گا؟"______
سعاد نے کہا "رات کے وقت بعض ستارے آسمان سے ٹوٹتے ہیں اور اچانک غائب ہو جاتے ہیں۔"
ابُوالحسن نے جواب دیا "ٹوٹنے والے تارے اپنے مقدر سے نہیں لڑ سکتے، لیکن میں آپ سے یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ — آپ کی اجازت کے بغیر واپس نہیں جاؤں گا______"
وہ چند ثانیے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر اُن کی آنکھیں جھک گئیں۔

ابوالحسن نے کہا "میں سوچ رہا تھا کہ آپ جا چکی ہوں گی اور شاید میں دوبارہ اپنی مُحسنہ کو نہ دیکھ سکوں ——— مجھے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ میں آپ کا نام بھی نہ پوچھ سکا۔"

"میرا نام سعاد ہے۔"

"سعاد! میں دل سے تمھارا شکر گزار ہوں، مگر مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آیا۔"

"میں بُری خبریں سُننے کی عادی ہو چکی ہوں۔ خدا حافظ!" سعاد نے مُڑتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

"خدا حافظ!" ابوالحسن نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا اور پھر دیر تک اُس کی نگاہوں کے سامنے نوخیز، حسین اور معصوم لڑکی کی تصویریں گھومتی رہیں۔

○

مصعب کے لیے ابوعبداللہ کا پیغام غیر متوقع تھا، اس نے خط پڑھتے ہی سعاد سے پوچھا "اگر ابوالقاسم نے میرے لیے کوئی پیغام بھیجا تھا تو ایلچی سیدھا میرے پاس کیوں نہیں آیا۔ اور تم وہاں کیا لینے گئی تھیں؟"

سعاد نے جواب دیا "ایلچی زخمی تھا۔ چند آدمی اُس کا پیچھا کر رہے تھے اور اسے یہ خدشہ تھا کہ ہمارا گھر اس کے لیے محفوظ نہیں۔ اس لیے میں نے سلطان کی قیام گاہ تک اس کی راہنمائی کی تھی۔ آپ فوراً سلطان کے پاس جائیں۔ اگر کوئی معمولی بات ہوتی تو وہ آپ کو دیکھنے کے لیے اس قدر بے چین نہ ہوتے۔" وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔

مصعب اضطراب کی حالت میں کمرے سے نکلا اور اپنے اصطبل کے

بہترین گھوڑے پر سوار ہو کر ابو عبداللہ کی قیام گاہ کی طرف چل دیا۔ پھر قریباً ایک گھنٹے بعد وہ ملاقات کے کمرے میں سلطان کی گفتگو سن رہا تھا۔

ابو عبداللہ نے مختصراً غرناطہ سے آنے والے مسافر کی سرگزشت بیان کر دی۔ مصعب کچھ دیر سکتے کی حالت میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے کرب انگیز لہجے میں کہا "یہ ناممکن ہے۔ فرڈی نینڈ کے آدمی اسے قتل نہیں کر سکتے۔ میں خبر لانے والے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ سو رہا ہے اور اس وقت اسے جگانا مناسب نہیں۔ میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ وہ زخمی ہے۔ تمھارا جو نوکر سعاد کے ساتھ تھا، وہ کھڈ میں گھوڑے کی لاش دیکھ چکا ہے۔"

مصعب نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "آپ کو یقین ہے کہ وہ ابوالقاسم کا گھوڑا تھا؟"

"جو واقعات اس نوجوان نے بیان کیے ہیں، اُن کی کڑیاں جوڑنے کے بعد ہم یہی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔"

"لیکن ابوالقاسم کے ساتھ چار محافظ ایسے تھے جو اس کے اشارے پر جان دے سکتے تھے۔ انھیں غرناطہ کے انتہائی بہادر آدمیوں میں شمار کیا جاتا تھا اور وہ تلواروں کے علاوہ طپنچوں سے بھی مسلح تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابوالقاسم کو نصرانیوں کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھ کر انھوں نے معمولی مزاحمت بھی نہ کی ہو۔"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "یہ بات مجھے بھی ناقابلِ یقین معلوم ہوتی تھی، لیکن جب زمانہ آنکھیں بدل لیتا ہے تو بہترین دوست بھی فریب دے جاتے ہیں۔ کل تک تم بذاتِ خود کھڈ میں جا کر گھوڑے کی لاش دیکھ سکو گے۔ اتنی بلندی

سے گرنے کے بعد وہ بُری طرح مسخ ہو چکا ہوگا۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ تمھیں اُس کے ساز میں سے کوئی نہ کوئی نشان ضرور مل جائے گا۔" ابوعبداللہ تھوڑی دیر رُکا اور پھر بولا "مصعب! میں یہاں بلا کر تمھیں یہ نصیحت کرنا چاہتا تھا کہ موجودہ حالات میں تم کو بہت محتاط رہنا چاہیے ــــــ اگر نصرانی ابوالقاسم کے انتہائی قابلِ اعتماد ساتھیوں کا ضمیر خرید سکتے ہیں تو یہ بعید از قیاس نہیں کہ تمھارے گھر میں کوئی اور ملازم بھی ان کے لیے جاسوسی کر رہا ہو۔ اس لیے تمھیں کسی پر یہ بات ظاہر نہیں کرنی چاہیے کہ تمھیں ابوالقاسم کے متعلق کوئی اطلاع مل چکی ہے۔...

قاتلوں سے یہ بعید نہیں کہ وہ اپنا جرم دوسروں کے سر تھوپ دیں اور ابوالقاسم کے انتقام کے بہانے الفجارہ میں کئی بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیں۔ اگر تمھارے سابقہ طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی دیکھ کر انھیں یہ شبہ ہو گیا کہ تمھیں ابوالقاسم کے افسوسناک انجام کی اطلاع مل چکی ہے، تو الفجارہ میں تمھارا گھر بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ تمھیں ابوالقاسم نے بتا دیا ہوگا کہ مجھے الفجارہ سے ہجرت کا حکم مل چکا ہے اور میں بہت جلد یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا لیکن ابوالقاسم نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ وہ فرڈی نینڈ کی آخری خدمت سرانجام دے چکا ہے اور اس کے بعد وہ شاید اس کو کوئی اور مہم سونپنے کی ضرورت محسوس نہ کرے۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فرڈی نینڈ نے اپنے ایک وفادار ساتھی کو قتل کروا دیا ہو؟"

ابوعبداللہ نے کہا "کیا یہ ممکن نہیں کہ فرڈی نینڈ نے اچانک یہ محسوس کیا ہو کہ اس کا ساتھی اس کی ضرورت سے زیادہ ہوشیار ہے، اس لیے وہ کسی دن

خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ مصعب! تم بھی ایک ہوشیار آدمی ہو اور میں یہ نہیں چاہتا کہ فرڈی نینڈ تمھیں بھی اپنے لیے خطرناک سمجھ لے ——— میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ البجارہ کی پرسکون زمین کی سطح کے نیچے ایک خطرناک لاوا اُبل رہا ہے ——— کسی دن یہ جنگجو قبائل اچانک بھڑک اُٹھیں گے اور اپنی بقا کے لیے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے پر مجبور ہو جائیں گے، لیکن فی الحال انھیں سنبھلنے اور تیاری کرنے کے لیے وقت کی ضرورت ہے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم کوئی جلدبازی کر بیٹھو اور یہاں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ دشمن کو اچانک یلغار کا بہانہ مل جائے!"

یہ کہہ کر ابوعبداللہ نے مصعب کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر اپنی بات جاری رکھی: "اگر تم ابوالقاسم کے قتل پر اپنے سینے میں آگ کی کوئی چنگاری محسوس کر سکو تو تمھارے لیے انتقام لینے کی واحد صورت یہی ہے کہ تم خاموشی سے موزوں وقت کا انتظار کرو۔ چند دن بعد تم مجھے یہاں نہیں دیکھو گے لیکن تم ان لوگوں میں سے ہو جو کسی حالت میں بھی اندلس سے جلاوطن ہونا پسند نہیں کریں گے۔ اس لیے صرف زندہ رہنے کے لیے بھی تمھیں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہوگی۔"

ابوعبداللہ کی گفتگو کے دوران مصعب کو اس بات پر بڑی اُلجھن محسوس ہو رہی تھی کہ اس متلون مزاج آدمی کو جس نے اپنے انجام کے متعلق کبھی سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، ایک ایسے وزیر کے خاندان سے کیونکر ہمدردی ہو سکتی ہے جو مرتے دم تک اُس کے خلاف دشمن کا حلیف تھا، جس کی سازشوں کے باعث غرناطہ پر تباہی آئی تھی اور جو صرف چند دن قبل اُس کے پاس فرڈی نینڈ کا یہ پیغام لایا تھا کہ اب البجارہ میں بھی تمھارے

لیے کوئی جگہ نہیں، کبھی اسے اپنے ضمیر کی چیخیں ناقابلِ برداشت محسوس ہونے لگتیں اور کبھی وہ یہ محسوس کرتا کہ اس کی بے بسی کا مذاق اُڑایا جارہا ہے۔

سلطان کچھ دیر خاموشی سے اس کے چہرے کا اُتار چڑھاؤ دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا " مصعب! میں نے ایک دن، ایک نیک دل لڑکی کو اپنی ماں کی قبر پر آنسو بہاتے دیکھا تھا اور مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ اکثر وہاں آیا کرتی ہے۔ اُس نے مجھے ملکہ عالیہ کے مزار کی تعمیر کے لیے اپنا ہار پیش کیا تھا۔ اس کے بعد میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ جب میں اور ابوالقاسم اس دنیا میں نہیں ہوں گے تو قوم کی ان معصوم بیٹیوں کے سر پر ہمارے گناہوں کی گٹھڑی کتنی بھاری ہوگی۔ مجھے ڈر تھا کہ شاید آج تم سعاد کا یہاں آنا پسند نہ کرو۔ اس لیے میں تمھیں یہاں بلاکر تمھارا غصہ دُور کرنا چاہتا تھا۔ تم اس سے خفا تو نہیں ہوئے۔"

"نہیں، عالیجاہ! مصعب نے متاثر ہوکر جواب دیا " میں سعاد سے خفا نہیں ہوسکتا ——— وہ الفجارہ آنے کے بعد ہر وقت ملکہ عائشہ کو یاد کیا کرتی تھی اور میں اس بات سے شرمسار ہوں کہ ان کی قدمبوسی کے لیے اُس کی حوصلہ افزائی نہ کرسکا۔ میرا خیال تھا کہ آپ ہمارے گھر کے کسی فرد کو دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔"

"اب تو تمھیں یہ اطمینان ہوجانا چاہیے کہ میں تمھارا دشمن نہیں ہوں۔"

"عالیجاہ!" مصعب نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا " میں اپنی سابقہ کوتاہیوں پر شرمسار ہوں۔"

کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد مصعب نے سلطان سے اجازت لی اور جب وہ اپنے گھر واپس آ رہا تھا تو اسے دُنیا بدلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

○

ابوالحسن کے زخم تیزی سے مندمل ہو رہے تھے اور چار ہی دن میں وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو چکا تھا۔ ہر روز صبح و شام ابوعبداللہ کے ساتھ اس کی ملاقاتیں ہوتی تھیں اور دو مرتبہ وہ اس کے ساتھ کھانا بھی کھا چکا تھا۔

الفجارہ میں پہلی ملاقات سے قبل غرناطہ کے جلا وطن بادشاہ کے متعلق اس کے خیالات بھی وہی تھے جو ایک غیور اور بہادر انسان کے ہو سکتے ہیں ـــــ بچپن میں وہ ابوعبداللہ کے نام کے ساتھ ملت فروشی اور غداری کے الفاظ سننے کا عادی تھا اور اگر اسے حالات مجبور نہ کر دیتے تو وہ اس کے گھر میں قدم تک رکھنا بھی پسند نہ کرتا، لیکن اب بتدریج اس کے خیالات میں تبدیلی آ رہی تھی۔

ایک دن اس نے اپنے میزبان سے رخصت کی اجازت لینے کا ارادہ کیا' لیکن ابوعبداللہ کا چہرہ اس قدر افسردہ تھا کہ اس کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ابوعبداللہ نے رسمی گفتگو کے بعد اچانک کہا " ابوالحسن! کیا تمھیں معلوم ہے کہ ہم بہت جلد یہاں سے ہجرت کرنے والے ہیں؟ "

ابوالحسن کوئی جواب دینے کی بجائے حیرت اور اضطراب کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

سلطان نے قدرے توقف کے بعد کہا " تم ہمارے ساتھ مراکش چلنا پسند کرو گے؟ "

" عالیجاہ! میں ہجرت ہی کی نیت سے یہاں آیا تھا اور ابھی آپ سے اجازت لینے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اب اگر میں آپ کی رفاقت میں سمندر عبور

کر سکوں تو یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہوگی، لیکن مجھے ڈر ہے کہ اس کے بعد شاید ہمارے راستے ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں۔ میں اپنے والد کے بعض دوستوں کو تلاش کرنا چاہتا ہوں، اس لیے ہو سکتا ہے کہ مجھے الجزائر اور تیونس کے ساحلی علاقوں کی خاک چھاننی پڑے۔"

ابو عبداللہ نے کہا "موجودہ حالات میں زیادہ مناسب یہی ہے کہ تم ہمارے ساتھ ہی سفر کرو۔ عنقریب ہمیں مراکش لے جانے کے لیے جہاز پہنچ جائیں گے اور ہم اُن کی آمد کی اطلاع ملتے ہی یہاں سے کوچ کر دیں گے، لیکن فی الحال کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں فرڈی نینڈ کے ایلچی سے وعدہ کر چکا ہوں کہ میں خاموشی سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"فرڈی نینڈ کا ایلچی ؟"

"ہاں! وہ میرے لیے حکم لایا تھا کہ اب تم یہاں نہیں رہ سکتے، اور تم اسے دیکھ بھی چکے ہو۔"

"نہیں عالیجاہ! مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کون ہے ؟"

"وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا بلکہ میرا اپنا وزیر تھا۔"

"ابوالقاسم ؟"

"ہاں! میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ جس دن فرڈی نینڈ کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ مسلمانوں کی شاہ رگ پر اُس کی گرفت مضبوط ہو چکی ہے اور اب ابوالقاسم کی مزید خدمات کی ضرورت باقی نہیں رہی تو اُسے آنکھیں بدلنے میں دیر نہیں لگے گی، لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ اس سے نجات حاصل کرنے میں اس قدر جلد بازی سے کام لے گا۔"

ابوالحسن نے کہا "جن لوگوں کو حامد بن زہرا کی شہادت کے واقعات

کا علم ہے وہ ابوالقاسم کے انجام پر تعجب نہیں کریں گے۔"

کچھ دیر بعد وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر ابوعبداللہ کے استفسار پر ابوالحسن نے وہ تمام واقعات بیان کر دیے جو اسے سلمان اور مسعود سے معلوم ہوئے تھے۔ ابوعبداللہ اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ لے کر اُٹھا اور برابر کے کمرے میں جا کر بستر پر گر پڑا۔ اس کے ضمیر کی دبی ہوئی آواز چیخوں میں تبدیل ہو رہی تھی۔

ابوالحسن اور سعاد

چھٹے روز ابوالحسن پہلی بار سیر کے بہانے قلعے سے باہر نکل کر اس پہاڑی کا رُخ کر رہا تھا جو دو وادیوں کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتی تھی۔

طلوعِ آفتاب کے تھوڑی دیر بعد وہ اس پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا ابوالقاسم کے قلعے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اضطراب کی حالت میں اِدھر اُدھر گھومنے اور بار بار قلعے کی طرف دیکھنے کے بعد وہ راستے سے چند قدم دُور ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور دیر تک سر جھکائے کچھ سوچتا رہا۔

پھر جب وہ مایوس ہو کر واپس جانے کا ارادہ کر رہا تھا تو اُسے گھوڑے کی ٹاپ سُنائی دی۔ وہ چند ثانیے بے حس و حرکت بیٹھا رہا پھر اچانک اُس نے اُٹھ کر دیکھا اور اس کے دل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ سعاد نے اُس کے قریب پہنچ کر گھوڑا روکا اور حیرت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

ابوالحسن جھجکتا ہُوا آگے بڑھا اور اس نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

"آپ یہاں؟" سعاد نے حیران ہو کر دریافت کیا۔

"جی! میں سیر کے لیے چلا تھا، مگر اس طرف آ نکلا اور اب آپ کا راستہ روکنے کی جسارت پر معافی چاہتا ہوں۔"

سعاد نے گھوڑے سے اُترتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ آپ بلا وجہ اس طرف نہیں آئے!"

ابوالحسن نے آنکھیں جھکائے ہوئے جواب دیا "پرسوں میں نے آپ کو سلطان کے قلعے سے نکلتے دیکھا تھا۔"

"میں اپنی خالہ کے ساتھ ملکہ کے پاس گئی تھی۔ ہمیں نوکروں سے معلوم ہوا تھا کہ آپ سو رہے ہیں۔ دراصل وہ آپ کو دیکھنا چاہتی تھیں۔"

"میں نماز کے بعد لیٹ گیا تھا۔ اگلے روز میں آپ کا انتظار کرتا رہا اور اگر آپ بُرا نہ مانیں تو اب بھی میں آپ ہی کا راستہ دیکھ رہا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ شاید مجھے الوداع کہنے کا پھر موقع نہ ملے۔"

سعاد کے چہرے پر اُداسی چھا گئی۔ اس نے مغموم لہجے میں پوچھا: "آپ کب جا رہے ہیں؟"

"کل میں نے سلطان سے اجازت لینے کا ارادہ کیا تھا لیکن اب شاید مجھے چند دن رُکنا پڑے ——— آپ کو معلوم ہے نا کہ وہ یہاں سے ہجرت کرنے والے ہیں؟"

"ہاں! خالو جان نے غرناطہ روانہ ہوتے وقت یہ خبر سنائی تھی، مگر میری خالہ کو یقین نہیں آیا تھا۔ اس لیے ہم انھیں رخصت کرتے ہی ملکہ کے پاس گئی تھیں اور واپسی پر ہم اس قدر پریشان تھیں کہ آپ کی مزاج پُرسی بھی نہ کر سکیں۔"

"مصعب غرناطہ جا چکے ہیں؟" ابوالحسن نے سوال کیا۔

"ہاں! انھیں آپ سے ملاقات کے بعد بھی یقین نہیں آسکا۔ اس دن آپ کے پاس آنے سے قبل وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر کھنڈ کی طرف

گئے تھے۔ بھیڑیے اور گیدڑ گھوڑے کی لاش بُری طرح نوچ چکے تھے، لیکن سائیس اور دوسرے نوکروں نے گھوڑے کا سازو سامان پہچان لیا۔ پھر آپ سے ملاقات کے بعد گھر واپس آ کر وہ بار بار اس بات کا اعتراف کرتے تھے:

"وہ نوجوان غلط بیانی نہیں کر سکتا۔ وہ غرناطہ کے ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔" اس کے باوجود وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھے کہ ابوالقاسم قتل ہو چکے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ جب تک میں بذاتِ خود غرناطہ جا کر تحقیق نہیں کر لیتا، مجھے چین نہیں آ سکتا۔ اب خدا کرے وہ خیریت سے واپس آ جائیں۔"

وہ کچھ دیر خاموش کھڑے رہے۔ پھر ابوالحسن نے کہا "سلطان ابوعبداللہ نے مجھے اپنی رفاقت میں سمندر عبور کرنے کی دعوت دی ہے۔ فی الحال آپ اپنے گھر میں کسی اور سے اس بات کا ذکر نہ کریں۔"

سعاد نے کہا "اگر آپ مجھے الوداع کہنے آئے تھے تو یہاں کیوں رُک گئے؟ آپ کے لیے ہمارے گھر کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا۔"

"سعاد!" ــــــــ ابوالحسن کچھ دیر سوچ کر بولا "میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر نہیں جاؤں گا۔ ورنہ شاید مجھے یہاں تک آنے کا حوصلہ بھی نہ ہوتا۔"

"اور اگر میں یہاں نہ آتی تو؟"

"تو میں کل پھر اس طرف آتا اور شاید چند قدم اور آگے بڑھ کر آپ کا انتظار کرتا اور پھر جب میں مایوس ہو جاتا تو رخصت سے ایک دن یا ایک ساعت قبل آپ کے گھر پہنچ جاتا اور وہاں شاید آپ کے عزیزوں کی موجودگی میں میری ان پردہ باتیں آ جاتیں جو آج صرف میں اپنے دل میں کہہ سکتا ہوں لیکن میرے

لیے یہ ممکن نہ ہوتا کہ آپ کو خدا حافظ کہے بغیر رُخصت ہو جاؤں ۔"

ابوالحسن خاموش ہو گیا اور سعاد دیر تک اپنے دل کی دھڑکنیں سنتی رہی ۔ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہونے لگے اور وہ ڈوبتی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی :

" وہ ایک اتفاق تھا کہ اس دن میں نے آپ کو چٹان سے اُترتے دیکھ لیا تھا اور یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ آج میں اس طرف آ رہی تھی لیکن ایسے مواقع بار بار نہیں آتے ـــــ ہو سکتا ہے کہ رُخصت کے وقت ہمیں ایک دوسرے سے کچھ کہنے کا موقع ہی نہ ملے ۔ اس لیے میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ جب ہمارے درمیان سمندر کے گہرے پانی حائل ہو جائیں گے تو بھی میں آپ کے لیے دُعا کیا کروں گی ۔ اور میری یہ امید مرتے دم تک قائم رہے گی کہ کسی دن آپ ضرور واپس آئیں گے اور میں پھر آپ کو کسی بلند چٹان سے اترتے ہوئے دیکھوں گی ۔ اس وقت میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے بھول تو نہیں جائیں گے ؟ سمندر پار جا کر آپ یہ محسوس تو نہیں کریں گے کہ اندلس میں آپ کا کوئی نہیں ؟ " ۔

سعاد اپنے آنسو پونچھ کر سسکیاں لے رہی تھی اور ابوالحسن کا دل بے چارگی اور بے بسی کے احساس سے پھٹا جا رہا تھا ۔

" سعاد ! " اس نے کہا " میں ضرور آؤں گا اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تمھیں زیادہ عرصہ میرا انتظار نہیں کرنا پڑے گا ۔ مجھ جیسے بے وقوف آدمی سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ راستے میں ہی جہاز سے کود پڑے اور پھر بھاگتا ہوا یہاں پہنچ جائے ۔"

سعاد نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام پکڑتے ہوئے

کہا" تمہارے لیے ہمارے گھر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا لیکن میری وجہ سے تمہیں اپنا ارادہ تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔ میں اُس دن کا انتظار کروں گی جب مہاجرین کے قافلے آزادی کے نعرے لگاتے ہوئے واپس آئیں گے۔ اب میں گھر واپس جا رہی ہوں۔"

وہ گھوڑے پر سوار ہو گئی۔

ابُوالحسن نے کہا" آپ ملکہ کے پاس نہیں جائیں گی؟"

"اُن کے پاس پھر کسی دن جاؤں گی۔ اب میرا یہ خدشہ دُور ہو چکا ہے کہ آپ کسی اطلاع کے بغیر اچانک روانہ ہو جائیں گے اور میں اس کے لیے آپ کی شکر گزار ہُوں۔"

ابوالحسن نے کہا" اب میں کسی جھجک کے بغیر آپ کے دروازے پر دستک دے سکوں گا۔"

سعاد نے گھوڑے کی لگام موڑ کر ایڑ لگا دی اور ابوالحسن دیر تک اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر جب وہ ابوعبداللہ کی قیام گاہ کا رُخ کر رہا تھا تو اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے سینے سے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ اُتر چکا ہے۔

○

قلعے میں داخل ہوتے ہی ابوعبداللہ کی محافظ فوج کے سالار سے اُس کی ملاقات ہوئی۔ اُس نے کہا " آپ کو اسلحہ کے بغیر باہر نہیں جانا چاہیے تھا۔ سلطان آپکے متعلق بہت فکر مند تھے۔ آپ اتنی دیر کہاں رہے؟"

"میں سیر کے لیے چلا گیا تھا۔"

سالار نے ایک سپاہی کو اشارے سے بُلایا اور پھر ابُوالحسن کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا "آپ اس کے ساتھ اصطبل کے داروغہ کے پاس جائیں!
اسے سلطان کی طرف سے یہ حکم مل چکا ہے کہ آپ جس گھوڑے کو اپنی سواری
کے لیے پسند کریں، وہ آپ کو پیش کر دیا جائے۔"

ابوالحسن نے کہا "میں ان کا شکر گزار ہوں، لیکن اس جگہ مجھے گھوڑے
کی کیا ضرورت ہے؟"

سالار نے جواب دیا "گھوڑا تو ایک سپاہی کی اوّلین ضرورت ہے اور
پھر سلطان کے مہمان ان کے تحائف ردّ نہیں کیا کرتے۔"

ابوالحسن سپاہی کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر بعد اصطبل کا داروغہ
اس کو بہترین نسل کے گھوڑے دکھا رہا تھا۔ وہ مشکی رنگ کے ایک خوبصورت
گھوڑے کے قریب رُک گیا، اور داروغہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ کو یہ گھوڑا پسند ہے؟"

ابوالحسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اگر آپ اس وقت سواری کرنا پسند کریں تو اس پر زین ڈلوا دی جائے؟"

"نہیں! ابھی نہیں!!" ابوالحسن نے گھوڑے کی گردن پر تھپکی دیتے
ہوئے جواب دیا۔

"میں آپ کے حسنِ انتخاب کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ
جانور واقعی بہت اچھا ہے۔"

سالار کی بات سُن کر ابوالحسن مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

○

تیسرے روز دوپہر کے وقت ابوالحسن اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا کہ

مصعب دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوا۔ ابو الحسن نے جلدی سے اُٹھ کر مصافحہ کیا اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

مصعب نے کہا "میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں غرناطہ سے ہو آیا ہوں اور ابوالقاسم کے متعلق میری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ وہ اپنے گھر نہیں پہنچے۔ مجھے یہ شبہ نہیں تھا کہ آپ کی اطلاع غلط تھی لیکن اس کے باوجود میں اپنے دل کو یہ فریب دے رہا تھا کہ شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو اور جس آدمی کو آپ نے قتل ہوتے دیکھا تھا وہ کوئی اور ہو۔ سب سے بڑا ثبوت ان کا گھوڑا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ شاید وہ راستے میں کسی جگہ آرام کے لیے رُک گئے ہوں اور اُن کا گھوڑا کسی چور کے ہاتھ آ گیا ہو اور ابوالقاسم کے ساتھیوں نے چور کو پکڑ کر موت کے گھاٹ اُتار دیا ہو لیکن اب اس قسم کی موہوم امیدیں بھی ختم ہو چکی ہیں۔"

ابوالحسن نے کہا "غرناطہ میں آپ نے اُن کے ساتھ جانے والوں میں سے کسی سے ملاقات نہیں کی؟"

"نہیں! ان کے ذاتی نوکر بھی گھر نہیں پہنچے۔ میں نے غرناطہ کے گورنر یا کسی اور اہلکار سے جان بوجھ کر ملاقات نہیں کی۔ مجھے خطرہ تھا کہ اگر میں نے ابوالقاسم کے متعلق کوئی خدشہ ظاہر کیا تو وہ شاید مجھے بھی غرناطہ سے زندہ واپس نہ آنے دیں۔ میں نے ایک رشتے دار کے گھر چھپ کر ان کا پتا لگایا تھا اور چند خاص آدمیوں کے سوا کسی کو میری آمد کا علم نہ تھا۔ گزشتہ رات میں نے گھر پہنچتے ہی آپکے بارے میں پوچھا تھا اور سعاد نے بتایا تھا کہ آپ ابھی یہیں ہیں۔ اب میں سلطان کو سلام کرنے کے بعد سیدھا آپ کے پاس آیا ہوں اور ایک بار پھر یہ تاکید کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔"

ابوالحسن نے جواب دیا " میری طرف سے کوئی بے احتیاطی نہیں ہو گی۔"

مصعب نے کچھ سوچ کر کہا " سعاد بتا رہی تھی کہ آپ سلطان کے ساتھ جا رہے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ سلطان کی ہجرت کے بعد ہمیں کن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا' ورنہ میں آپ کو اپنے پاس ٹھہرنے کی ضرور دعوت دیتا' مگر موجودہ حالات میں' میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ چند ماہ یا چند سال بعد اگر حالات کی تبدیلی آپ کو واپس آنے پر آمادہ کر دے تو ہم آپ کو یہ محسوس نہیں ہونے دیں گے کہ آپ یہاں ایک اجنبی ہیں۔"

ابوالحسن نے جواب دیا " میں آپ کا شکر گزار ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں کسی دن ضرور آؤں گا۔"

" اگر آپ یہاں رہنا چاہیں تو میں اس وقت بھی آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ آپ یہاں بیکار نہیں رہیں گے۔ ابوالقاسم کی جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے مجھے ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہے۔ آپ کو فوراً کوئی جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ سلطان ابوعبداللہ کچھ دن اور رہیں گے اور آپ کو سوچنے کے لیے کافی وقت مل جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس عرصے میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ اُن کے ساتھ ہمیں بھی ہجرت کا فیصلہ کرنا پڑے.....

عام حالات میں اپنے خاندان کے سابقہ کردار کے پیشِ نظر مجھے سلطان ابوعبداللہ سے کسی ہمدردی کی توقع نہیں ہونی چاہیے تھی، مگر ابوالقاسم کی موت سے ان کے دل پر گہرا اثر ہوا ہے۔ آج وہ مجھ سے بار بار یہ کہتے تھے " تم زیادہ عرصہ الفجارہ میں چین سے نہیں رہ سکو گے' اس لیے اگر میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ تو میں مراکش میں تمھاری حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہوں!

ملکہ نے بھی مجھے تسلی دی تھی وہ بار بار یہ کہتی تھیں کہ اب سعاد جیسی لڑکیوں کو الفجارہ میں نہیں رہنا چاہیے۔ لیکن میری حالت یہ ہے کہ مجھے اندلس چھوڑنے کی بجائے مر جانا زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے۔"

ابوالحسن نے کچھ سوچ کر کہا "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ان غیر یقینی حالات میں سعاد اور دوسری خواتین کو ملکہ کے ساتھ روانہ کر دیں؟"

"میری بیوی کسی حالت میں بھی مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گی اور سعاد بھی ان لوگوں میں سے نہیں جو مصیبت کے وقت اپنے عزیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ بالآخر مصعب نے اُٹھ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "میرا گھر زیادہ دُور نہیں، آپ جب چاہیں وہاں آ سکتے ہیں!"

اور جب وہ چلا گیا تو ابوالحسن بھی اپنے دل سے بار بار پوچھ رہا تھا: "کیا میں سعاد کو چھوڑ کر جا سکتا ہوں؟"

اور آنے والے دور میں تنہائی اور بے چارگی کے تصور سے اس کی رُوح پسی جا رہی تھی۔

○

بیس[۲۰] دن بعد سلطان کی قیام گاہ سے پہلا قافلہ جو اس کے نجی ملازموں اور سپاہیوں پر مشتمل تھا، ساحل کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ گھر کا ساز و سامان اُٹھانے کے لیے علاقے کے لوگوں نے اپنے خچر مہیا کر دیے تھے اور حفاظت کے لیے پچاس مسلح رضاکار بھی بھیج دیے تھے۔ سلطان اور ملکہ کو شاہی خاندان کے

باقی افراد اور چند محافظ دستوں کے ساتھ پہلے قافلے کی روانگی سے دو دن بعد کوچ کرنا تھا۔

غرناطہ کے گورنر نے حکومت کی طرف سے سلطان کی متروکہ جائیداد کا انتظام سنبھالنے کے لیے ایک اہلکار جو بظاہر مسلمان تھا، سلطان کی روانگی سے ایک دن قبل بھیج دیا تھا اور اس کے ساتھ آنے والے سپاہیوں نے قلعے سے کچھ دُور خیمے نصب کر دیے تھے۔ اس اہلکار کا نام حارث تھا۔

اس نے آتے ہی سلطان کو غرناطہ کے گورنر کی طرف سے یہ پیغام دیا تھا: ـــــ "آپ کے جو ملازم ہجرت نہیں کرنا چاہتے وہ حکومت کے ملازم تصور کیے جائیں گے اور علاقے کے کاشت کاروں کی حفاظت بھی حکومت کے ذمے ہوگی" ـــــ چنانچہ سلطان کے ذاتی عملے کے بیس آدمی اس پیش کش پر بہت خوش تھے اور فیصلہ کر چکے تھے کہ سلطان کو ساحل تک پہنچانے کے بعد وہ واپس آجائیں گے۔

ابوالحسن روانگی سے ایک روز قبل مصعب کے ہاں جا کر سعاد سے الوداعی ملاقات کر رہا تھا۔

وہ اس کی خالہ اور خالو کی موجودگی میں کھُل کر کوئی بات نہ کر سکا اور اسے اپنے جذبات کے اظہار کے لیے کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ ایک دوسرے کے دل کی آوازیں سُن سکتے تھے۔

رُخصت کے وقت سعاد کی خالہ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "بیٹا! اللہ تمھارا حامی و ناصر ہو۔ میں اس بات میں بھی کوئی بہتری دیکھتی ہوں کہ سعاد کے خالو تمھارا ارادہ تبدیل نہیں کر سکے۔ پھر بھی اس گھر میں ہمیشہ تمھارا انتظار ہوگا۔"

سعاد نے انتہائی ضبط سے کام لیا تھا، لیکن جب ابوالحسن خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل آیا تو اُس کا سُرخ و سپید چہرہ اچانک زرد ہو گیا اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔

○

ابوالحسن واپس آ کر باقی سارا دن سخت اُداس رہا۔ مغرب کی نماز کے بعد وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابو عامر، ایک پست قامت نوکر نے دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد اندر جھانکتے ہوئے کہا "جناب! آپ کا کھانا لے آؤں؟"

"ہاں! لے آؤ!"

ابو عامر واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد اس نے کھانے کا طشت لا کر ابوالحسن کے سامنے ایک چھوٹی سی میز پر رکھ دیا۔ پھر ایک طرف ہٹ کر بولا:

"جناب! مجھے افسوس ہے کہ آپ جا رہے ہیں!"

ابو عامر کو گفتگو کے لیے ہمیشہ کسی بہانے کی تلاش رہتی تھی، لیکن یہ ایک ایسا موضوع تھا جس پر ابوالحسن کوئی بات کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔

ابو عامر نے قدرے توقف کے بعد کہا "جناب! میں نے مراکش نہیں دیکھا مگر سُنا ہے کہ وہاں بہت گرمی پڑتی ہے۔"

ابوالحسن نے اس کی طرف دیکھے بغیر بے اعتنائی سے جواب دیا:

"انشاء اللہ تم بہت جلد اپنے وطن کی آب و ہوا کے عادی ہو جاؤ گے!"

"جناب! میں آپ کو بندرگاہ تک پہنچانے کے بعد واپس آ جاؤں گا۔

سلطان چند نوکروں کو یہاں رہنے کی اجازت دے چکے ہیں۔ ہم اس قلعے کے نئے محافظ سے مل چکے ہیں اور انھوں نے یہ کہا ہے کہ قلعے کے جو ملازم یہاں رہنا چاہتے ہوں، ان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ مجھ سے انھوں نے یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ میں تمھارا کام دیکھنے کے بعد تنخواہ میں اضافہ کر دوں گا۔ حارث ایک اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے، لیکن آپ مجھے بہت یاد آیا کریں گے۔ کاش! آپ چند دن اور یہاں ٹھہر سکتے۔"

ابوالحسن نے کھانے کا نوالہ چباتے ہوئے پہلی بار اس کی طرف دیکھا اور قدرے توقف کے بعد کہا "ابوعامر! میں تمھارا شکر گزار ہوں، مگر میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ جب سلطان ابوعبداللہ یہاں سے رخصت ہو جائیں گے تو اس مہمان خانے کا دروازہ میرے لیے بند ہو جائے گا۔"

ابوعامر نے کہا "جناب! جس دن آپ زخمی ہو کر یہاں پہنچے تھے تو میں نے محسوس کیا تھا کہ شاید کوئی دشمن آپ کا پیچھا کر رہا ہے۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "میرا کوئی دشمن نہیں۔ میں راستے میں گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گیا تھا۔"

ابُوعامر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک پہرے دار اندر داخل ہوا اور اُس نے ابوالحسن سے مخاطب ہو کر کہا "جناب! مصعب کا ایک نوکر آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو اسے یہاں بھیج دیا جائے!"

ابوالحسن کے دل کی دھڑکن اچانک تیز ہو گئی۔ اس نے کہا "اسے فوراً بھیج دو!"

پہرے دار چلا گیا اور ابوعامر نے ہچکچاتے ہوئے کہا "جناب! میرا خیال

تھا کہ آج آپ شاید دو مرتبہ مصعب سے مل چکے ہیں۔ صبح جب وہ سلطان سے ملاقات کے بعد سیدھے آپ کے پاس آئے تھے اور دوپہر کے وقت آپ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے تھے تو مجھے یہی خیال آیا تھا کہ آپ اُن کے ہاں جا رہے ہیں۔"

ابوالحسن نے غور سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟"

ابوعامر کو اس کے لب و لہجہ سے کہیں زیادہ اس کی تیز نگاہوں نے مرعوب کر دیا اور اس کے چہرے سے احمقانہ مسکراہٹ اچانک رخصت ہو گئی "جناب! میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ ...."

ابوالحسن نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "دیکھو، ابوعامر! تم ایک اچھے آدمی ہو۔ لیکن اس وقت مجھے بے معنی باتوں سے کوفت محسوس ہو رہی ہے۔ اگر تم بندرگاہ تک قافلے کے ساتھ جا رہے ہو تو تمھیں جی بھر کر باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اب تم برتن اُٹھا لو!"

"لیکن جناب! آپ نے کچھ نہیں کھایا۔"

"مجھے بھوک نہیں تھی اور اب میں تمھیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں نے مصعب کے گھر میں کیا کھایا تھا"

ابوعامر طشت اٹھا کر باہر نکلا تو اسے چند قدم دور مصعب کا حبشی نوکر پہرے دار کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ وہ اُن کے راستے سے ایک طرف ہٹ کر کچھ دیر کھڑا رہا اور جب پہرے دار نوکر کو ابوالحسن کے کمرے میں پہنچا کر واپس مُڑ رہا تھا تو وہ اپنے آپ کو کوستا ہوا باورچی خانے کی طرف چل دیا۔

مصعب کا نوکر وہی تھا جسے ابوالحسن نے پہلے دن سعاد کے ساتھ

دیکھا تھا۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ادب سے سلام کیا اور پھر جیب سے ایک خط نکال کر ابوالحسن کو پیش کرتے ہوئے کہا "جناب! آقا مصعب کی بیوی اور سعاد کی خالہ نے یہ خط دیا تھا۔ انھوں نے تاکید کی تھی کہ میرے اور آپ کے سوا کسی تیسرے آدمی کو اس خط کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

ابوالحسن نے جلدی سے خط کھولا اور پھر چند لمحات کے لیے اسے اپنے گرد و پیش کا کوئی ہوش نہ تھا۔ سعاد کی خالہ کے خط کا مضمون یہ تھا:

"بیٹا ابوالحسن! میں اس خط میں اس معصوم لڑکی کے دلی احساسات کی ترجمانی کر رہی ہوں جو رخصت کے وقت تمھیں کوئی پیغام نہ دے سکی۔ سعاد مجھے اپنی بیٹی سے بھی زیادہ عزیز ہے اور اس وقت جب میں اُس کے کمرے سے دبی دبی سِسکیاں سُن رہی ہوں تو میرا دل پِسا جا رہا ہے۔

میں تمھیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تمھاری آمد سے پہلے اسے زندگی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ماضی کے حادثات نے اسے اپنے حال اور مستقبل دونوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ اکثر خاموش رہا کرتی تھی۔ غرناطہ میں اس کی دلچسپی کا واحد ذریعہ ہمارا آبائی قبرستان تھا۔

یہاں آنے کے بعد ہمارا خیال تھا کہ ماحول کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس کے خیالات بھی بدل جائیں گے اور ایک دن جب اُس نے سواری کا شوق ظاہر کیا تو ہم بہت خُوش ہوئے تھے، مگر پہلے دن وہ سیر سے واپس آئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ کسی نے اسے یہاں سے کچھ دُور ایک قبرستان کا بتا دیا تھا جہاں

طارقؒ کے زمانے کے چند شہدا دفن تھے اور سعاد اُن کی فاتحہ خوانی کے لیے گئی تھی۔ ملکہ عائشہ بھی اسی قبرستان میں دفن ہیں۔ سعاد کو اپنے والدین پر ان کی شفقتیں یاد تھیں، اس لیے اسے بار بار وہاں جانے کے لیے ایک معقول بہانہ مل گیا تھا۔

پھر ایک دن وہ بہت دیر سے گھر آئی اور مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ وہ ایک زخمی کو ابو عبداللہ کے پاس لے گئی تھی اور رات کے وقت جب وہ پوری تفصیل کے ساتھ تمھیں موت کے مُنہ سے نکلتا دیکھنے اور تمھارے زخموں پر پٹیاں باندھنے کے واقعات سُنا رہی تھی تو مجھے پہلی بار اپنے دل میں یہ تسکین محسوس ہوئی تھی کہ ایک اجنبی اُس کے لیے ایک نئی زندگی کا پیغام لایا ہے۔

سعاد کو بار بار تمھاری جرأت و مردانگی کے واقعات سنانے میں خاصی راحت محسوس ہو رہی تھی اور تمھیں دیکھنے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے دل میں تمھارا مکمل نقشہ پہلے سے موجود تھا اور سعاد تم سے بلاوجہ متاثر نہیں ہوئی تھی۔ تم اُس کے ماضی کی یادوں کے بہترین سانچوں میں ڈھل کر اُس کی نگاہوں کے سامنے آگئے تھے اور اُس کی دنیا بدل چکی تھی۔
مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ تم سے کس قدر مانوس ہو چکی ہے اور یقیناً تم بھی اس کے دل کے حال سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔

اب تم جارہے ہو ــــــ اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ تمھاری غیر حاضری میں مَیں کس حد تک سعاد کو تسلی دے سکوں گی ، لیکن تمھیں یہ پیغام دیتے ہوئے مجھے کوئی جھجک محسُوس نہیں ہوتی کہ جب تم واپس آؤ گے تو تمھارے اور سعاد کے درمیان کوئی ایسی چٹان حائل نہیں ہوگی جسے تم عبور نہ کر سکو۔

میں فخر کے ساتھ تمھارا ہاتھ پکڑ کر اپنے شوہر سے یہ کہہ سکوں گی کہ میں سعاد کا مُستقبل اس بہادر اور شریف نوجوان کو سونپنا چاہتی ہوں اور تم اسے میرا ہم خیال پاؤ گے۔

تمھیں فوری طور پر جواب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف یہ اطمینان چاہتی ہوں کہ تمھیں میرا خط مل گیا ہے!"

ابوالحسن خط ختم کرنے کے بعد کچھ دیر خاموشی سے غلام کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا " تم سعاد کی خالہ کو میری طرف سے یہ پیغام دو! کہ میں نے اُن کا خط پڑھ لیا ہے اور میں اُن کا شکر گزار ہُوں۔"

ابوالحسن رات ' سونے سے پہلے یہ خط کئی بار پڑھ چکا تھا اور صبح جب وہ سفر کی تیاری کر رہا تھا ' تو اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سعاد اس کا دامن پکڑ کر پوچھ رہی ہے " ابوالحسن! کیا تم جا رہے ہو ؟ کیا تم واقعی جارہے ہو ؟ "

طلوعِ آفتاب کے وقت قافلہ روانہ ہو چکا تھا اور قلعے سے باہر قرب و جوار کی بستیوں کے سینکڑوں آدمی غرناطہ کے تاجدار کو بے بسی کے آنسُوؤں کا نذرانہ پیش کر رہے تھے۔ سلطان کی روانگی کی اطلاع ساحلی علاقے تک پہنچ چکی تھی اور راستے میں جگہ جگہ لوگوں کے گروہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ قبائل کے سرداروں نے ہر منزل پر قافلے کے قیام و طعام کا انتظام کر رکھا تھا اور راستے کی بستیوں کے

بہت سے لوگ سلطان کو رخصت کرنے کے ارادے سے قافلے کے ساتھ شامل ہو رہے تھے۔

ابوالحسن مسلح سواروں کے آخری دستے کے ساتھ سفر کر رہا تھا لیکن اُسے لوگوں کے ہجوم، پہاڑوں کے راستے کے نشیب و فراز اور پیچ و خم سے کوئی دلچسپی نہ تھی ——— اُس کے تصورات کی دنیا میں سعاد کی مسکراہٹیں بکھری ہوئی تھیں اور وہ قدم قدم پر اُس سے یہ کہہ رہی تھی:

"ابوالحسن! میں تمھاری ہوں۔ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

کبھی کبھی اُسے اپنے خیالات پر ندامت محسوس ہونے لگتی اور وہ کسی ساتھی سے کوئی بات شروع کر دیتا، لیکن پھر تھوڑی دیر بعد وہ خواب و خیال کی اس دُنیا میں کھو جاتا جہاں حال اور مستقبل کے سارے راستے سعاد کے دروازے پر ختم ہو جاتے تھے۔

○

تیسرے روز سہ پہر کے وقت مالقہ سے چند کوس دُور مشرق کی طرف ایک چھوٹی سی بندرگاہ کے سامنے کھلے میدان میں ہزاروں انسان ابوعبداللہ کا استقبال کر رہے تھے۔ سمندر میں مراکشی جہاز کھڑے تھے اور مقامی مسلمانوں کے علاوہ آس پاس کی ساحلی چوکیوں سے نصرانی محافظوں کا ایک دستہ مسلمانوں کے ہجوم سے کچھ فاصلے پر ایک طرف کھڑا تھا۔

ساحل پر مقامی قبائل کے سرداروں نے قافلے کے لیے خیمے نصب کر رکھے تھے۔ سب سے بڑا خیمہ جو سلطان اور ملکہ کے لیے نصب کیا گیا تھا، ان کے درمیان دکھائی دیتا تھا۔

مراکشی جہازوں کے کپتان اور دوسرے افسر ہجوم سے چند قدم آگے

قبائلی سرداروں کی صف میں کھڑے تھے۔

نصرانی سپاہیوں کے ایک دستے نے سلطان کو سلامی دی اور اس کے بعد وہ قبائلی سرداروں کی صف کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اُتر پڑا۔ سرداروں نے باری باری آگے بڑھ کر ابوعبداللہ سے مصافحہ کیا اور شاہی خدام جو پہلے قافلے کے ساتھ بندرگاہ پر پہنچ چکے تھے ملکہ اور دوسری خواتین کے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر خیموں کی طرف چل دیے۔

مقامی سرداروں نے سلطان کی ضیافت کا بھی انتظام کر رکھا تھا اور وہ قافلے کو ایک رات ٹھہرانے پر مُصر تھے۔

سلطان نے معذرت کرتے ہوئے کہا "میں تہہ دل سے تمہارا شکرگزار ہوں، مگر یہاں رُکنا میرے لیے بہت تکلیف دہ ہوگا۔"

علاقے کے ایک سرکردہ رئیس نے کہا "عالیجاہ! ہم آپ کو مجبور نہیں کرسکتے، لیکن جہاز پر آپ کے گھوڑے لادنے میں کافی وقت لگ جائے گا۔ اس لیے شام کے کھانے کے بارے میں ہماری دعوت رد نہیں کرنی چاہیے۔"

"بہت اچھا!" ابوعبداللہ نے کچھ سوچ کر جواب دیا "ہم شام کا کھانا کھاتے ہی روانہ ہوجائیں گے۔"

کچھ دیر بعد خواتین اور بچے خیموں کے اندر جاچکے تھے اور ابوعبداللہ ہزاروں آدمیوں کے ساتھ پاس ہی ایک کھلے میدان میں عصر کی نماز ادا کر رہا تھا۔

نماز کے بعد وہ ایک کشادہ خیمے میں داخل ہوا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا:

"مجھے بار بار یہ خیال آتا ہے کہ اگر ہم مرگئے ہوتے تو شاید ہمارے جنازے پر بھی اتنا ہجوم نہ ہوتا۔ اگر وہ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیتے یا میرے سر پر

خاک پھینکتے تو مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی۔"

ملکہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے جواب دیا "عالیجاہ! ہم مر چکے ہیں ـــــ ہم اسی دن مر گئے تھے جب الحمرا پر دشمن اپنا پرچم نصب کر رہا تھا اور لوگ مُردوں سے اِنتقام نہیں لیا کرتے۔"

"نہیں! نہیں!!" ابوعبداللہ سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا "دراصل میں اسی روز مر گیا تھا جب میں نے اپنے باپ سے غداری کی تھی۔ غرناطہ کا تخت میری قبر تھی۔ میری رعایا میرے گناہ معاف کر سکتی ہے لیکن میں اپنے ضمیر کے انتقام سے نہیں بچ سکتا ـــــ میں نے بادشاہت کی قبا نہیں پہنی تھی بلکہ اپنی قوم کا کفن نوچ کر اپنے اوپر ڈال لیا تھا ـــــ"

باہر سے ابوالحسن کی آواز سُنائی دی "عالیجاہ!"

"کون؟ ابوالحسن؟" سلطان نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ـــــ

"عالیجاہ! میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہُوں؟"

"تم اندر آ سکتے ہو۔"

ابوالحسن پردہ اُٹھا کر اندر داخل ہوا اور چند ثانیے تذبذب کی حالت میں سلطان اور ملکہ کی طرف دیکھتا رہا۔

"ابوالحسن! کیا بات ہے۔ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ اگر میں تمھاری کوئی خواہش پوری کر سکتا ہوں تو تم بلا جھجک بیان کر سکتے ہو ـــــ اور اگر تم میری دلجوئی کے لیے آئے ہو تو یہ وقت ایسی گفتگو کے لیے موزوں نہیں۔ انشاء اللہ ہم ایک ہی جہاز پر سفر کریں گے اور میں اطمینان سے تمھاری باتیں سُن سکوں گا۔"

"عالیجاہ!" اُس نے بڑی مشکل سے کہا "مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکوں گا۔"

"تم غرناطہ واپس جانا چاہتے ہو؟"

"نہیں عالیجاہ! ابوالحسن نے اپنی جیب سے خط نکال کر ابُوعبداللہ کو پیش کرتے ہوئے جواب دیا "میں اس گستاخی پر شرمسار ہوں اور آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میرے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے یہ خط پڑھ لیجیے!"

"اس خط میں کوئی ایسی بات ہے جو تم زبانی نہیں کہہ سکتے؟"

"عالیجاہ! یہ مصعب کی بیوی کا خط ہے اور مجھے روانگی سے ایک رات قبل ملا تھا۔"

ابوعبداللہ نے خط پڑھنے کے بعد ملکہ کی طرف بڑھا دیا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "اگر یہ خط تم مجھے اسی وقت دکھا دیتے تو تمھیں یہاں تک سفر کرنے کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑتی۔ میں یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ تم سعاد جیسی لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے مصعب کو بھی یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ابوالقاسم کی موت کے بعد تم الفجارہ میں زیادہ عرصہ چین سے نہیں رہ سکو گے اس لیے کم از کم اپنی بیوی اور سعاد کو ہمارے ساتھ بھیج دو! لیکن ان کی قوتِ فیصلہ جواب دے چکی تھی ——— اب شاید وہ تمھاری وجہ سے مستقبل کے خطرات سے بچ جائے۔ انشاء اللہ! ہم مراکش پہنچ کر تمھارا انتظار کریں گے۔"

ابوالحسن نے کہا "عالیجاہ! اگر انھوں نے میری بات مان لی، تو ہم جلد از جلد وہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ مجھے ان خطرات کا پورا احساس ہے جو مجھے مصعب کی رفاقت میں پیش آ سکتے ہیں۔"

"تمھارے لیے رات کے وقت تنہا سفر کرنے کی بجائے ان رضاکاروں کے ہمراہ جانا زیادہ مناسب ہوگا' جو میرے ساتھ آئے ہیں۔ میں اپنے میزبانوں سے کہہ دوں گا کہ تم نے جو خیمہ ہمارے لیے نصب کیا ہے' اس میں ہمارا ایک ساتھی آرام کرے گا۔"

ملکہ نے خط پڑھ کر ابوالحسن کو واپس دے دیا اور پھر اپنے ہاتھ سے ہیرے کی ایک انگوٹھی اُتار کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "ابوالحسن! تم سعاد کے لیے میری طرف سے یہ تحفہ قبول کرو!"

"میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" ابوالحسن نے یہ کہہ کر ہیرے کی انگوٹھی اس سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لی۔ چند ثانیے احسانمندی کی نگاہوں سے سلطان کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اچانک "خدا حافظ!" کہہ کر اُلٹے پاؤں باہر نکل آیا۔

کچھ دیر بعد ابوالحسن سمندر کے کنارے کھڑا مجاہدینِ اسلام کے ان سفینوں کا تصور کر رہا تھا جو ماضی کے ادوار میں اُندلس کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے تھے۔ آٹھ صدیوں کی تاریخ اسے ایک خواب معلوم ہوتی تھی اور وہ اپنے دل سے پوچھ رہا تھا: کیا یہ وہی اندلس ہے جسے طارقؒ نے فتح کیا تھا۔ کیا یہ ان مجاہدوں کا وطن ہے جو اسلام کا پرچم فرانس کے میدانوں تک لے گئے تھے؟ کیا یہ وہی سرزمین ہے جس پر کبھی امویوں' کبھی مرابطین اور کبھی موحدین کے لشکر خیمہ زن ہوتے تھے؟ ــــــ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔

اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

ابوالحسن نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ ابوعامر نے جو ایک لمحہ قبل مسکرا رہا

تھا، ندامت سے سر جھکاتے ہوئے کہا "معاف کیجیے! مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ اس قدر پریشان ہیں۔"

ابوالحسن نے حقارت سے منہ پھیر کر اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور قدرے توقف کے بعد بولا "ابو عامر! میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم بار بار مجھے پریشان کیوں کرتے ہو؟"

"جناب! اس گستاخی کے لیے میری معذرت قبول فرمائیے! میرا خیال تھا شاید اس ہجوم میں مجھے آپ کو خدا حافظ کہنے کا موقع نہ ملے۔ میں علی الصباح اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس جا رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم واپس جا رہے ہو۔"

"جناب! میں اس قابل نہیں کہ آپ کی دلجوئی کر سکوں۔ لیکن اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اس قدر مایوس نہیں ہونا چاہیے ——— میں سارا راستہ یہ محسوس کرتا رہا ہوں کہ آپ بہت غم زدہ ہیں ——— آپ کا چہرہ دیکھ کر مجھے کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی مگر میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ آپ کے دل پر کیا بیت رہی ہے ——— اگر میں آپ کا غلام ہوتا تو بھی آخری ملاقات کے موقع پر آپ سے یہ کہتے ہوئے جھجک محسوس نہ کرتا کہ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔"

ابوالحسن اس کی طرف چند لمحے دیکھتا رہا اور پھر قدرے نرم ہو کر بولا:

"ممکن ہے یہ ہماری آخری ملاقات نہ ہو۔"

"مجھے یقین تھا کہ آپ کسی دن واپس آجائیں گے۔ مراکش میں آپ کا دل نہیں لگے گا ———"

ابوالحسن اسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں نے اندلس چھوڑنے کا ارادہ

بدل دیا ہے، لیکن وہ خاموش رہا۔ اسے ابو عامر کو اپنا رازدار بنانا پسند نہ تھا۔

ابو عامر نے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتے ہوئے زیادہ جُرأت سے کام لیتے ہوئے کہا ـــــ "جناب! آپ بُرا نہ مانیں! کبھی ایک تنکا بھی کام آسکتا ہے! مجھے آپ کے دل کا حال اُس دن سے معلوم تھا جب آپ معزز لڑکی کے ساتھ قلعے میں داخل ہوئے تھے ـــــ پھر آپ سے مہمان خانے میں ملاقات کرنا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔"

ابوالحسن نے تلملا کر کہا "ابو عامر! اگر تم نے اس لڑکی کے متعلق کچھ اور کہنے کی کوشش کی، تو میں تمھارا گلا گھونٹ دوں گا۔"

ابو عامر خوف زدہ ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور چند ثانیے بے بسی کی حالت میں ابوالحسن کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا: "جناب! میں ایک معزز گھرانے کی نیک اور پاکباز لڑکی کے متعلق کوئی نازیبا بات کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا ـــــ میرے متعلق آپ کو کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے ـــــ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں اسے کسی نہ کسی ذریعے آپ کی طرف سے یہ پیغام دینے کی ذمہ داری لے سکتا ہوں کہ آپ واپس آنے کی نیت سے جا رہے ہیں ـــــ اسے یہ بتانا ضروری ہے کہ جب آپ سمندر کے کنارے کھڑے تھے تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔"

"ابو عامر!" ابوالحسن نے قدرے متاثر ہو کر کہا "میرے آنسو اندلس کے لیے تھے ـــــ اور اس لڑکی کو پیغام دینے کے لیے تمھاری خدمات کی ضرورت نہیں، ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟"

ابو عامر خاموش رہا اور ابوالحسن نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

"جناب! خدا حافظ!!" اس نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "میں ہمیشہ آپ کے لیے دُعا کیا کروں گا۔"
اس کے بعد وہ ہجوم میں غائب ہو چکا تھا۔

○

غروب آفتاب سے کوئی گھنٹے بھر بعد اندلس کے آخری تاجدار کو الوداع کہنے والے پُرنم آنکھوں سے مراکش کے جہازوں کی آخری جھلک دیکھ رہے تھے۔

ابو عبداللہ جہاز پر سوار ہونے سے پہلے مقامی سرداروں سے اپنے ایک معزز ساتھی کے بیٹے کی حیثیت سے ابوالحسن کا تعارف کروا چکا تھا اور جہازوں کی روانگی کے بعد آٹھ سردار خیمے تک اس کے ساتھ آئے اور کچھ دیر اس سے باتیں کرتے رہے۔ ان میں سے ہر ایک نے ابوالحسن کو چند دن اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی لیکن اس نے سب کو یہی جواب دیا "میں ایک ضروری کام سے واپس جا رہا ہوں اور میرے لیے راستے میں تھوڑی دیر کے لیے رکنا بھی بہت مشکل ہے۔ ہاں! اگر کبھی موقع ملا تو میں آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔"

رخصت ہونے سے پہلے ایک رئیس نے اپنے تین نوکروں کو اُس کے گھوڑے کی رکھوالی اور چار مسلح رضا کاروں کو خیمے کی حفاظت کا حکم دیا۔
اگلی صبح ابوالحسن سفر کے لیے تیار ہو کر خیمے سے باہر نکلا تو ایک نوکر اس کے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑا تھا اور ابو عامر اپنے گھوڑے کی زین پر بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا۔ اُس نے ابوالحسن کو دیکھ کر سلام کیا اور بولا "جناب!

میرے ساتھی جا چکے ہیں، مگر میں آپ کا گھوڑا دیکھ کر رُک گیا ہوں ـــــ آپ واپس جا رہے ہیں ؟"

"ہاں !" ابوالحسن نے بددلی سے جواب دیا۔

"میں بہت خوش ہوں۔ میرے ساتھی زیادہ دُور نہیں گئے ہوں گے ہم بہت جلد ان سے جا ملیں گے۔"

ایک نوکر نے کہا "جناب! آپ کا گھوڑا سیر ہو چکا ہے اور ہم نے اس کا توبرا بھی اناج سے بھر دیا ہے۔ ہمارے آقا یہ حکم دے گئے تھے کہ اگلی منزل پر آپ کو گھوڑے کی خوراک کے متعلق پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔"

"میں تمھارے آقا کا شکر گزار ہوں۔" ابوالحسن نے یہ کہہ کر باری باری نوکروں اور رضاکاروں سے مصافحہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ابوعامر نے بھی اُس کے پیچھے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

قریباً دو گھنٹے وہ خاموشی سے سفر کرتے رہے۔ پھر ایک جگہ چڑھائی پر جب گھوڑوں کی رفتار ذرا سُست ہونے لگی تو ابوعامر نے اپنا گھوڑا ابوالحسن کے ساتھ ملاتے ہوئے کہا "میں بہت خوش ہوں کہ آپ واپس چل رہے ہیں۔ مصعب بھی آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ میرا خیال ہے اس رات ان کا غلام یہی پیغام لایا ہو گا کہ آپ مراکش نہ جائیں۔ اتنی بڑی جاگیر کا انتظام سنبھالنے کے لیے مجھے ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہے۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "ابوعامر! یہ شاید تمھاری دعاؤں کا اثر ہے کہ میں واپس چل رہا ہوں؛ لیکن یہ ضروری نہیں کہ میں مصعب کی ملازمت اختیار کر لوں۔"

"اگر آپ کو کسی اور ملازمت کی ضرورت پیش آئے تو میں اپنے آقا سے بات کر سکتا ہوں اور وہ آپ کو کوئی ایسی ملازمت دے سکتا ہے جو آپ کی شان

کے شایاں ہو۔"

"نہیں! فی الحال میں نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ میں واپس جا کر کیا کروں گا۔ بہر حال میں تمھارا شکر گزار ہوں۔"

"سلطان آپ کو بہت پسند کرتے تھے۔ وہ اس بات سے خفا تو نہیں ہوئے کہ آپ ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔"

"نہیں!" ابوالحسن نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ابوعامر کے ساتھیوں اور دوسرے لوگوں کے قافلے سے جا ملے اور اس کے بعد کئی میل سفر کے دوران ابوعامر کو باتیں کرنے کا موقع نہ ملا۔ تیسرے پہر قافلہ ایک بستی میں رک گیا، مگر ابوالحسن سونے سے پہلے ایک اور منزل طے کرنا چاہتا تھا، اس لیے ابوعامر کو بھی وہاں منزل کرنے کا ارادہ تبدیل کرنا پڑا۔

رات انھوں نے ایک بستی کے رئیس کے ہاں قیام کیا اور صبح ناشتا کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے۔ آگے چڑھائی ذرا سخت تھی، تھکاوٹ کے باعث ان کے گھوڑوں کی رفتار بھی بتدریج سست ہو رہی تھی۔ دوپہر کے وقت وہ تھوڑی دیر آرام کرنے کی نیت سے ایک بستی کی سرائے میں رک گئے۔

ابوالحسن نے کھانا کھانے کے بعد ظہر کی نماز کے لیے مسجد کا رخ کیا، لیکن ابوعامر آخری نوالہ حلق سے اتارتے ہی چٹائی پر دراز ہو گیا اور جب ابوالحسن نماز سے فارغ ہو کر واپس آیا تو اس کے ساتھی کے خراٹے دور دور تک سنائی دے رہے تھے۔

سرائے کے مالک نے کہا "جناب! آپ کا نوکر بہت تھکا ہوا

ہے۔ آپ بھی کچھ دیر آرام کرلیں، میں نے کمرے میں آپ کے لیے بستر لگوا دیا ہے۔ آپ کے گھوڑوں کے آگے چارہ بھی ڈلوا دیا ہے۔ دو تین گھنٹوں تک وہ تازہ دم ہو جائیں گے۔ اگر آپ رات یہاں گزار سکتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

"نہیں! ابوالحسن نے جواب دیا" میں تھوڑی دیر سستانے کے بعد روانہ ہو جاؤں گا۔"

وہ کمرے کے اندر جا کر لیٹ گیا اور چند منٹ اونگھنے کے بعد گہری نیند سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو عصر کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ اس نے جلدی سے باہر نکل کر سرائے کے مالک کو گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا اور ابو عامر کو جو ابھی تک خراٹے لے رہا تھا جھنجھوڑ کر جگایا اور نماز کے لیے مسجد کی طرف چل دیا۔ جب وہ واپس آیا تو صحن میں ایک نوکر اور ابو عامر گھوڑوں کی لگامیں تھامے اُس کا انتظار کر رہے تھے اور سرائے کا مالک ان کے قریب کھڑا تھا۔ ابوالحسن نے سرائے کے مالک کا شکریہ ادا کیا اور اپنی جیب سے چاندی کے دو سکے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

سرائے کے مالک نے کہا" جناب! یہ بہت زیادہ ہیں۔ اتنے پیسوں کے بدلے آپ کل تک یہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ اب شام ہونے والی ہے اور پہاڑی علاقے میں رات کا سفر تکلیف دہ ہو گا۔"

ابو عامر نے کہا" ہاں جناب! میرا بھی یہی مشورہ ہے کہ آپ رات آرام کریں۔ ہمارے گھوڑوں کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔"

ابوالحسن نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے کہا" میں کافی آرام کر چکا ہوں۔ میرا گھوڑا بھی تازہ دم ہو چکا ہے تم اگر چاہو تو یہاں قیام کر سکتے ہو۔"

"میں آپ کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہوں، چلیے!" ابو عامر نے جلدی سے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

ابوالحسن نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی ایڑ لگا دی اور ابو عامر اس کے پیچھے ہو لیا۔ گاؤں سے نکلتے ہی ابوالحسن نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ شام ہونے تک وہ اپنی منزل کا ایک تہائی راستہ طے کر چکے تھے اور جب رات آگئی تو انھیں اپنے گھوڑوں کی رفتار کم کرنی پڑی۔

ابو عامر تھکاوٹ سے چور ہو چکا تھا اور ابوالحسن کو راستے کی ہر بستی میں باقی رات گزارنے کا مشورہ دیتا تھا مگر وہ ہر بار یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کی رفتار ذرا تیز کر دیتا کہ ہم منزل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔

آدھی رات کے وقت وہ قلعے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ابوالحسن نے دوراہے پر اپنے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور مڑ کر ابو عامر سے مخاطب ہوا:

"مجھے افسوس ہے کہ تمھیں میری وجہ سے اتنی تکلیف اٹھانی پڑی۔ اب اگر وہ تمھارے لیے قلعے کا دروازہ کھول دیں تو تم جی بھر کر آرام کر سکو گے۔"

ابو عامر نے کہا "میں صرف آپ کے لیے یہاں تک آیا ہوں، ورنہ میرے بال بچے پچھلی بستی میں رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر اس وقت مصعب کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے یہیں ٹھہرنے پر آمادہ ہو جائیں تو میں آپ کے لیے قلعے کا دروازہ کھلوانے کی کوشش کروں۔ میرا گھر اس قابل نہ تھا، ورنہ میں آپ کو وہاں ٹھہرنے کی دعوت دیتا۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "میرے دوست! اگر میں رک سکتا تو اس قلعے کی بجائے تمھارے گھر پر ٹھہرنے کو ترجیح دیتا۔ اب تم اپنے گھر جاؤ!"

ابو عامر نے کہا "مجھے ڈر ہے کہ رات کے وقت مصعب کے

آدمی قلعے کا دروازہ نہیں کھولیں گے۔"

"تم میری فکر نہ کرو! خدا حافظ!!"

ابو عامر نے کہا "مجھے ان کے خیمے نظر نہیں آتے ————— شاید وہ قلعے میں منتقل ہو چکے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارے نئے آقا آپ جیسے معزز لوگوں کے لیے مہمان خانے کا دروازہ بند کر دیں گے۔ آپ جب چاہیں وہاں آ سکتے ہیں اور میری موجودگی میں آپ کو یہ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ آپ کون ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ جب حارث کو یہ معلوم ہو گا کہ سلطان کا ایک دوست جسے انھوں نے اپنے اصطبل کا بہترین گھوڑا بطور تحفہ دیا تھا، آدھی رات کے قریب یہاں ٹھہرنے کی بجائے مصعب کے ہاں چلا گیا تھا تو انھیں بہت افسوس ہو گا اور میرے ساتھی جو مجھے آپ کے ساتھ دیکھ چکے ہیں، وہ بھی مجھے ملامت کریں گے۔"

ابوالحسن کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے کہا "حارث سے میرا ذکر کرنا ضروری نہیں، اور اپنے ساتھیوں سے تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میں نے تمھارے اصرار کے باوجود یہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا۔ خدا حافظ!" ————— اور اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

○

فجر کی نماز پڑھ کر سعاد نیم خوابی کی حالت میں اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ سعیدہ، اس کی خالہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"بیٹی سعاد!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "میں تمھارے لیے ایک تحفہ لائی ہوں۔"

"کیا تحفہ خالہ جان؟" سعاد نے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔

سعیدہ نے جواب دینے کی بجائے پیار سے سعاد کا خوبصورت ہاتھ پکڑ کر انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔

"خالہ جان! آپ کو معلوم ہے کہ مجھے زیورات کا شوق نہیں۔" سعاد نے اٹھ کر انگوٹھی اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹی! یہ سلطان ابو عبداللہ کی ملکہ کا تحفہ ہے اور تمھیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔"

سعاد حیرت کے عالم میں کبھی چمکتے ہوئے نگینے اور کبھی اپنی خالہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور اس نے شکایت کے لہجے میں کہا "آپ کو ان سے کوئی چیز نہیں لینی چاہیے تھی۔ آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ وہ اس قدر قیمتی انگوٹھی آپ کے پاس چھوڑ گئی ہیں؟"

"بیٹی!" سعیدہ نے کہا "یہ انگوٹھی مجھے ابھی ملی ہے، اور اسے واپس کرنا ممکن نہیں۔ اب شاید ان کے جہاز سمندر عبور کر چکے ہوں گے۔"

"کون لایا ہے؟"

خالہ نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بیٹی! ملکہ کا ایلچی میرے کمرے میں بیٹھا ہوا ہے اور میں اس سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ سعاد ان سے کوئی تحفہ لینا پسند نہیں کرتی۔ تم خود اس سے بات کر سکتی ہو۔"

"ملکہ کا ایلچی! آپ کے کمرے میں؟ خالہ جان! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

خالہ نے آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھرتے ہوئے جواب دیا:

"میں یہ کہہ رہی ہوں کہ ابو الحسن واپس آ گیا ہے۔ سلطان اور ملکہ نے جہاز

پر سوار ہونے سے قبل اچانک محسوس کیا تھا کہ وہ تمھیں اس ویرانے میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ وہ آدھی رات کے بعد یہاں پہنچا تھا۔"

سعاد کچھ دیر سکتے کے عالم میں اپنی خالہ کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اچانک اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور وہ اس کی گود میں سر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔

سعیدہ نے کہا "مجھے یقین تھا کہ وہ تمھیں چھوڑ کر واپس نہیں جائے گا اور میں نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر تمھارے خالو سے کہوں گی کہ میں اپنی معصوم بچی کا مستقبل اس بہادر اور شریف نوجوان کو سونپتی ہوں ـــــ تمھیں میرا فیصلہ منظور ہے نا سعاد؟"

سعاد نے جواب دینے کی بجائے خالہ کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

ایک خادمہ نے دروازے سے اندر جھانکتے ہوئے کہا "آقا تشریف لے آئے ہیں اور مہمان سے باتیں کر رہے ہیں۔"

مصعب کی بیوی جلدی سے اُٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی اور تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے میں مصعب اور ابوالحسن کی باتیں سُن رہی تھی۔ ابوالحسن الفجارہ سے لے کر سمندر کے ساحل تک سلطان کے سفر اور جہاز پر سوار ہونے کے واقعات سُنا رہا تھا۔

جب اس نے بات ختم کی تو مصعب کی بیوی نے اپنے شوہر سے مخاطب ہو کر کہا "اللہ کا شکر ہے کہ ابوالحسن واپس آگیا ہے اور ملکہ کا بھی شکر گزار ہونا چاہیے۔ انھوں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔"

مصعب نے کچھ سوچ کر ابوالحسن سے پوچھا "تم نے سلطان سے واپس

آنے کی اجازت لی تھی ؟"

مصعب کی بیوی نے مضطرب ہو کر پوچھا "ابوالحسن نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ جب اس نے واپس آنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو ملکہ نے سعاد کے لیے اپنی انگوٹھی اُتار کر پیش کر دی تھی ـــــ ؟" پھر وہ کچھ سوچ کر ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوئی "بیٹا! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تمھیں سعاد کی بے بسی پر رحم آ گیا تھا۔ میرا شوہر اتنا نادان نہیں کہ ایسی باتیں نہ سمجھ سکے۔"

ابوالحسن نے حیا سے سر جھکا لیا۔

مصعب نے کہا "بیٹا! مجھے معلوم نہیں کہ اب تک میری بیوی تم سے کیا کیا باتیں کر چکی ہے تاہم تمھیں میری طرف سے کسی اطمینان کی ضرورت ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ سعاد اور اس کی خالہ کی کوئی خواہش رد نہیں کی جائے گی۔"

سعیدہ بولی "اگر مجھے اس بات کا احساس نہ ہوتا کہ لوگ ہمیں ابوالقاسم کی موت کے متعلق بے حسی کا طعنہ دیں گے تو میں آپ سے یہ التجا کرتی کہ ہمیں بلاتاخیر سعاد کا مستقبل ابوالحسن کو سونپ دینا چاہیے۔"

"سعیدہ!" مصعب نے تلخ ہو کر کہا "مجھے بات تو کرنے دو! تم نے یہ کیسے فرض کر لیا ہے کہ سعاد کے مستقبل کے متعلق تم مجھ سے زیادہ سوچتی ہو ـــــ ابوالحسن! میں تمھیں مبارکباد دیتا ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ ہم ایک ہفتہ کے اندر اندر اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں۔"

"لیکن اتنی جلدی؟" سعیدہ حیران ہو کر اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔

مصعب نے کہا "مجھے اپنے مستقبل کے متعلق کوئی اطمینان نہیں اور ابوالحسن کو بھی ہر وقت یہاں سے نکلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ رہی سعاد تو اسے صرف رفیقۂ حیات کی حیثیت سے ہی اس کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا جا سکتا

ہے ۔"

تھوڑی دیر وہ رُکا اور پھر بولا :

" ہم صرف اُس وقت تک محفوظ ہوں گے، جب تک ابوالقاسم کے غائب ہو جانے کی خبر مشہور نہیں ہو جاتی اور حکومت کے جاسوسوں کو یہ شک نہیں ہو جاتا کہ ہم ان کے قاتلوں کو جانتے ہیں ۔ میں سلطان کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے ابوالقاسم کے متعلق خاموش رہنے کی ہدایت کی تھی، ورنہ میں یقیناً کوئی حماقت کر بیٹھتا اور آج ہمارے دروازے پر دشمن کے جاسوسوں کا پہرا ہوتا۔ اب تم میرے اضطراب کی وجہ سمجھ سکتی ہو۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے بالآخر ابوالحسن نے کہا :

"کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ بھی ہمارے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں ؟"

"نہیں ! اگر تم سعیدہ کو رضامند کر سکو تو میں تمہارا شکر گزار ہوں گا، لیکن میرے لیے اپنے ماضی سے دامن چھڑا کر بھاگنا بہت مشکل ہے۔ جب حالات مجھے مجبور کر دیں گے تو میں اندلس کو الوداع کہنے کے لیے آخری قافلے کا انتظام کروں گا۔"

سعیدہ نے آبدیدہ ہو کر کہا :

" لیکن آپ یہ کیسے سوچ سکتے ہیں کہ میں موت سے پہلے آپ کا ساتھ چھوڑ دوں گی ۔"

مصعب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا

"اس وقت ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے ، مگر جب سعاد کے متعلق ہمارے خدشات دُور ہو جائیں گے تو ہم اپنے مستقبل کے متعلق زیادہ اطمینان سے سوچ سکیں گے۔"

Dated. 16-4-1985

مسرّتیں اور آنسو

چھٹے روز مصعب نے وادی کے ساٹھ معمر کسانوں کو کھانے کی دعوت دی اور طلوعِ آفتاب سے کچھ دیر لبعد وہ قلعے کے صحن میں شامیانے کے نیچے جمع ہو رہے تھے۔

گزشتہ تین برس میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس طبقے کے لوگوں کو مہمانوں کی حیثیت سے خوشنما قالینوں پر بٹھایا جا رہا تھا، ابوالحسن نیا لباس پہنے اُن کے سامنے علاقے کے قاضی اور مصعب کے درمیان سر جھکائے بیٹھا تھا —— حاضرینِ مجلس کی نگاہیں اسی کے خوبصورت چہرے پر مرکوز تھیں۔

مصعب کچھ دیر قاضی سے باتیں کرتا رہا اور پھر اس نے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "برادران! میں نے آپ کو اپنی بھانجی سعاد کی شادی میں شرکت کے لیے یہاں تشریف لانے کی تکلیف دی ہے۔"

محفل پر ایک سناٹا چھا گیا —— ان کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ دولھا کون ہے۔ اگر ابوالحسن انتہائی سادہ لباس میں ملبوس ہوتا تو بھی وہ یہی خیال کرتے کہ اس مجلس میں ابوالقاسم کے خاندان کی لڑکی کا رفیقِ حیات بننے والا اس خوش وضع نوجوان کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا، لیکن یہ اعلان جس

قدر اچانک تھا، اسی قدر غیر متوقع بھی تھا۔ انھیں اس بات پر حیرت تھی کہ الفجارہ کا کوئی معزز سردار وہاں موجود نہ تھا اور ابوالقاسم بھی جسے ہر حالت میں اس موقع پر موجود ہونا چاہیے تھا، غیر حاضر تھا۔

"برادران!" مصعب نے ابوالحسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ نوجوان جسے ہم نے اپنی بچی کی دائمی رفاقت کے لیے منتخب کیا ہے، ابوالحسن ہے! آپ اس بات سے حیران ہوں گے کہ اس شادی پر کوئی ایسا اہتمام نہیں کیا گیا جسے ہمارے خاندان کے شایانِ شان سمجھا جاتا، لیکن بعض فرائض ایسے ہوتے ہیں جو انتہائی ناخوشگوار حالات میں بھی سرانجام دینے پڑتے ہیں

سلطان کی ہجرت ایک بہت بڑا سانحہ تھا اور میں جانتا تھا کہ لوگوں کے آنسو ابھی تک خشک نہیں ہوئے۔ اس لیے میں اپنے چند پڑوسیوں کے سوا باہر کے کسی رئیس یا سردار کو یہ پیغام بھیجنے کی جرأت نہ کر سکا کہ ہمارے گھر میں شادی ہو رہی ہے۔ مجھے آپ حضرات کو بھی شادی کا دعوت نامہ بھیجتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی تھی۔ اگر میں ایسا کرتا تو آپ شاید یہی سمجھتے کہ میرے دل پر موجودہ حالات کا کوئی اثر نہیں۔ اب میں آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے اچانک یہ فیصلہ کیوں کرنا پڑا

ابوالحسن غرناطہ کے ایک انتہائی معزز خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے والد غرناطہ کے ایک نامور اور بہادر سپاہی تھے۔ یہ نوجوان اپنے والدین کی وفات اور خاندان کے باقی افراد کی ہجرت کے بعد سلطان کے پاس آ گیا تھا ابوالقاسم جب پچھلی مرتبہ یہاں آئے تھے تو انھوں نے مجھے اختیار دیا تھا کہ میں کوئی موزوں رشتہ تلاش کر کے سعاد کی شادی کر دوں۔۔۔

میں سلطان سے ابُوالحسن کے متعلق بات کرنے کی سوچ رہا تھا لیکن
جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ ہجرت کرنے والے ہیں اور ابوالحسن بھی اُن کے ساتھ
جارہا ہے تو میں نے ارادہ بدل دیا

سعاد کی خالہ کو بھی یہ نوجوان بہت پسند تھا اور انھیں اس بات کا
افسوس تھا کہ وہ جارہا ہے، لیکن قدرت کو یہی منظور تھا۔ ملکہ کو میری بھانجی بہت
عزیز تھی۔ سلطان ابوالحسن کے قدردان تھے اور وہ ان کے درمیان ایک
وسیلہ بن گئے۔ انھوں نے ساحل سے ابوالحسن کو واپس کر دیا اور مجھے یہ پیغام
بھیجا کہ اگر میں سعاد کو اس کے عقد میں دے دوں تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔
انھوں نے یہ تاکید بھی کی ہے کہ انھیں شادی کے بعد جلد از جلد مراکش بھیج
دیا جائے

اگر ابوالقاسم یہاں ہوتے تو ہم سلطان کے آخری حکم کی تعمیل میں
ایک دن بھی تاخیر سے کام نہ لیتے۔ وہ مجھ سے یہ کہہ گئے تھے کہ اگر سعاد کے
لیے کوئی موزوں رشتہ مل جائے تو کسی تاخیر کے بغیر اس کا نکاح کر دیا جائے
اگر مجھے صرف دو دن قبل اطلاع مل جائے گی تو بھی میں پہنچ جاؤں گا

میں نے ابوالحسن کی آمد سے تھوڑی دیر بعد انھیں شادی کی تاریخ
کی اطلاع بھیجی تھی اور میرا خیال تھا کہ وہ دو تین دن قبل یہاں پہنچ جائیں
گے اور پھر اگر اُنھوں نے مشورہ دیا تو شاید یہاں کسی بڑی دعوت کا انتظام
کیا جاتا، لیکن بدقسمتی سے وہ غرناطہ میں نہیں ہیں اور اُن کے گھر میں بھی کسی کو
یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ وہ طلیطلہ چلے گئے ہوں
بہرحال آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے حالات میں مَیں اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔
مجھے افسوس ہے کہ میں اس علاقے کے ہر آدمی کو دعوت نہیں دے

سکا، لیکن کسی کو یہ شکایت نہیں ہونی چاہیے کہ میں نے اسے نظر انداز کیا ہے۔
اس لیے میں ابوالقاسم کی طرف سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ اُن کی جاگیر کے تمام
کسانوں کو اگلی فصل کا پورا لگان معاف کر دیا گیا ہے۔"

تقریر ختم کرنے کے بعد مصعب نے ابوالحسن کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور
قاضی کے علاوہ دو معمر آدمیوں کو ساتھ لے کر اندر چلا گیا۔

اور تھوڑی دیر بعد ابوالحسن اور سعاد قاضی اور گواہوں کے سامنے
باری باری ایک مقدس رسم کے آخری الفاظ دہرا رہے تھے :

"مجھے منظور ہے۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"مجھے منظور ہے۔"

کائنات کی وسعتیں سمٹ رہی تھیں اور انھیں ایک چھوٹے سے
دائرے میں ایک دوسرے کے سوا کسی اور کی موجودگی کا احساس نہ تھا۔

○

مہمان کھانا کھانے کے بعد رخصت ہو چکے تھے۔ دُلہن کے کمرے میں
چند عورتیں جمع تھیں اور دوسرے کمرے میں ابوالحسن مصعب اور اس کی بیوی
کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

مصعب نے سعیدہ سے مخاطب ہو کر کہا "تم اس بات سے پریشان
تھیں کہ جب میں لوگوں کو گھر بلا کر اچانک شادی کا اعلان کروں گا تو وہ کیا خیال
کریں گے' لیکن اب تم ابوالحسن سے پوچھ سکتی ہو کہ ان کے ساتھ میری گفتگو
کتنی مؤثر تھی۔ قاضی بہت ہوشیار آدمی ہے' لیکن میں نے اُسے بھی یہ احساس

نہیں ہونے دیا کہ میں ایک فرضی داستان سُنا رہا ہوں۔ وہ کہتا تھا کہ موجودہ حالات میں ہمیں یہی کرنا چاہیے تھا

اب میرے ذہن میں حارث کے متعلق تھوڑی سی اُلجھن باقی ہے۔ وہ یقیناً یہ شکایت کرے گا کہ میں نے اسے کیوں دعوت نہیں دی اور آپ جانتی ہیں کہ میں ایک ایسے پڑوسی کو ناراض بھی نہیں کر سکتا جو حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ آج شام یا کل صبح اس سے مِل کر یہ کہوں کہ ابوالقاسم کی غیر حاضری کے باعث ہم کسی معزز آدمی کو دعوت نہیں دے سکے۔ جب وہ آئیں گے تو ہم آپ جیسے لوگوں کے لیے ایک علیحدہ دعوت کا اہتمام کریں گے

اور ہاں سعیدہ! اس نے ذرا سوچتے ہوئے کہا ـــــ اُبوالحسن اور سعاد کو ہر وقت سفر کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ صُبح صُبح مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ طلوعِ آفتاب سے قبل پڑوس کی ایک بستی کے کسانوں نے چند سواروں کو دوسری وادی کا رُخ کرتے دیکھا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ قلعے کی طرف گئے تھے یا آگے نِکل گئے ہیں۔

سعیدہ نے کہا " وہ غرناطہ کے مہاجر ہوں گے ۔"

مصعب بولا " مہاجرین کا قافلہ صرف چند سواروں پر مشتمل نہیں ہوتا اور وہ رات کے وقت سفر بھی نہیں کرتے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ غرناطہ سے کوئی قافلہ اس طرف آئے اور ہمیں اطلاع نہ ملے۔ پچھلے پہر سفر کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ سوار کسی مہم پر جا رہے تھے اور انھوں نے رات کے وقت راستے میں قیام نہیں کیا۔"

سعیدہ نے کہا " آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا

کہ سوار غرناطہ کی بجائے راستے کی کسی وادی سے آئے ہوں۔"

مصعب چند ثانیے سر جھکا کر کچھ سوچتا رہا۔ پھر اُس نے کہا "سعیدہ! میں کچھ وہمی سا ہو گیا ہوں۔ دراصل مجھے ہر وقت یہ پریشانی رہتی ہے کہ سعاد اور ابوالحسن اس جگہ محفوظ نہیں۔"

سعیدہ نے مضطرب ہو کر کہا "کیا آپ کوئی اچھی بات نہیں سوچ سکتے؟"

ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا "جناب! ایک معزز آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا نام حارث ہے اور میں آپ کو مبارکباد دینے آیا ہوں۔ ہم نے اسے ملاقات کے کمرے میں بٹھا دیا ہے۔"

چند لمحے وہ دونوں اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر مصعب نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا "وہ اکیلا آیا ہے؟"

"نہیں جناب!" نوکر نے جواب دیا "اس کے ساتھ آٹھ دس مسلح سوار بھی آئے ہیں اور وہ قلعے کے دروازے سے باہر کھڑے ہیں۔"

مصعب نے اُٹھ کر کہا: "سعیدہ! میں نیچے جاتا ہوں۔ ممکن ہے کہ ہمیں فوراً کوئی فیصلہ کرنا پڑے اس لیے تم عورتوں کو رخصت کر دو اور سعاد کو یہاں لے آؤ اور بیٹا ابوالحسن! تم سفر کے لیے تیار ہو جاؤ!"

ابوالحسن نے اُٹھ کر جواب دیا "میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ ہمیں یہ تاثر نہیں دینا چاہیے کہ میں اس کی نگاہوں سے چھپنا چاہتا ہوں۔ میں اس وقت بھاگنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ میرے ہی لیے آئے ہیں تو اب تک فرار کے تمام راستے بند کر چکے ہوں گے۔ ہمارے لیے کسی خطرے سے بچنے کی یہی ایک صورت ہے کہ ہم اپنے حواس قائم رکھیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ اسے اس سے زیادہ کچھ نہ بتائیں کہ میں

چند ہفتے قبل آپ کے لیے ایک اجنبی تھا۔ غرناطہ سے سلطان کے پاس آیا تھا اور ان کی قیام گاہ پر ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی ـــــــ آپ کو یہ معلوم نہیں کہ ابوالقاسم کہاں ہے اور اس بارے میں میں نے آپ کو کوئی اطلاع بھی نہیں دی! میری طرف داری سے آپ پر مصیبت تو آ سکتی ہے، مجھے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ـــــــ آئیے!" ابوالحسن نے مصعب کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ بادلِ نخواستہ اس کے ساتھ چل دیا۔

چند منٹ بعد وہ ملاقات کے کمرے میں حارث سے مصافحہ کر رہے تھے۔ بھاری جسم اور درمیانے قد کا یہ آدمی اُن لوگوں میں سے تھا جو نصف صدی کی بہاریں دیکھنے کے بعد بھی چالیس سال کے نظر آتے ہیں اور جن کے چہرے پر گوشت کی بھاری تہہ ایک نقاب کا کام دیتی ہے۔

"تشریف رکھیے!" مصعب نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو دعوت نہ دے سکا۔ حالات ایسے تھے کہ میں علاقے کے کسی سر کردہ آدمی کو نہیں بلا سکا اور میں نے صرف ایک رسم پوری کرنے کے لیے اپنے چند کسانوں کو بلایا تھا۔ اگر ہم سلطان کی ہجرت کے فوراً بعد کسی خوشی کا مظاہرہ کرتے تو لوگ ہمیں بے حسی کا طعنہ دیتے، تاہم اگر ابوالقاسم تشریف لے آتے تو آپ کے علاوہ دو چار اور معزز لوگوں کو دعوت ضرور دی جاتی ـــــــ یہ ابوالحسن ہیں اور میری بھانجی جس کے ساتھ ان کا نکاح ہوا ہے، ایک یتیم لڑکی ہے۔"

حارث نے ابوالحسن سے دوبارہ مصافحہ کرنے کے بعد اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا "نوجوان! میں تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں!" وہ چند ثانیے غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر مصعب سے مخاطب ہو کر بولا:

"ان حالات میں آپ کو یہی کرنا چاہیے تھا لیکن اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آج آپ کے خاندان کی ایک یتیم لڑکی کی شادی ہو رہی ہے تو میں شاید دعوت کے بغیر بھی حاضر ہو جاتا۔ مجھے ایک نوکر نے اطلاع دی تھی اور اس کو غالباً آپ کے کسی کسان سے یہ معلوم ہوا تھا کہ آپ نے اس شادی کی خوشی میں ایک فصل کی تمام لگان معاف کر دی ہے ——— میں آپ کو اس بات پر بھی مبارکباد دینا چاہتا تھا کہ آپ نے ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔"

مصعب کی پریشانی کسی حد تک دُور ہو چکی تھی تاہم اس نے مزید صفائی پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ایک بار پھر ذرا اختصار کے ساتھ اپنی داستان سُنا دی اور اختتام پر کہا "مجھے امید ہے کہ ابوالقاسم بہت جلد آجائیں گے اور ہم انشاء اللہ ایک بڑی دعوت کا انتظام کریں گے۔"

حارث نے کچھ سوچ کر کہا "قلعے کے نوکروں نے مجھے بتایا تھا کہ ابوالحسن وزیر ابوالقاسم کی روانگی سے اگلے روز وہاں پہنچا تھا۔"

"ہاں!" مصعب نے ابوالحسن کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ غرناطہ کے راستے میں ابوالقاسم سے اس کی ملاقات ضرور ہوئی ہوگی؟" حارث کی نگاہیں ابوالحسن کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

اُس نے جواب دیا "میں نے راستے میں کئی لوگ دیکھے تھے لیکن ابوالقاسم سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔ پھر میں نے انھیں غرناطہ میں بھی اتنا قریب سے نہیں دیکھا تھا کہ اگر وہ راستے میں نظر آتے تو انھیں پہچان لیتا۔"

حارث نے سوال کیا "تم نے کسی جگہ چند مسلمان اور چند نصرانی سوار دیکھے تھے؟"

"نہیں!" ابوالحسن نے جواب دیا "میں راستے میں گھوڑے سے گر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد جب مجھے ہوش آیا تو میرا گھوڑا وہاں موجود نہ تھا۔ پھر مجھے پیاس محسوس ہوئی تو میں پانی کی تلاش میں وادی کی ایک بستی کی طرف چلا گیا تھا، اس لیے میں ان سواروں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

حارث نے مصعب سے مخاطب ہو کر کہا "آپ ابوالحسن کو تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس بھیج سکتے ہیں؟ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ غرناطہ سے ایک افسر میرے پاس آیا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ چند سپاہی غرناطہ کے راستے میں لاپتہ ہو گئے ہیں۔ یہ واقعہ غالباً ابوالقاسم کی روانگی سے اگلے روز پیش آیا تھا، اس لیے یہ افسر جسے تحقیقات کے لیے بھیجا گیا ہے، ہر اُس آدمی سے پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہے جس نے اس روز غرناطہ کے راستے پر سفر کیا تھا۔ میں ابوالحسن کو تکلیف دینا انتہائی نامناسب سمجھتا ہوں لیکن مجھے غرناطہ کے گورنر کی طرف سے یہ حکم موصول ہوا ہے کہ میں اس معاملے میں پورا پورا تعاون کروں اور آپ سے بھی میں تعاون کی توقع رکھتا ہوں۔"

مصعب بے چارگی اور بے بسی کی حالت میں حارث کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن ابوالحسن نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ اگر میں غرناطہ کے راستے میں نصرانی سپاہیوں کو نہیں دیکھ سکا تو یہ کوئی جرم نہیں۔ آپ نوکر کو میرا گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیں اور مجھے تیاری کے لیے صرف چند منٹ کی ضرورت ہے۔"

حارث نے کہا "گھوڑا تیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی قلعے سے باہر کھڑے ہیں اور ایک سوار ابوالحسن کو اپنا گھوڑا دے سکتا ہے۔ اگر یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں سے نکلا تو گھر کے لوگ پریشان ہوں گے،

انشاء اللہ یہ تھوڑی دیر تک واپس آ جائے گا اور آپ کو یہ پریشانی نہیں ہونی چاہیے کہ ہم اسے پیدل بھیج دیں گے۔"

مصعب بولا "لیکن میں اس کے ساتھ چلوں گا۔"

ابوالحسن نے کہا "نہیں! آپ یہیں رہیں۔ ہم دونوں کی غیر حاضری بہت زیادہ محسوس کی جائے گی۔ میرے متعلق آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے غرناطہ سے کسی دوست کی آمد کی اطلاع ملی تھی اور میں نے اچانک ان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا ہے"۔۔۔۔۔ پھر وہ حارث سے مخاطب ہوا "میں صرف چند منٹ کے لیے اجازت چاہتا ہوں۔"

"بہت اچھا! میں آپ کا انتظار کرتا ہوں لیکن یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو وہاں سے جانا میری ذمہ داری ہے اور میں ایک محتاط آدمی ہوں۔"

"آپ کا خیال ہے کہ میں ایک نصرانی افسر سے خوف زدہ ہو کر بھاگ جاؤں گا؟"

حارث مسکرایا "نہیں! نہیں!! میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم بلا وجہ ایسی حرکت کر سکتے ہو۔"

ابوالحسن کمرے سے باہر نکل گیا۔

○

ابوالحسن بھاگتا ہوا بالائی منزل کے کمرے میں داخل ہوا۔ سعاد اور اس کی خالہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ اس نے کہا "سعاد! میرے پاس بہت تھوڑا وقت ہے۔ اس لیے میری باتیں غور سے سُنو! میں نے تمھیں سلطان کے ایک نوکر ابو عامر کے متعلق بتایا تھا جو ساحل سے میرے ساتھ واپس آ

آگیا تھا، اب میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ابو عامر ہی ابوالقاسم کے قاتلوں کا جاسوس ہے اور نصرانی اس کی اطلاع پر یہاں آئے ہیں۔ وہ قلعے کی بجائے پاس ہی ایک بستی میں رہتا ہے اور تمھیں اس سے بہت محتاط رہنا چاہیے! اب حارث مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے اور تمھارے خالو تمھیں یہ سمجھا سکیں گے کہ موجودہ حالات میں میں انکار نہیں کر سکتا ـــــ ممکن ہے کہ نصرانیوں کو اس بات کا یقین ہو چکا ہو کہ میں اُن کے جرم کا چشم دید گواہ ہوں، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صرف اپنے شکوک رفع کرنا چاہتے ہوں اور میں انھیں مطمئن کرنے کے بعد واپس آجاؤں ـــــ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو یا میں جلدی واپس نہ آسکوں۔"

"نہیں! نہیں!!" سعاد آگے بڑھ کر بے اختیار اپنے شوہر سے لپٹ گئی "الفجارہ میں ابوالقاسم کے قاتل تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ لوگ ان کی بوٹیاں نوچ لیں گے" وہ سسکیاں لے رہی تھی۔

ابوالحسن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "سعاد! خدا کے لیے ہمت سے کام لو اور میری باتیں غور سے سنو! وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ میں ابوالقاسم کے بارے میں کیا جانتا ہوں اور میں نے تمھیں کیا بتایا ہے۔ میں انھیں مطمئن نہ کر سکا تو وہ دوبارہ یہاں آئیں گے اور پھر تمھارے نوکر بھی محفوظ نہیں ہوں گے۔ اگر تم اس گھر کو تباہی سے بچانا چاہتی ہو تو تمھیں اس کے سوا کچھ نہیں بتانا چاہیے کہ میں زخمی تھا ـــــ میری ہمت جواب دے چکی تھی۔ اتفاق سے تم اُدھر آگئی تھیں۔ میں سلطان کے پاس جانا چاہتا تھا اور تم نے میرے لیے ایک گھوڑے کا انتظام کر کے وہاں پہنچا دیا تھا ـــــ لیکن میں نے تمھیں یہ نہیں بتایا تھا کہ میں نے راستے میں کسی کو قتل ہوتے دیکھا تھا ـــــ سعاد! میری دو

سے اس گھر پر مصیبت نہیں آنی چاہیے۔ تمھارے خالو کو یہ ہرگز تسلیم نہیں کرنا چاہیے کہ میں نے انھیں ابوالقاسم کے قتل کے متعلق کوئی اطلاع دی ہے۔ اگر انھوں نے ذرا سی بھی غلطی کی تو حکومت کی نظر میں اُن کی وفاداری مشکوک ہو جائے گی اور پھر انھیں ایک دن کے لیے بھی یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ انھیں زبان کھولنے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہیے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ موجودہ حالات میں الفجارہ کے لوگوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ابوالقاسم کے قتل پر مشتعل ہو جائیں گے یا مجھ جیسے گمنام آدمی کے قتل کو کوئی اہمیت دی جائے گی لیکن مجھے یقین ہے کہ کسی دن وہ اپنی بقا کے لیے تلواریں نکالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ بیکسوں کے ہاتھ صرف دُعا کے لیے اُٹھ سکتے ہیں اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ جزا اور سزا کے مالک کی بارگاہ میں تمھاری دُعائیں رائگاں نہیں جائیں گی۔

سعاد! ہمت سے کام لو۔ مجھے یقین ہے کہ میں واپس آؤں گا۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہوا کہ تم ان درندوں سے محفوظ ہو تو میں بڑی سے بڑی مصیبت کا سامنا کر سکوں گا ــــــ سعاد! خدا حافظ!! خالہ جان! خدا حافظ!!"

ابوالحسن اپنی بیوی کی گرفت سے آزاد ہو کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"خدا حافظ!" سعاد نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ ابوالحسن اچانک رُک گیا، لیکن اسے مُڑ کر دیکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

سعاد کی خالہ کی قوت گویائی سلب ہو چکی تھی اُس نے لڑکھڑاتے ہوئے دروازے کی طرف چند قدم اُٹھائے، لیکن ابوالحسن جا چکا تھا۔

○

ابوالحسن قلعے کے اسی کمرے میں کھڑا تھا جہاں سلطان ابوعبداللہ اور اُس کی ملکہ کے ساتھ اس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے سامنے حارث اور فرڈی نینڈ کی فوج کا افسر، جس کا نام ڈان لوئی تھا، کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور اس کے دائیں بائیں ابوعامر اور قلعے کے چار اور نوکروں کے علاوہ آٹھ مسلح نصرانی کھڑے تھے۔

ڈان لوئی ایک قوی ہیکل چالیس سالہ آدمی تھا۔ وہ کچھ دیر دبی زبان میں حارث سے باتیں کرتا رہا، پھر وہ ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوا:

"تمھارا نام ابوالحسن ہے؟" وہ اپنی زبان کی بجائے عربی بول رہا تھا۔

"ہاں!" ابوالحسن نے جواب دیا۔

"تمھیں معلوم ہے کہ تمھیں یہاں کس لیے بلایا گیا ہے؟"

"حارث نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کے چند آدمی لاپتہ ہو چکے ہیں اور آپ مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ میں ان کے متعلق کیا جانتا ہوں۔"

ڈان لوئی نے کچھ سوچ کر کہا "مجھے حارث نے بتایا ہے کہ آج تمھاری شادی ہوئی ہے اور میں کوئی سوال کرنے سے پہلے تمھیں خبردار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے سامنے غلط بیانی تمھارے لیے بہت نقصان دہ ہوگی۔ تم ایک نازک آدمی معلوم ہوتے ہو اور ہم انتہائی سخت جان لوگوں کو بھی سچ بولنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔"

"آپ کو مجبور کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"بہت اچھا! تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم ہمارے آدمیوں کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

ابوالحسن نے جواب دیا "میں نے راستے میں چند قاتلوں کو قسطلہ کے سپاہیوں کے بھیس میں دیکھا تھا لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ سے

ان کا کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔"

"قاتلوں سے ؟"

"ہاں! جب میں نے انھیں دیکھا تھا تو وہ اپنے ساتھی کو زبردستی پکڑ کر گھوڑے سے اتار رہے تھے۔ گھوڑے سے گرنے کے بعد میں اُسے قتل ہوتے نہیں دیکھ سکا، لیکن مجھے یقین ہے کہ میں نے قاتلوں کو تلواریں بُلند کرتے دیکھا تھا اور مقتول کی چیخیں بھی سُنی تھیں۔"

ڈان لوئی پریشان ہو کر حارث کی طرف دیکھنے لگا تو وہ غصے کی حالت میں ابوالحسن سے مخاطب ہوا :

"لیکن تم نے میرے سامنے جو داستان بیان کی تھی وہ سراسر اس کے برعکس تھی۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "میں جو باتیں یہاں کہہ سکتا ہوں وہ مصعب کے سامنے نہیں کہہ سکتا تھا۔"

"اس کی وجہ ؟" ڈان لوئی نے ابوالحسن کے چہرے پر گہری نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ مصعب میری بیوی کا خالو ہے اور مجھے اس کے سامنے اپنی بزدلی کا اعتراف کرتے ہوئے ندامت محسوس ہوتی تھی ——— میں نے ایک آدمی کو اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے دیکھا تھا، اُس کی چیخیں سُنی تھیں، لیکن میں اس کی مدد کرنے کی بجائے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ آیا تھا۔ ممکن ہے میں ایک جھاڑی کی اوٹ میں بے حس و حرکت پڑا رہتا، لیکن وہ ایک بھاگتے ہوئے گھوڑے کو پکڑنے کے لیے سیدھے میری طرف آ رہے تھے اور مجھے پیدل چلنے کی بجائے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگنا زیادہ آسان

نظر آیا۔ انھوں نے اپنا جُرم چھپانے کے لیے مجھے بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور ساری رات میرا پیچھا کیا تھا، لیکن یہ ایک معجزہ تھا کہ میں اُن کے ہاتھ نہ آسکا۔"

ڈان لوئی نے سوال کیا "تمھیں معلوم ہے کہ مقتول کون تھا؟"

"نہیں، لیکن مجھے شبہ ہے کہ وہ ایک مسلمان کا لباس پہنے ہوئے تھا۔"

"تمھیں شبہ ہے؟"

"ہمارے درمیان کافی فاصلہ تھا اور میں بلندی سے اس کا چہرہ اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔"

"تم نے یہاں پہنچ کر کسی اور سے بھی اس واقعے کا ذکر نہیں کیا؟"

"یہاں پہنچ کر مجھے اپنی بزدلی کا ڈھنڈورا پیٹنے کی ضرورت نہ تھی۔"

حارث نے سوال کیا "تم مصعب کی بھانجی کے ساتھ یہاں آئے تھے؟"

"ہاں! میرا گھوڑا گر کر ہلاک ہو گیا تھا اور میں ایک خطرناک چٹان سے لڑھک کر زخمی ہو گیا تھا۔ میں بڑی مشکل سے چل رہا تھا۔ پھر راستے میں ایک رحمدل لڑکی کو میری حالت پر ترس آیا اور اس نے یہ سُن کر مجھے سلطان کے پاس پہنچا دیا کہ چند نامعلوم دشمن میرا پیچھا کر رہے ہیں، لیکن اُس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ رحم دل لڑکی مصعب اور وزیرِ اعظم ابوالقاسم کے گھرانے سے کوئی تعلق رکھتی ہے۔"

"تم نے اسے یہ بھی نہیں بتایا کہ تم نے راستے میں کسی کو قتل ہوتے دیکھا تھا؟"

"نہیں!"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں نے اس کی آنکھوں میں مروت دیکھی تھی۔ اُس نے محض یہ سُن کر مجھے اپنی اعانت کا مستحق سمجھا تھا کہ میں تنہا آٹھ دس آدمیوں کا مقابلہ کر چکا ہوں۔ اس لیے مجھے یہ اعتراف کرنا گوارہ نہ تھا کہ ایک انسان کو قتل ہوتا دیکھنے کے بعد مجھے صرف اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی آدمی ایک ایسی خاتون کی نگاہوں سے گرنا پسند نہیں کرتا جسے پہلی نظر دیکھتے ہی اُس نے یہ سمجھ لیا ہو کہ میں اس دنیا میں تنہا نہیں ہوں۔"

ڈان لوئی نے سوال کیا "تم نے ابوعبداللہ کے سامنے بھی یہ واقعات بیان نہیں کیے؟"

"نہیں! انھیں میں نے صرف یہ بتایا تھا کہ میں راستے میں گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گیا تھا ——— مجھے یہ خدشہ تھا کہ وہ فوج کے سپاہیوں کا مقابلہ کرنے والے کو اپنے پاس پناہ نہیں دیں گے۔"

ڈان لوئی نے کچھ سوچ کر سوال کیا "اب تمھیں معلوم ہے کہ جو شخص قتل کیا گیا تھا، وہ کون تھا؟"

ابوالحسن نے جواب دیا "یہاں پہنچ کر میری معلومات میں صرف اتنا اضافہ ہوا تھا کہ ابوالقاسم میری آمد سے ایک دن قبل غرناطہ روانہ ہوا تھا، اور ذاتی نوکروں کے علاوہ قسطلہ کے چند سپاہی بھی اُس کے ساتھ سفر کر رہے تھے اور شاید اُن کا راستہ بھی وہی تھا جس پر میں اس طرف آ رہا تھا۔ اگر وہ آدمی جسے میں نے قتل ہوتے دیکھا تھا، وزیر ابوالقاسم کے ساتھیوں میں سے کوئی تھا اور قاتل بھی اُس کے اپنے آدمی تھے تو آپ کو یہ معما حل کرنے کے لیے اُن کے پاس جانا چاہیے تھا۔"

ڈان لوئی اور اُس کے ساتھی کچھ دیر اسپینی زبان میں سرگوشیاں کرتے

رہے۔ بالآخر وہ ابوالحسن سے مخاطب ہوا "لیکن تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ جب قاتلوں نے تمہارا پیچھا کیا تو تمہارے دل میں یہ خیال ضرور آیا تھا کہ وہ تمہیں اپنے جرم کا چشم دید گواہ سمجھ کر قتل کرنا چاہتے ہیں؟"

ابوالحسن نے جواب دیا "جب وہ زندگی اور موت سے بے پرواہو کر انتہائی خطرناک راستے میں میرا پیچھا کر رہے تھے تو میں اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا تھا ——— میرا جرم اس کے سوا اور کیا تھا کہ میں نے ایک آدمی کو قتل ہوتے دیکھا تھا اور پھر اپنی جان کے خوف سے ایک گھوڑا پکڑ کر اس پر سوار ہو گیا تھا۔"

"اور اس کے بعد تم میں اچانک یہ جرأت پیدا ہو گئی تھی کہ تمہیں مسلح سپاہیوں پر حملہ کرتے ہوئے بھی کوئی خوف محسوس نہ ہوا؟"

"مجھے اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ وہ مجھے قتل کیے بغیر میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اگر آس پاس حکومت کی کوئی عدالت ہوتی تو میں وہاں پہنچ کر دہائی دیتا کہ یہ لوگ ایک بے گناہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہاں حالات ایسے تھے کہ میں اپنے ترکش کے تیروں اور چٹانوں پر بکھرے ہوئے پتھروں کے صحیح استعمال سے ہی اس بات کا عملی ثبوت دے سکتا تھا کہ میں زندہ رہنے کا حق رکھتا ہوں۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے تیروں اور پتھروں سے ہمارے تین سوار گھوڑوں سمیت ہلاک اور چار زخمی ہو چکے ہیں۔ ہم تمہیں اس جرم میں پھانسی دے سکتے ہیں کہ تم نے ہمارے سپاہیوں کا مقابلہ کیا ہے؟"

ابوالحسن نے جواب دیا "میرا قصور صرف یہ تھا کہ میں نے اپنی جان بچانے کی کوشش کی تھی اور آپ کے سپاہیوں کا جرم یہ تھا کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ معاہدے کے مطابق مسلمان آپ کی رعایا ہیں اور انسان کی جان و مال

اور عزت کی حفاظت آپ کا فرض ہے اب اگر آپ کو اس بات پر اعتراض ہے کہ میں تنہا ہونے کے باوجود بچ کر نکل آیا ہوں اور وہ زیادہ ہونے کے باوجود نقصان اُٹھا چکے ہیں، تو آپ کو صلح کے معاہدے میں ترمیم کرنی پڑے گی۔"

ڈان لوئی نے جھنجھلا کر کہا "اس کو لے جاؤ! اور کسی کوٹھڑی میں بند کر دو اور پہرے داروں سے کہہ دو کہ اگر یہ بھاگ گیا تو ان سب کے سر قلم کر دیے جائیں گے۔"

سپاہی ننگی تلواروں کے پہرے میں ابوالحسن کو لے کر چل دیے۔ دروازے کے قریب اس نے مُڑ کر حارث اور ابو عامر کی طرف دیکھا۔ حارث کا چہرہ کسی تاثر سے خالی تھا لیکن ابو عامر کا سر جُھکا ہُوا تھا۔

ڈان لوئی نے حارث اور اپنے دو ساتھیوں کے سوا جو اپنے لباس سے فوج کے عہدے دار معلوم ہوتے تھے، باقی سب کو کمرے سے نکال دیا اور پھر تھوڑی دیر سوچنے کے بعد حارث سے مخاطب ہوا "اس لڑکے کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر اسے کوئی سزا دی گئی تو البجارہ میں اس کا ردِ عمل کیا ہوگا؟"

حارث نے جواب دیا "جناب! البجارہ کے حالات ایسے نہیں کہ میں اسے کوئی سزا دینے کا مشورہ دے سکوں! مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے قیدی بنا کر یہاں رکھا گیا تو بھی میرے لیے اس قلعے کی حفاظت مشکل ہو جائے گی اور میں آپ کو یہ مشورہ بھی نہیں دے سکتا کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اگر آپ کے آدمی اسے یہاں پہنچنے سے پہلے گرفتار کر لیتے تو ان کے لیے یہ افواہ اُڑانا مشکل نہ تھا کہ ایک سر پھرے نوجوان نے راستے میں ابوالقاسم کو قتل کر دیا تھا۔ پھر اگر اسے قلعے کے دروازے کے سامنے پھانسی دی

جاتی، تو بھی اس کے حق میں کسی کی آواز بلند نہ ہوتی بلکہ الفجارہ کے عوام آپ کے شکر گزار ہوتے لیکن اب ہم یہ موقع کھو چکے ہیں اور اگر اس پر ابوالقاسم کے قتل کا الزام عاید کیا جائے تو گواہی دینے والوں کو اس سوال کا جواب بھی دینا پڑے گا کہ وہ اتنے دن کیوں خاموش رہے اور ایک لڑکا اتنے آزمودہ کار سپاہیوں کی موجودگی میں ابوالقاسم کو قتل کرنے کے بعد بچ کر کیسے نکل گیا۔ کم از کم مصعب کو تو ہماری کسی بات کا یقین نہیں آئے گا۔"

ڈان لوئی کے ایک ساتھی نے غصے سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا:

"اس وقت ہمارے سامنے یہ مسئلہ نہیں ہے کہ اسے ابوالقاسم کا قاتل ثابت کیا جائے بلکہ ہم اپنے تین بہترین سپاہیوں کے قاتل کو سزا دینا چاہتے ہیں اور وہ اپنا جرم تسلیم کر چکا ہے۔"

حارث نے جواب دیا "مجھے اُن تین سپاہیوں کے قتل ہو جانے کا آپ سے کم افسوس نہیں، لیکن ہم اس وقت غرناطہ میں نہیں، بلکہ الفجارہ میں ہیں اور الفجارہ کے لوگوں کو یہ سمجھانا بہت مشکل ہوگا کہ اپنی جان بچانے کے لیے عیسائی سپاہیوں کا مقابلہ کرنا جرم ہے۔ اسے مصعب کے گھر سے یہاں لانے کے لیے میں نے بہانہ کیا تھا کہ فوج کے چند آدمی لاپتہ ہو چکے ہیں جنھیں ڈان لوئی تلاش کر رہے ہیں اور اب اگر ہم اپنا یہ موقف تبدیل کریں تو مصعب کے دل میں کئی شکوک پیدا ہوں گے۔"

دوسرے افسر نے کہا "تمھارا خیال ہے کہ مصعب اس لڑکے کی جان بچانے کے لیے حکومت کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دے گا؟"

"نہیں! مصعب ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ اگر یہ مسئلہ صرف اس کی ذات تک محدود ہوتا تو میں پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا کہ الفجارہ میں

بہت کم آدمی ایسے ہوں گے جو اس کی آواز پر لبیک کہیں گے لیکن وہ لڑکی جس کے ساتھ اس کی شادی ہوئی ہے، مصعب اور ابوالقاسم کی رشتہ دار ہونے کے علاوہ ایک ایسے آدمی کی بیٹی ہے جسے البفجارہ کے قبائل غرناطہ کی جنگِ آزادی کے ایک اولوالعزم سپاہی کی حیثیت سے جانتے ہیں ——— عین شادی کے دن اس کی گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائے گی۔ اور پھر میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ ابوالحسن بھی غرناطہ کے ایک بااثر گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔"

ڈان لوئی نے کہا "تم درست کہتے ہو۔ موجودہ حالات میں ہم یہاں کسی بے چینی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، لیکن تمہارے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ ہم یہاں کسی کھُلی عدالت میں اس پر مقدمہ چلانے کے ارادے سے آئے ہیں، اور آج ہمارے سامنے اُس نے جو بیان دیا ہے، وہ اس کا پہلا اور آخری بیان نہیں تھا ——— ہم اُسے آزاد نہیں کر سکتے۔ اسے قتل بھی نہیں کر سکتے اور ہمارے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ اسے قلعے میں قیدی بنا کر رکھا جائے ——— اب ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ اسے کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے کہیں دُور پہنچا دیا جائے۔ اس لیے ہم رات کے وقت قیدی کے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے۔"

حارث نے بدحواس ہو کر کہا "لیکن میں مصعب کو کیا جواب دونگا؟"

ڈان لوئی بولا "مصعب کو ٹالنے کے لیے واقعی کسی معقول بہانے کی ضرورت ہے اور اس وقت میرا دماغ کام نہیں کرتا۔ اسے مطمئن کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

حارث نے جواب دیا "ہمارا مقصد مصعب کو مطمئن کرنا نہیں بلکہ

اس کی زبان بند رکھنا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو ہمیشہ کسی خطرے سے دُور رہنا پسند کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ابوالقاسم کو قتل ہوتے دیکھتا تو بھی اس کی جاگیر چھِن جانے کے خوف سے اپنی زبان بند رکھتا۔ کم از کم اس وقت تک اس کی طرف سے کوئی ردِ عمل ظاہر نہ ہوتا جب تک کہ اُسے اپنے مقاصد میں کامیابی کی پوری اُمید نہ ہو جاتی ۔"

"تمھارا خیال ہے کہ ابھی تک وہ ابوالقاسم کے انجام سے بے خبر ہے اور اس لڑکے نے اسے کچھ نہیں بتایا ہو گا؟"

"جناب! مجھے یقین ہے اور میرے یقین کی متعدّد وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ اس کے قتل کا واحد عینی شاہد یہ لڑکا ہے اور مجھے اس کی گفتگو سے یہ اطمینان ہو گیا ہے کہ ابھی تک اس نے یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کی۔ وہ اس اطمینان کے ساتھ بے دھڑک آپ کے سامنے پیش ہو گیا تھا کہ آپ کے سامنے سچ بولنے میں ہی اس کی بھلائی ہے۔ ورنہ اگر اس کے دل میں کوئی شک شبہ ہوتا یا اگر وہ یہ محسوس کرتا کہ آپ کی آمد براہِ راست ابوالقاسم کے قتل سے تعلق رکھتی ہے تو ہم اسے اتنی آسانی سے گرفتار نہ کر سکتے۔ پھر اگر مصعب یا اُن کے گھر کا کوئی اور فرد اس کا راز دار ہوتا تو وہ اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ کم از کم ابوالحسن کی بیوی یہ دُہائی ضرور دیتی کہ ابوالقاسم کے قاتل اب میرے شوہر کو پکڑ کر لے جا رہے ہیں

میرے اس یقین کی دوسری وجہ یہ ہے کہ کبھی بھی لوگ اپنے خاندان کے کسی سر کردہ آدمی کی موت کی اطلاع ملنے کے فوراً بعد گھروں میں شادیوں کا اہتمام نہیں کرتے ۔"

ڈان لوئی نے کہا "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ابوالحسن نے اسے یہ بتا دیا ہو کہ

ہمارے آدمی ابوالقاسم کے قتل پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے تلاش کر رہے ہیں اور اس شادی کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہم اس پر ہاتھ نہ ڈال سکیں۔"

"جناب! لوگ ایک اجنبی کی جان بچانے کے لیے اپنی بیٹی کا مستقبل خطرے میں نہیں ڈالتے۔ اگر مصعب کو اس بات کا علم ہوتا کہ ابوالحسن کو کوئی خطرہ ہے تو وہ اسے اپنے گھر کی چاردیواری کے قریب بھی نہ آنے دیتا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو ایک اجنبی کی مصیبت اپنے سر لے لیتے ہیں۔ آپ اطمینان سے قیدی کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ میں مصعب کو پُرامن رکھنے کی ذمہ داری لیتا ہوں ——— میں اسے سمجھا سکوں گا کہ حکومت کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دینے اور ابوالحسن کو چھڑانے کی واحد صورت یہ ہے کہ اسے کچھ عرصے کے لیے خاموش رہنا پڑے گا۔"

"لیکن تم کہتے ہو کہ ابُوالحسن کی بیوی تمہارے لیے خطرہ پیدا کر سکتی ہے؟"

"اگر اسے یہاں قید رکھا جاتا یا الفجارہ کے لوگوں کے سامنے کوئی سزا دی جاتی تو میرے لیے واقعی خطرہ پیدا ہو سکتا تھا لیکن جب وہ یہ سُنیں گے کہ ابوالحسن یہاں نہیں اور وہ پُرامن رہ کر ہی اسے آپ کے قبضے سے چھڑا سکتے ہیں تو وہ اُف تک نہیں کریں گے ——— لیکن یہ ضروری ہے کہ اگر واقعی مصعب اُس کی تلاش میں غرناطہ پہنچ جائے تو اسے آپ کی کسی بات سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ابوالحسن کا قصّہ ختم ہو چکا ہے۔"

ڈان لوئی نے جھنجھلا کر کہا "لیکن تمھیں یہ کیسے خیال آیا کہ میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں؟ یا میرا ذہن اس قدر ماؤف ہو چکا ہے کہ میں ایک کمزور آدمی کو مطمئن نہیں کر سکوں گا؟"

حارث نے مرعُوب ہو کر کہا "جناب! مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے قیدی

کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے۔ میرا یہی خیال تھا کہ آپ شاید ایک ہوشیار اور نڈر دشمن کا زندہ رہنا پسند نہ کریں۔"

"کیا ہم اسے زندہ رکھ کر کوئی مفید کام نہیں لے سکتے! اگر غرناطہ کا گورنر اُسے سزا دینے پر مُصر نہ ہوا تو میں اسے اپنی ذمہ داری پر بلنسیہ بھیج دوں گا۔ وہاں مجھے اپنی زمین آباد کرنے کے لیے تندرست غلاموں کی ضرورت ہے۔"

حارث کوئی سوال کرنا چاہتا تھا کہ ڈان لوئی بولا "تمھیں بہر حال پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ وہ یہاں کبھی واپس نہیں آئے گا اور اب رہا مصعب کا مسئلہ تو اُس کے متعلق بھی ہمیں کوئی تشویش نہیں۔ تمھارے جیسے ہوشیار آدمی کے لیے اسے چند مہینے ٹالنا مشکل نہیں ہوگا، اور میرا خیال ہے کہ تم اسے یہ بھی سمجھا سکو گے کہ اگر وہ ابوالحسن کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے حکومت کے ساتھ کامل وفاداری کا ثبوت دینا پڑے گا۔ جو لوگ اپنے مفاد پر قوم کی آزادی قربان کر سکتے ہیں، انھیں مرتے دم تک خود فریبی میں مبتلا رکھا جا سکتا ہے اور اب تمھیں رات کے وقت پہاڑی علاقے میں ہماری راہنمائی کے لیے فوری طور پر کسی ہوشیار آدمی کا انتظام بھی کرنا پڑے گا۔"

حارث نے جواب دیا "جناب! اس قلعے میں ابوعامر سے زیادہ قابلِ اعتماد کوئی نہیں۔ وہ سلطان ابوعبداللہ کا ملازم بھی تھا اور اُن کے خلاف جاسوسی بھی کرتا تھا۔ وہ ہر راستے سے واقف ہے لیکن مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ شاید مصعب شام تک اپنے گھر بیٹھ کر ابوالحسن کا انتظار کرنے کی بجائے یہاں پہنچ جائے! اس لیے اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے سفر کے انتظامات سے فارغ ہوتے ہی اُس کے پاس چلا جاؤں اور اسے کچھ دیر باتوں میں مصروف رکھوں۔"

ڈان لوئی نے جواب دیا "اگر تمھیں اس میں کوئی فائدہ نظر آتا ہے تو میں

اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہم غروبِ آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد روانہ ہو جائیں گے۔"

"جناب! اس میں یہ فائدہ ہو گا کہ آپ مصعب کے ساتھ ایک غیر ضروری ملاقات سے بچ جائیں گے اور اس کے علاوہ اسے مجھ پر یہ شک نہیں ہو گا کہ ابو الحسن کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آپ کے فیصلے میں میرا بھی کوئی دخل ہے۔ میری انتہائی کوشش یہی ہو گی کہ مصعب صبح تک یہاں نہ آئے، لیکن اگر میں اسے ٹال نہ سکا اور وہ بضد ہو کر میرے ساتھ آ ہی گیا تو اسے بیوقوف بنانے کے لیے پہرے داروں کا یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ آپ نے اچانک کوچ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور ابو الحسن کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔"

تم بہت دُور کی سوچتے ہو لیکن اب وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مصعب ہماری روانگی سے پہلے یہاں نہ پہنچ جائے۔"

دس منٹ بعد حارث گھوڑے پر سوار ہو کر مصعب کی قیام گاہ کا رُخ کر رہا تھا۔

سعاد کی بے چارگی

پچھلے پہر سعاد بالائی منزل کی چھت پر کھڑی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اُن پہاڑیوں کی طرف دیکھ رہی تھی جو دو وادیوں کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتی تھیں ——— اسے دن بھر کے واقعات ایک خواب محسوس ہو رہے تھے۔ اُس کا دل ایک ناقابلِ برداشت بوجھ سے پسا جا رہا تھا تاہم مصعب اور اس کی بیوی کی توقع کے خلاف اُس نے انتہائی صبر اور حوصلے سے کام لیا تھا۔

مصعب اس کی دلجوئی کے لیے دن میں کئی بار حارث کے پاس جانے کا ارادہ ظاہر کر چکا تھا لیکن وہ ہر بار اُسے یہ کہہ کر روک دیتی تھی "نہیں خالو جان! ابوالحسن نے آپ کو تاکید کی تھی کہ آپ اس کا پیچھا نہ کریں۔ اب تو اسے صرف آپ کی دُعاؤں کی ضرورت ہے۔ اگر اس کی گرفتاری کا تعلق ابوالقاسم کے قتل سے ہے تو وہاں جا کر آپ کو مزید پریشانیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

اور پھر جب شام کے سائے مشرق کی طرف پھیلنے لگے تو اچانک مصعب اور اس کی بیوی چھت پر نمودار ہوئے۔ خالہ نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے چمٹا لیا اور مصعب مغموم لہجے میں کہنے لگا "بیٹی! اب شام ہونے والی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہاں سے ہو آؤں کم از کم ہمیں یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ

وہ ابوالحسن کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔"

"نہیں!" سعاد نے مضطرب ہو کر کہا "وہاں جا کر آپ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ دشمن کے نزدیک ابوالحسن کا جرم یہی نہیں کہ اس نے ابوالقاسم کو قتل ہوتے دیکھ لیا تھا، بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑا جرم یہ ہے کہ اُس کے ہاتھوں چند نصرانی زخمی اور ہلاک ہو چکے ہیں اور یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ آپ اُن کے پاس جا کر ابوالحسن کی صفائی پیش کر سکیں۔ اس نے تاکید کی تھی کہ آپ اس کا پیچھا نہ کریں، آپ کو کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے مناسب حالات کا انتظار کرنا چاہیے اور اگر واقعی اُس پر کوئی مصیبت آ چکی ہے تو اس وقت آپ اُس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

مصعب بے بسی کی حالت میں سعاد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک اُس کی بیوی نے پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ آ رہا ہے۔"

سعاد نے پہاڑی کی طرف نظر دوڑائی۔ ایک سوار کی پہلی جھلک دیکھتے ہی اُس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو گئے۔ وہ پھر اپنی خالہ سے لپٹ گئی اور سسکیاں لینے لگی۔

مصعب کچھ دیر دم بخود ہو کر سوار کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ ڈوبتی آواز میں کہہ رہا تھا "خدا کرے یہ وہی ہو، لیکن ...... مجھے تو یہ حارث معلوم ہوتا ہے ــــــ میں نیچے جاتا ہوں۔"

سعاد تڑپ کر ایک طرف ہٹی اور اپنے آنسو پونچھ کر سوار کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اچانک اس کی نگاہوں کے سامنے تاریکی چھا گئی ــــــ اور وہ دل پر ہاتھ رکھ کر فرش پر بیٹھ گئی۔ چند لمحات کے لیے اسے ایسا محسوس ہوتا رہا کہ اُس کا دم گھٹ رہا ہے اور مصعب اور اُس کی بیوی کہیں دُور سے اُسے آوازیں دے

رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

○

جب اسے ہوش آیا تو وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ کمرے کے اندر چراغ جل رہا تھا۔ عمر رسیدہ طبیب، سعیدہ اور مصعب اُس کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک خادمہ دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ سعاد چند ثانیے نیم خوابی کی حالت میں ان کی طرف دیکھتی رہی پھر اچانک اس کا سارا وجود تڑپ اُٹھا اور اس نے کرب کی حالت میں آنکھیں بند کرلیں۔

طبیب اس کا ہاتھ پکڑ کر چند ثانیے نبض ٹٹولتا رہا۔ پھر اس نے اپنے تھیلے سے ایک شیشی نکال کر تپائی پر رکھ دی اور مصعب کی طرف دیکھنے لگا: "فکر کی کوئی بات نہیں۔ ان کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔ انشاء اللہ یہ دوا پینے کے بعد ٹھیک ہو جائیں گی۔"

سعاد کے بھنچے ہوئے ہونٹ لرزنے لگے اور چند دبی دبی سسکیوں کے بعد آنکھیں کھول دیں۔

سعیدہ نے جھک کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بیٹی! تمھاری طبیعت کیسی ہے؟"

وہ کچھ دیر بے بسی کی حالت میں اپنے تیمار داروں کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اچانک اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ طبیب نے تپائی سے شیشی اُٹھا کر کچھ دوا ایک پیالی میں ڈالی اور مصعب سے مخاطب ہو کر کہا "اس وقت باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔ لیجیے! اس دوا سے ان کی بے چینی بھی دُور ہو جائے گی۔"

مصعب نے پیالی لے کر سعاد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "لو بیٹی!"

سعاد نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا "حارث یہاں آیا تھا؟"

"ہاں بیٹی! وہ آیا تھا ——— وہ ہمیں تسلی دینا چاہتا تھا۔ یہ دوا پی لو بیٹی! پھر جب تمھاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

سعاد کی آنکھیں اچانک آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

سعیدہ نے کہا "بیٹی! ہمت سے کام لو!"

"خالہ جان!" اس نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا "مجھے خواب آور دوا کی ضرورت نہیں۔ اب مجھے غش نہیں آئے گا۔ اگر حارث کوئی خبر لے کر آیا تھا تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔ اگر وہ واپس نہیں چلا گیا تو خدا کے لیے اسے یہیں بلا لیجیے!"

"بیٹی! وہ جا چکا ہے اور اب ایک پہر رات گزر چکی ہے۔"

سعاد نے مصعب کے ہاتھ سے پیالی پکڑ کر ہونٹوں سے لگالی اور دوا پی کر طبیب سے مخاطب ہوئی "آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ میں کتنی دیر اور سوئی رہوں گی؟"

"بیٹی! تمھیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"آرام؟" اُس نے اپنے ذہنی کرب کو ایک مغموم مسکراہٹ میں چھپاتے ہوئے کہا "کاش! آپ کوئی ایسی دوا دے سکتے جو مجھے عمر بھر سلا سکتی۔" پھر وہ تکیے پر سر رکھ کر مصعب اور اس کی بیوی کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے دل میں کئی سوال تھے لیکن ان کے چہرے دیکھ کر اسے کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

مصعب نے کہا "بیٹی! حارث کہتا تھا کہ ابوالحسن کو کوئی خطرہ

نہیں۔ نصرانی افسر اسے زیادہ عرصہ اپنے پاس نہیں ٹھہرائیں گے۔ میں بذاتِ خود اُن کے پاس چلا جاتا، لیکن مجھے تمھارے متعلق تشویش تھی۔ اب میں علی الصباح وہاں جاؤں گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ صبح ہوتے ہی ابوالحسن واپس آجائے!"

سعاد نے کہا "خالو جان! مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا ــــ نصرانیوں کا قید خانہ اس کی آخری منزل نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ نے حارث کو یہ بتا دیا تھا کہ آپ میری وجہ سے پریشان ہیں؟"

"بیٹی! اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ ہم کس قدر پریشان ہیں۔ میں ملاقات کے دوران دو مرتبہ تمھیں دیکھنے آیا تھا۔ اس نے میرے اضطراب کی وجہ پوچھی تو مجھے بتانا پڑا کہ تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ اسے اس بات کا بہت ملال تھا کہ تمھیں شادی کے دن اپنے شوہر سے جُدا ہونا پڑا اور وہ بار بار تسلی دیتا تھا کہ ابوالحسن کا بال بیکا نہیں ہوگا۔ ڈان لوئی صرف اس کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حارث اس کی مدد کریگا۔"

طبیب نے کہا "دیکھیے! انھیں آرام کرنے دیجیے۔ اس وقت باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔"

مصعب نے اُٹھ کر کہا "چلیے میں آپ کو مہمان خانے تک پہنچا آؤں! باقی رات آپ گھر جانے کی بجائے یہیں رہیں تو بہتر ہوگا۔"

طبیب اُٹھ کر مصعب کے ساتھ چل پڑا۔ سعاد کچھ دیر سعیدہ کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اُس نے آنکھیں بند کرلیں۔

طبیب نے رُک کر سعاد سے کہا "بیٹی! میرا خیال ہے کہ تمھیں سونے سے پہلے کچھ کھا لینا چاہیے!"

"نہیں!" سعاد نے جواب دیا "مجھے بھوک نہیں۔"

"بیٹی! اگر کھانے کو جی نہیں چاہتا تو تھوڑا سا دُودھ ہی پی لو۔"

"اس وقت مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

طبیب مصعب کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

سعیدہ نے خادمہ سے کہا "اب تمھیں بھی آرام کرنا چاہیے۔"

خادمہ ساتھ والے کمرے میں چلی گئی اور سعاد کچھ دیر خاموشی سے اپنی خالہ کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا "خالہ جان! میں نے آپ کو بہت پریشان کیا ہوگا، لیکن اب آپ بھی آرام کریں۔"

سعیدہ نے کہا "بیٹی! جب تمھیں نیند آجائے گی تو میں چلی جاؤں گی۔ میں اس بات سے بے حد پریشان تھی کہ جب تم ہوش میں آکر ابوالحسن کے متعلق پوچھو گی تو میں تمھیں کس طرح تسلی دے سکوں گی۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمھیں اس قدر صبر اور حوصلہ دیا ہے۔"

سعاد نے جواب دیا "میں بہت کمزور ہوں خالہ جان! اگر مجھے ابوالحسن کے متعلق کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہیں ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے چہرے پر میرے ہر سوال کا جواب لکھا ہوا ہے۔ میں اس خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتی تھی کہ میں نے جو کچھ دیکھا، وہ ایک خواب تھا اور اب میں یہ سوچتی ہوں کہ جب قوم کا سفینہ ڈوب جاتا ہے تو سمندر کی لہروں میں غوطے کھانے والے مسافر زیادہ دیر تنکوں کا سہارا نہیں لیتے۔ اگر حارث یہ خبر لے کر آیا تھا کہ اب ابوالحسن واپس نہیں آسکتا تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں دُہائی نہیں دوں گی۔"

"بیٹی! اگر حارث ہمارا دشمن ہوتا تو اسے جھوٹی تسلیاں دینے کے

لیسے یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تمھارے خالو سے اس نے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ اِنشاء اللہ ابوالحسن بہت جلد واپس آجائے گا اور تم یہ محسوس کروگی کہ تم نے ایک بھیانک خواب ہی دیکھا تھا۔"

سعاد چند ثانیے سعیدہ کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "خالہ جان! بار بار حارث کا ذکر نہ کیجیے! میں اس سے کسی بھلائی کی امید نہیں رکھتی۔ اگر اسے ابوالحسن سے کوئی ہمدردی ہو تو بھی وہ اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا — جب مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ سلطان کے قافلے کے ساتھ جا رہا ہے تو مجھے اس خیال سے بھی ایک راحت محسوس ہوتی تھی کہ میرے سارے خواب اسی کے متعلق ہوا کریں گے، لیکن اب مجھے مستقبل کے سپنوں کے تصور سے خوف محسوس ہوتا ہے — خالہ جان! میرے لیے یہ دُعا کیجیے کہ صبح کی روشنی میں جب میری آنکھ کھُلے تو مجھے رات کے بھیانک سپنے یاد نہ آئیں!"

اس نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کرلیں اور کچھ دیر آہستہ آہستہ سسکیاں لینے کے بعد سوگئی۔

○

اگلے روز طلوعِ آفتاب کے دو گھنٹے بعد مصعب حارث سے ملاقات کے بعد گھر واپس آتے ہی سعاد کے کمرے میں داخل ہوا، مگر وہ اپنے بستر پر نہیں تھی۔ اس نے اپنی بیوی کا کمرہ دیکھا تو وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

"سعیدہ! سعیدہ!!" وہ اُس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگا۔

"آپ آگئے؟" سعیدہ نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں! میں آگیا ہوں لیکن سعاد کہاں ہے؟"

"وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے؟"

"نہیں!"

خادمہ نے دروازہ جھانکتے ہوئے کہا "جناب! وہ چھت پر چلی گئی ہیں، اب وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ میں نے انھیں ناشتا کھلا دیا تھا۔"

سعیدہ نے برہم ہو کر کہا "تم نے مجھے کیوں نہ جگایا؟"

"میں آپ کو جگانا چاہتی تھی، مگر انھوں نے منع کر دیا تھا۔ وہ کہتی تھیں کہ خالہ جان کو آرام کی ضرورت ہے اور میں تھوڑی دیر تازہ ہوا میں سانس لینا چاہتی ہوں۔ آپ کے لیے ناشتا لے آؤں؟"

"ہاں! لے آؤ!"

خادمہ کے جانے کے بعد سعیدہ چند ثانیے خاموشی سے مصعب کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے کہا "میرا خیال تھا آپ ابوالحسن کو لے کر آئیں گے!"

مصعب نے نڈھال ہو کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "سعیدہ! کاش ابوالحسن کو واپس لانا میرے بس میں ہوتا۔ نصرانی اسے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ رات جب حارث واپس پہنچا تھا تو وہ جا چکے تھے۔ شاید انھیں یہ خطرہ تھا کہ حارث اس کی طرفداری کرے گا۔ وہ اُس کے لیے یہ پیغام چھوڑ گئے ہیں کہ ہمیں گورنر کی طرف سے فوراً واپسی کا حکم ملا ہے اور اپنی تحقیقات مکمل کرنے کے لیے ابوالحسن کو ساتھ لے جا رہے ہیں —— حارث اب بھی مجھے بار بار یہی تسلی دیتا تھا کہ انشاء اللہ ابوالحسن کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ نصرانی الفجارہ میں بے چینی پھیلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، لیکن میں مطمئن نہیں ہوں۔ میں سارا راستہ

یہ سوچتا آیا ہوں کہ میں سعاد کو کیا جواب دوں گا۔ مجھے یہ اُمید نہ تھی کہ وہ اتنی جلدی سنبھل جائے گی۔ طبیب کہتا تھا کہ اگر اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تو اس کی صحت پر بُرا اثر پڑے گا۔"

سعاد دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی اور مصعب اور اس کی بیوی پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ "خالو جان!" اس نے چند ثانیے توقف کے بعد کہا "میں نے خواب سے بیدار ہوتے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ مجھے ابوالحسن کا انتظار کرنے کے لیے زندہ رہنا چاہیے ـــــ اگر وہ ہمارے لیے جان دے چکا ہے تو میں اس کے خونِ ناحق کا انتقام لینے کے لیے زندہ رہوں گی اور اُس دن کا انتظار کروں گی جب میرے کمزور ہاتھ دُشمن کی شاہ رگ تک پہنچ سکیں گے۔"

مصعب نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا "بیٹی! حارث نے ابوالحسن کی اعانت کا وعدہ کیا ہے۔ اگر وہ اسے واپس نہ لا سکا تو میں بذاتِ خود غرناطہ جاؤں گا۔ میں آج ہی چلا جاتا، لیکن حارث کہتا تھا کہ مجھے چند دن انتظار کرنا چاہیے۔"

"آپ غرناطہ جا کر اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔" سعاد بولی "اگر حارث کو ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی ہوتی تو وہ ابوالحسن کی گرفتاری کے لیے مسلح آدمی لے کر ہمارے گھر نہ آتا۔ وہ دوسری مرتبہ آپ کے پاس صرف ٹوہ لینے آیا تھا کہ ابوالحسن کی گرفتاری سے البشارہ میں کیسے مسائل پیدا ہوں گے۔ غدار بدلتے ہوئے حالات میں اپنے لبادے تبدیل کر سکتے ہیں لیکن ان کی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی ـــــ خالو جان! میرا مطلب یہ نہیں کہ آپ فوراً حارث سے اُلجھ پڑیں۔ میں یہ جانتی ہوں کہ موجودہ حالات میں اس کی کھُلی دشمنی آپ کے لیے کتنے خطرات پیدا کر سکتی ہے۔"

"بیٹی! میں ابوالحسن کو قید سے چھڑانے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہوں۔"

"خالو جان! یہاں سے رخصت ہوتے وقت ابوالحسن کو دشمن کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ وہ یہ جانتا تھا کہ نصرانی افسر نے اسے کیوں بلایا ہے اس کے الوداعی الفاظ میرے دل پر نقش ہیں۔ اس وقت مجھے اس کی گفتگو عجیب معلوم ہوتی تھی لیکن اب میں سمجھ سکتی ہوں کہ وہ کون سا جذبہ تھا جس نے اس کو اپنی زندگی اور موت سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اب بھی میں کسی زمین دوز اذیت خانے سے اس کی رُوح کی چیخیں سُن سکتی ہوں۔ خالو جان! وہ یہ کہہ رہا ہے "سعاد! میری وجہ سے اس گھر پر مصیبت نہیں آنی چاہیے۔ اپنی خالہ اور خالو سے کہو کہ وہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اور میرے مصائب میں حصے دار بننے کی کوشش نہ کریں۔ میں اپنے حصے کا بوجھ خود اُٹھا سکتا ہوں۔ میں اس امید پر زندہ رہوں گا کہ کسی دن میری قوم اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ کسی دن البشارہ کے مجاہد میرے قید خانے کا دروازہ توڑ ڈالیں گے کسی دن میرے ترک اور بربر بھائی طارق" کی روایات کے امین بن کر آئیں گے اور مجھے یہ پیغام دیں گے کہ تم آزاد ہو ——— ! غرناطہ میں تمھارا گھر اُجڑ چکا ہے لیکن البشارہ میں تمھاری راہ دیکھنے والے موجود ہیں۔"

مصعب کچھ دیر سر پکڑ کر سوچتا رہا۔ پھر اس نے سعاد کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا "بیٹھ جاؤ بیٹی! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

سعاد اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"سعاد!" مصعب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "بیٹی! ہم کتنے بے بس ہیں۔ میں اپنے دل کو یہ فریب دیا کرتا تھا کہ نصرانی صلح کے معاہدے

کی پابندی کریں گے، لیکن حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آقاؤں اور غلاموں کے درمیان کوئی معاہدہ پائیدار نہیں ہوتا۔ ہماری بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ ابوالقاسم قتل ہو چکے ہیں۔ تمھارا شوہر گرفتار ہو چکا ہے اور ہمیں کسی کے سامنے قاتلوں کا نام لیتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ ہماری زندگی کا ہر نیا دن پچھلے دن سے زیادہ صبر آزما ہوگا۔ اس کے باوجود میں اس امید پر زندہ رہنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی بارگاہ میں تمھاری دُعائیں رائگاں نہیں جائیں گی ——— یہ رات گزر جائے گی۔ ابوالحسن اچانک تمھارے دروازے پر دستک دے گا اور تم اسے دیکھ کر یہ محسوس کرو گی کہ ہفتوں، مہینوں یا برسوں کی تاریک رات صرف ایک خواب تھی ——— لیکن ہو سکتا ہے کہ میں اس وقت کا انتظار نہ کر سکوں ——— اس لیے میں یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ جب ابوالحسن واپس آ جائے تو تمھیں ایک دن کے لیے بھی یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ اُس غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہیے جو مجھ سے سرزد ہوئی تھی ——— افریقہ پہنچ کر تم یہ محسوس کرو گی کہ وہاں تمھارے لیے ایک معمولی جھونپڑا بھی اس قلعے کی نسبت زیادہ آرام دہ ہے۔ تمھیں یہاں رہ کر اس آندھی کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے جس کے آثار دیکھ کر ہم نے غرناطہ سے ہجرت کی تھی ——— ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، لیکن تمھیں ہمارے گناہوں کی سزا نہیں ملنی چاہیے۔"

سعاد بظاہر بڑے انہماک سے گفتگو سُن رہی تھی لیکن اس کے خیالات کہیں دُور جا چکے تھے ——— وہ تصور میں الحمرا کا طواف کر رہی تھی ——— ابوالحسن کے قید خانے کے دروازے توڑ رہی تھی ——— اس کی رفاقت میں جہاز پر سوار ہو رہی تھی اور ساحل بربر سے آگے لق و دق صحراؤں اور نخلستانوں

کے مناظر دیکھ رہی تھی۔

"بیٹی!" مصعب نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا "میری آخری غلطی یہ تھی کہ چند دن قبل تک تمھارے مستقبل کے متعلق میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ میں نے ابوالقاسم کی موت کی خبر سننے سے قبل دشمن کے آیندہ عزائم کے متعلق کبھی نہ سوچا، لیکن اب اگر اللہ کی بارگاہ میں تمھاری دعائیں مستجاب ہوں اور ابوالحسن واپس آجائے تو مجھ سے وعدہ کرو کہ سمندر عبور کرنے سے پہلے اطمینان کا سانس نہیں لوگی۔"

"خالو جان! آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کی حکم عدولی نہیں کر سکتی، لیکن میں بھی آپ سے یہ وعدہ لینا چاہتی ہوں کہ اس کی آمد سے قبل آپ مجھے یہ گھر چھوڑنے کا مشورہ نہیں دیں گے ـــــــ میں آخر دم تک اس کا انتظار کروں گی۔ میں ہر صبح اس کے لیے یہ دعا کروں گی کہ وہ شام سے پہلے یہاں پہنچ جائے اور سرِ شام قلعے کی ڈیوڑھی کے برج میں اس کے لیے چراغ جلایا کروں گی تاکہ رات کی تاریکی میں اپنی منزل دیکھ سکے ـــــــ پھر جب میری امیدوں کے چراغ بجھ جائیں گے تو میں زندہ رہنا پسند نہیں کروں گی۔ اگر بیچارگی کی موت ہی میرا مقدر ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مجھے کس جگہ دفن کیا جاتا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔"

اسیر

ابوالحسن حراست کے تیسرے روز رات کے وقت مسلح سواروں کے تنگ گھیرے میں غرناطہ کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک سوار نے آگے بڑھ کر پہرے داروں کو آواز دی۔ انھوں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور شہر کا کوتوال اور دروازے کے محافظ دستے کا افسر جنھیں دو گھنٹے قبل ڈان لوئی اور اس کے ساتھیوں کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی، ڈیوڑھی سے باہر نکل آئے۔ ڈان لوئی نے ہاتھ کے اشارے سے اُن کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کوتوال سے مخاطب ہو کر کہا "آپ قیدی کو قید خانے میں لے جائیں اور داروغہ کو میری طرف سے تاکید کریں کہ اسے دوسرے قیدیوں بالخصوص غرناطہ کے مسلمان قیدیوں سے بالکل علیحدہ رکھا جائے۔ ممکن ہے کہ اسے کوئی ایسی بات معلوم ہو جس کا انکشاف حکومت کے لیے پریشانی کا باعث ہو۔ گورنر سے میری ملاقات کے بعد اس کے متعلق کوئی فیصلہ ہوگا۔ ممکن ہے وہ اسے غرناطہ سے کہیں دُور بھیجنے کا فیصلہ کریں، تاہم پہرے داروں کو اِس کے متعلق بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

اگر ابُوالحسن ڈان لوئی کی یہ گفتگو نہ سُنتا تو بھی اُسے اپنے مستقبل کے متعلق

کوئی خوش فہمی نہ ہوتی۔ گرفتار ہونے سے اب تک اُس کے سامنے ایک ہی مسئلہ تھا کہ ـــــــ جنھیں بچانے کے لیے وہ ہر مصیبت برداشت کرنے کے لیے تیار ہے، وہ کس حد تک محفوظ ہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ قید خانے کی ایک تاریک کوٹھڑی میں پڑا اپنے حال اور مستقبل کے متعلق سوچ رہا تھا۔ دیر تک بے چینی کی حالت میں کروٹیں لینے کے بعد اس کے دل میں قید سے فرار کا خیال آیا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ غرناطہ میرا گھر ہے۔ یہاں اب بھی ہزاروں لوگ موجود ہیں جو مجھے پناہ دے سکتے ہیں۔ اگر میں قید خانے سے نکل کر چند دن کسی جگہ چھپ کر رہ سکوں تو ممکن ہے کہ کسی دن الفجارہ پہنچنے کا موقع مل جائے ـــــــ لیکن پھر اچانک ایک اور خیال آیا اور اس کے دل کی دھڑکنیں رُک گئیں "نہیں! نہیں!! سعاد!" وہ اپنے دل سے کہہ رہا تھا "الفجارہ میں تمھارے گھر کی سلامتی کے لیے میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔ میرے فرار ہوتے ہی نصرانی تمھارے گھر کے ہر راستے پر پہرا بٹھا دیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ تمھارے گھر کی تلاشی لے چکے ہوں اور میری طرح تم سب کو کسی قید خانے میں پہنچا دیا گیا ہو۔ نہیں سعاد! میں تمھیں اپنے مصائب میں حصہ دار نہیں بناؤں گا ـــــــ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا، اور اگر میرا مقدر یہی ہے کہ نصرانیوں کے قید خانوں میں گمنامی کی موت مر جاؤں، تو بھی میں تمھارے سر کا ایک ایک بال اپنی زندگی سے زیادہ قیمتی سمجھوں گا" ـــــــ وہ دوبارہ لیٹ گیا اور کچھ دیر آہستہ آہستہ سعاد کا نام دہرانے کے بعد اسے نیند آ گئی۔

پانچ دن اور گزر گئے ـــــــ پھر ایک صبح کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور پہرے داروں کے ساتھ دو آہن گر داخل ہوئے اور اُنھوں نے ابوالحسن

کو فرش پر لٹا کر اس کے گلے میں آہنی طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔
تھوڑی دیر بعد وہ ڈان لوئی اور داروغہ کے سامنے ایک کشادہ کمرے میں کھڑا تھا۔

داروغہ نے کہا "ہم نے ڈان لوئی کے حکم پر تم سے یہ رعایت کی ہے کہ تمھارا ماتھا نہیں داغا۔ وہ اپنے غلاموں کی شکل مسخ کرنا پسند نہیں کرتے۔ ان کا تم پر یہ احسان بھی ہے کہ تم موت کی سزا سے بچ گئے ہو۔ ورنہ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی مسلمان نے ہمارے سپاہیوں کو قتل کیا ہو اور اس کو کسی چوراہے پر پھانسی نہ دی گئی ہو"

ڈان لوئی نے کہا "مجھے تمھاری جوانی پر رحم آ گیا تھا اور میں نے بڑی مشکل سے گورنر کو قائل کیا ہے کہ تم نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے تلوار اٹھائی تھی ـــــــ انھوں نے تمھیں میرے سپرد کر دیا ہے اور میں تمھاری طرف سے اس بات کا پورا اطمینان چاہتا ہوں کہ تم بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے ـــــــ"

ابوالحسن نے جواب دیا "میرے پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں آہنی طوق دیکھ کر آپ کو یہ اطمینان ہو جانا چاہیے کہ میں بھاگنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔"

ڈان لوئی بولا "یہ احتیاط اس لیے کی گئی ہے کہ غرناطہ سے باہر تر و تازہ ہوا میں سانس لینے کے بعد اچانک تمھاری نیت نہ بدل جائے۔ میں یہاں سے چند اور قیدیوں کے ساتھ تمھیں اپنی جاگیر میں کام کرنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ کل میری جاگیر کا منتظم یہاں پہنچ جائے گا اور اگلے دن تمھیں اس کے ساتھ روانہ کر دیا جائے گا ـــــــ اگر تم اچھا کام کرو گے تو تم پر کوئی سختی نہیں

ہوگی اور جب ہمیں اطمینان ہو جائے گا کہ تم بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے تو تمھارا طوق اور بیڑیاں بھی اُتار دی جائیں گی ——— پھر پانچ سال بعد تمھاری کارگزاری کا جائزہ لیا جائے گا۔ اگر تم نے میری خواہشات کے مطابق کام کیا تو میں تمھیں آزاد کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے لیے وہ رُکا ——— اس نے ابوالحسن کے چہرے کا بھرپور جائزہ لیا اور پھر کہنے لگا "مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تم شادی کے دن اپنی بیوی سے جدا ہوئے لیکن جب حالات سازگار ہوں گے تو میں یہ کوشش کروں گا کہ اسے بھی تمھارے پاس بلا لیا جائے لیکن فی الحال اسے زیادہ سے زیادہ یہ اطلاع دی جا سکتی ہے کہ تم زندہ ہو اور اس سے دوبارہ ملنے کی امید پر زندہ رہنا چاہتے ہو۔"

ابوالحسن نے اچانک محسوس کیا کہ اس کے سینے پر آگ کے انگارے رکھ دیے گئے ہیں۔ تاہم اس نے اپنا غم و غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا: "میں آپ کا شکرگزار ہوں مگر جس خاتون کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی، وہ شاید ایک غلام کی بیوی کہلانا پسند نہ کرے۔"

ڈان لوئی نے جواب دیا "وقت کے ساتھ ساتھ انسانوں کے خیالات بھی بدل جاتے ہیں، اب تمھارے ماضی کے پرانے خوابوں کا اندلس ختم ہو چکا ہے اور ہم اس کے کھنڈروں پر اپنے مستقبل کا ہسپانیہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ چند سال بعد جب تم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لو گے تو تم یہ محسوس بھی نہیں کرو گے کہ اُندلس کے ماضی کے ساتھ تمھارا کوئی رشتہ بھی تھا اور یہی بات میں اس لڑکی کے متعلق بھی کہہ سکتا ہوں جو اپنا مستقبل تمھارے ساتھ وابستہ کر چکی ہے۔"

ابوالحسن کچھ دیر خاموشی سے سر جھکائے کھڑا رہا۔ بالآخر قید خانے کے داروغہ نے کہا " نوجوان! تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ ڈان لوئی نے تمھاری جان بچائی ہے ؟ "

ابوالحسن کی خاموشی پر ڈان لوئی نے کہا " اسے یہ سمجھنے میں ابھی کافی دن لگیں گے کہ میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔ اب یہ دو یا تین دن آپ کے پاس رہے گا اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ذاتی طور پر اس کے آرام کا خیال رکھیں ۔"

○

ابو عامر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا " جناب! میرے لیے کیا حکم ہے ؟ ——— میں قیدی کو یہاں پہنچاتے ہی واپس جانا چاہتا تھا، لیکن آپ سے اجازت نہیں ملی تھی ۔"

ڈان لوئی نے جواب دیا " میں چاہتا ہوں کہ تمھیں بھی بلنسیہ لے چلوں اور اگر تمھیں میرا علاقہ پسند آجائے تو تم وہیں آباد ہو جاؤ۔ مجھے گھر بلو کام کاج اور غلاموں کی دیکھ بھال کے لیے اچھے نوکروں اور ہوشیار جاسوسوں کی ضرورت ہے ———"

" لیکن جناب! " ابو عامر نے مضطرب ہو کر کہا " میری بیوی بچے ہیں اور میں ان سے مل کر بھی نہیں آیا۔ میرے آقا نے اچانک یہ حکم دیا تھا کہ میں غرناطہ تک آپ کی رفاقت میں سفر کرنے پر تیار ہو جاؤں ۔"

" حارث کو یہ اطلاع مل جائے گی کہ میں نے تمھیں روک لیا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ تم میرے پاس رہو اور جب تمھیں یہ اطمینان ہو جائے کہ میں کام کے آدمیوں کو تمھارے آقا کی نسبت زیادہ صلہ دیے

سکتا ہوں تو واپس جاکر اپنے بیوی بچوں کو لے آنا اور میری جاگیر میں آباد ہو جانا ـــــــ ہو سکتا ہے کہ کسی دن تم میرے غلاموں کے نگہبان بن کر نئی دنیا جاؤ اور وہاں میری جاگیر آباد کرو اور چند سال میں ایک دولت مند آدمی بن کر واپس آؤ۔ ہو سکتا ہے کہ نئے ملک کو تم ہسپانیہ سے زیادہ پسند کرو۔ وہاں کسی گورنر یا جاگیردار کے کارندے کو زمین کا مالک بنتے دیر نہیں لگتی ـــــــ"

ابوعامر نے کہا "جناب! میں آپ کی حکم عدولی نہیں کر سکتا۔ میں بلنسیہ تک ابوالحسن کے ساتھ چلوں گا۔ لیکن اس بات کا فیصلہ میں اپنے گھر واپس جاکر ہی کر سکتا ہوں کہ ہمیں کہاں آباد ہونا چاہیے۔"

"بہت اچھا" میں دو ماہ تک وہاں پہنچوں گا اور تمھیں معقول معاوضہ دے کر رخصت کیا جائے گا۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ تمھیں واپسی پر کوئی جہاز مل جائے اور تم مالقہ تک آرام سے سفر کرو۔ میں نے برنینڈو کو یہ حکم دے دیا ہے کہ تمھیں کوئی تکلیف نہ ہو ـــــــ میں نے سنا تھا کہ تم ایک باورچی بھی ہو ـــــــ میری بیوی کو جنوب کے کھانے بہت پسند ہیں۔ اگر تم ایک اچھے باورچی ثابت ہوئے تو تمھیں زیادہ معاوضہ ملے گا۔ فرصت کے اوقات میں تم میرے غلاموں سے میل جول رکھو گے اور اگر تمھیں یہ معلوم ہو کہ کوئی غلام بھاگنا چاہتا ہے تو برنینڈو کو خبردار کر دو گے ـــــــ اور دیکھو اگر بلنسیہ میں قیام کے دوران تم نے ابوالحسن کو ہمارا پُرامن غلام رہنے پر رضامند کر لیا تو یہ بھی ایک خدمت ہوگی۔ تمھیں اس سے بلا روک ٹوک ملنے کی اجازت ہوگی۔ میں نے اسے دیکھتے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ نئی دنیا میں میرے لیے وہ ایک کارآمد آدمی بن سکتا ہے۔"

"جناب! میں دل وجان سے آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔"

ابو عامر کمرے سے باہر نکل گیا تو ڈان لوئی قید خانے کے داروغہ سے مخاطب ہوا "میرا تجربہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف عیسائی جاسوسوں کی بجائے اُن کے اپنے غداروں سے بہتر کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ آدمی البغارہ میں ابو عبداللہ کا ملازم، اور ہمارا جاسوس تھا۔ ابو عبداللہ افریقہ چلا گیا تو اس کی جاسوسی کا دائرہ پہلے کی نسبت وسیع ہو گیا۔ ابوالحسن کی گرفتاری اسی کی کارگزاری کا نتیجہ ہے۔ اگر ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تو یہ مسلمانوں کے جذبات ٹھنڈے رکھنے کے لیے بہت کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ کچھ عرصہ ہمارے پاس رہنے کے بعد یہ حکومت کا زیادہ وفادار بن کر جائے گا۔"

○

اور تیسرے دن آٹھ قیدی اور ان کے پانچ محافظ ڈان لوئی کی جاگیر کے منتظم برنیڈو کی رہنمائی میں بلنسیہ کا رُخ کر رہے تھے۔

برنیڈو اور ابو عامر گھوڑوں پر سوار تھے اور انھیں آپس میں بے تکلفی سے باتیں کرتا دیکھ کر نصرانی سپاہیوں کو اس بات سے سخت تکلیف محسوس ہوتی تھی کہ ایک مسلمان سے ایک معزز مہمان کا سا سلوک کیا جا رہا ہے۔

ابوالحسن کبھی کبھی اس کی طرف دیکھتا اور حقارت سے مُنہ دوسری طرف پھیر لیتا ـــــ

قیدیوں کے محافظوں میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں بھاری کوڑا تھا اور اسے کسی قیدی پر زور آزمائی کے لیے صرف کسی بہانے کی ضرورت ہوتی تھی۔

○

ابوالحسن سے جدائی کے بعد سعاد کی زندگی کی اُداس گھڑیاں دنوں اور مہینوں میں تبدیل ہو رہی تھیں اور ابُوالحسن کی تصویر جو ابتدائی ایام میں ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہا کرتی تھی، بتدریج وقت کے دھندلکوں میں گم ہو رہی تھی تاہم وہ زندہ تھی اور زندہ رہنا چاہتی تھی۔

حارث کے متعلق اس کے شبہات یقین کی حد تک پہنچ چکے تھے لیکن وہ مصعب کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کرنے کی بجائے اس بات پر زور دیا کرتی تھی کہ فی الحال آپ کو حارث کے ساتھ رسمی تعلقات قائم رکھنے چاہییں اور کسی بات سے اسے یہ تاثر دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کہ آپ کو اس کی ریا کا علم ہے۔ حارث ہر دوسرے تیسرے روز اُن کے ہاں آتا اور انھیں ابوالحسن اور ابوالقاسم کے متعلق تسلی دینے کی کوشش کرتا اور اگر وہ چند دن نہ آتا تو سعاد کے اصرار پر مصعب بذاتِ خود حارث کے پاس چلا جاتا۔

مصعب کے دوستانہ طرزِ عمل سے حارث کو یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ ابوالحسن کی گرفتاری پر اس کے متعلق جو شکوک پیدا ہوئے تھے، وہ دُور ہو چکے ہیں، لیکن کبھی کبھی ابوالقاسم کے بارے میں اس کی خاموشی اسے پریشان کر دیتی تھی چنانچہ وہ اس قسم کے سوالات پوچھا کرتا تھا "مصعب! تمھیں ابوالقاسم کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی؟ وہ کب تشریف لائیں گے؟" اور مصعب اسے ٹالنے کی کوشش کرتا "مجھے انھوں نے اپنی خیریت کے متعلق بھی اطلاع نہیں دی۔ اگر وہ غرناطہ میں ہوتے تو ہماری خبر ضرور لیتے۔

میرے خیال میں انھیں کسی ضروری کام کے لیے طلیطلہ بُلا لیا گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اہم مہم پر ملک سے باہر بھیج دیے گئے ہوں۔"

"ہاں بھائی! وہ بڑے آدمی ہیں اور غرناطہ کے گورنر کو بھی ان کی مصروفیت کا علم نہیں ہو سکتا لیکن میں اکثر یہ سوچتا ہوں کہ اس علاقے کے لوگ اُن کی طویل غیر حاضری کے متعلق کیا سوچتے ہوں گے ——— میرے خیال میں اتنے بڑے آدمی کا اچانک لاپتہ ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ خدا کرے میرا یہ خدشہ غلط ثابت ہو ——— لیکن کبھی کبھی مجھے یہ ڈر محسوس ہوتا ہے کہ ابوالقاسم کو کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آئے اور حکومت کو خبر نہ ہو؟"

"بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ حکومت انھیں ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی۔ فرض کرو کہ وہ غرناطہ اور الفجارہ کے درمیان باغیوں کی کسی جماعت کے ہتھے چڑھ گیا ہو اور کسی سر پھرے نے اسے قتل کر دیا ہو"

مصعب اچانک یہ محسوس کرتا کہ وہ اس کے لیے پھندا تیار کر رہا ہے اور وہ سنبھلنے کی کوشش کرتا " خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حکومت کے باغی ابوالقاسم کو قتل کر دیں اور حکومت کی فوج اور پولیس حرکت میں نہ آئے۔ الفجارہ کے لوگ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر کسی باغی نے ابوالقاسم پر حملہ کیا تو انھیں کس تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

حارث اور مصعب کے درمیان اس قسم کی گفتگو کئی بار ہو چکی تھی۔ حارث جب بھی اسے کُریدنے کے لیے ابوالقاسم کا ذکر چھیڑتا تو اس کا مدافعانہ شعور جاگ اٹھتا۔ چنانچہ حارث کا یہ یقین پختہ ہو چکا تھا کہ وہ ابوالقاسم

کے انجام سے بے خبر ہے۔

○

ابوالحسن کی گرفتاری کے چھ ماہ بعد مصعب دوسری مرتبہ غرناطہ گیا تھا اور چند ہفتے قیام کے بعد واپس آتے ہی اس نے حارث کو بتایا کہ مجھے ابوالحسن کا کوئی سُراغ نہیں ملا۔ میں یہ بھی معلوم نہیں کرسکا کہ ڈان لوئی کہاں ہے۔ میں نے بڑی مُشکل سے گورنر تک رسائی حاصل کی تھی لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ ڈان لوئی پولیس کے ایک اہم عہدے پر فائز ہو چکا ہے اور طلیطلہ میں بادشاہ اور ملکہ کے علاوہ حکومت کے چند بڑے عہدے داروں کے سوا کسی کو اس کی خفیہ سرگرمیوں کا علم نہیں تاہم جب وہ دورے پر غرناطہ آئے گا تو میں ابوالحسن کے متعلق اس سے پوچھنے کی کوشش کروں گا۔ ابوالقاسم نے بھی ابھی تک اپنی بیوی کو کوئی اطلاع نہیں دی اور غرناطہ کا گورنر اس کے متعلق بھی یہی کہتا ہے کہ وہ کسی خفیہ مہم پر گیا ہوا ہے۔ میں ابوالقاسم کی بیوی کے اصرار پر طلیطلہ بھی گیا تھا لیکن بادشاہ اور ملکہ نے ملاقات کے لیے میری درخواست قبول نہیں کی۔"

حارث نے پوچھا "تم نے اپنی درخواست میں یہ لکھا تھا کہ تم ابوالقاسم کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں! اور مجھے یہ جواب ملا تھا کہ تمھیں ابوالقاسم کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ کسی خفیہ مہم پر گیا ہوا ہے اور اپنا کام ختم کرتے ہی گھر پہنچ جائے گا۔"

حارث نے مطمئن ہو کر کہا "اب کم از کم اُس کے متعلق تو تمھارے

خدشات دور ہو جانے چاہییں۔"

"مجھے اُن کے متعلق کوئی خدشہ نہیں۔ میں صرف ان کی بیوی کی دلجوئی کے لیے وہاں گیا تھا، لیکن اب حالت یہ ہے کہ الفجارہ کے لوگ بھی اس کے متعلق طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔"

"کیسی باتیں؟"

"یہی کہ وہ کہاں ہے اور اُس نے اپنے متعلق کوئی اطلاع کیوں نہیں بھیجی؟ الفجارہ کے لوگوں کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ غرناطہ میں بھی نہیں ہے۔"

"تم ان سے کہہ سکتے ہو کہ فی الحال یہ ایک راز ہے لیکن جب وقت آئے گا تو تمھیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ لوگ تمھیں ابوالحسن کے متعلق تو پریشان نہیں کرتے؟"

مصعب نے جواب دیا "ابوالحسن کے متعلق آپ سعاد اور اس کی خالہ کے اضطراب کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آپ سے میں نے اس کے متعلق اس لیے کبھی نہیں پوچھا کہ اگر کوئی اچھی خبر ہوتی تو آپ ہمیں بتا دیتے، لیکن ہماری طرح آپ بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ وہ کسی قید خانے میں ہے اور اس کی رہائی یا موت ڈان لوئی کے ہاتھ میں ہے۔"

حارث نے کہا "میں آپ کو پہلے بھی کئی بار یہ بتا چکا ہوں کہ ڈان لوئی اس کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں کرے گا، لیکن اس کی رہائی کا انحصار اس بات پر ہو گا کہ حکومت اسے کس حد تک بے گناہ سمجھتی ہے۔"

"آپ غرناطہ کے ہر قید خانے تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ابوالحسن کس حال میں ہے۔"

حارث نے جواب دیا " آپ غرناطہ سے ہو آتے ہیں اور آپ کو یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں۔ میرا خیال ہے کہ گورنر نے اسے خطرناک سمجھ کر قید خانے میں رکھنے کی بجائے، غرناطہ سے باہر کسی قلعے میں بھیج دیا ہے اور ممکن ہے کہ ڈان لوئی کو بھی یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے؟ بہر صورت میں اپنے آپ کو کسی خطرے میں ڈالے بغیر اس کی تلاش جاری رکھوں گا"

○

ابو عامر کی بیوی دھوپ میں اونی دری پر بیٹھی ریشمی کپڑا کاڑھ رہی تھی۔ اُس کا دو سالہ بچہ اس کے قریب لیٹا ہوا تھا۔ اس کا نام عمارہ تھا اور اس کا سُرخ و سپید چہرہ کوہستان کے جفاکش باشندوں کی تندرستی اور توانائی کا آئینہ دار تھا۔

اچانک گاؤں کی ایک لڑکی عمارہ کے دوسرے لڑکے کو اُٹھائے صحن میں داخل ہوئی اور اس نے کہا " ایک عورت آپ سے ملنے آئی ہے۔ خالہ! وہ بہت خوبصورت ہے۔ میں نے پہلے اسے اس گاؤں میں نہیں دیکھا۔ وہ کسی بڑے گھر کی معلوم ہوتی ہے۔"

عمارہ نے کہا " بیٹی! وہ مونڈھا اُٹھا کر یہاں رکھ دو!"

لڑکی بچے کو نیچے اُتار کر مونڈھا اُٹھا لائی۔

باہر سے کسی نے نیم وا دروازے سے دستک دیتے ہوئے کہا:

" بہن عمارہ مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟"

عمارہ اُٹھ کر ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی اور اجنبی عورت کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی اور اسے مونڈھے پر بٹھانے کے بعد اُس کے قدموں میں چٹائی پر بیٹھ گئی۔

نووارد نے کہا "میں آپ سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں!"

عمارہ نے گاؤں کی لڑکی کی طرف دیکھا تو وہ صحن سے باہر نکل گئی۔ اس نے اُٹھ کر دروازے کو کنڈی لگا دی اور واپس آ کر مہمان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی "اب ہم اطمینان سے باتیں کر سکتی ہیں۔ آپ کہاں سے آئی ہیں؟"

نووارد نے اپنے چہرے سے اوڑھنی ذرا اُوپر کرتے ہوئے کہا "میرا نام سعاد ہے۔ مصعب میرے خالو ہیں۔ میں اس لیے تمھارے پاس آئی ہوں کہ ابو عامر میرے شوہر کا دوست تھا ــــــ شاید اس نے آپ سے کبھی ابوالحسن کا ذکر کیا ہو؟"

"مجھ سے اُس نے کبھی اس نام کے کسی دوست کا ذکر نہیں کیا۔ ویسے بھی وہ مجھ سے اپنے کسی دوست یا دشمن کا ذکر نہیں کرتا۔"

سعاد نے قدرے توقف کے بعد کہا "میرا شوہر ہماری شادی کے دن غائب ہو گیا تھا۔ حارث اسے گرفتار کر کے قلعے میں لے گیا تھا اور وہاں سے اُسے ایک نصرانی حاکم نے کہیں اور بھیج دیا تھا۔ میں نے ایک نوکر کو ابو عامر کا پتا لگانے بھیجا تھا، لیکن وہ یہ اطلاع لایا کہ وہ بھی لاپتا ہے۔ میں اپنے نوکر کو ہر ہفتے ایک یا دو بار ابو عامر کا پتا لگانے بھیجا کرتی تھی۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ واپس آ گیا ہے اور میں آپ کے پاس آئی ہوں کہ شاید اُس نے آپ کو ابوالحسن کے متعلق کچھ بتایا ہو!"

عمارہ کچھ دیر غور سے سعاد کی طرف دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا "دیکھیے آپ کا میرے گھر آنا کوئی معمولی بات نہیں۔ میں اپنے خاوند سے پوچھوں گی لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ اگر کوئی راز کی بات ہوئی تو وہ مجھے نہیں بتائے گا۔ اس معاملے میں وہ بہت سخت ہے ــــــ وہ میری ہر خواہش پوری کرتا ہے

لیکن مجھے یہ تک بتا کر نہیں گیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور کب آئے گا۔ اب وہ میرے لیے کئی تحائف لایا ہے۔ وہ ان بچوں کے لیے بھی ریشم کے کپڑے لے کر آیا ہے لیکن اس بات کا اس نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا کہ چھ سات مہینے کس کس شہر کی خاک چھانتا رہا ہے ـــــ لیکن آپ کا مسئلہ ایسا ہے کہ میں اسے ہر ممکن طریقے سے مجبور کروں گی ـــــ اور یہ میرا وعدہ ہے کہ اگر اسے آپ کے شوہر کے متعلق کسی بات کا علم ہوا تو آپ کو اطلاع مل جائے گی۔"

"اگر تم اجازت دو تو میرا نوکر تمھارے پاس آئے گا، لیکن گاؤں کے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم ابوالحسن کے متعلق پریشان ہیں۔"

عمارہ نے کہا "گاؤں کے لوگوں کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

سعاد نے کہا "اگر تمھارا شوہر بھی یہ محسوس کرے کہ ابوالحسن کی جائے قیام یا قید خانے کے متعلق بتانے میں اسے کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے تو میں بھی تم سے اصرار نہیں کروں گی ـــــ میں..... میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ وہ زندہ ہے یا......" اس کی آواز بیٹھ گئی اور آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔

عمارہ بھی آبدیدہ ہو گئی اور بولی "میری بہن! مجھے یقین ہے کہ میں یہ بات اس سے معلوم کر سکوں گی اور اس کے بعد انشاء اللہ خود تمھارے پاس آؤں گی۔"

سعاد نے پوچھا "تم نے غرناطہ سے اس کے ساتھ ہجرت کی تھی؟"

"نہیں! میں یہیں پیدا ہوئی تھی۔ یہ میرے باپ کا مکان ہے۔ ہمارے گاؤں کا ایک آدمی غرناطہ میں بادشاہ کا ملازم تھا اور میرے شوہر کے ساتھ کام کرتا تھا۔ ہمارے رشتے کے لیے اس نے میرے باپ پر زور دیا تھا۔"

سعاد نے باری باری عمارہ کے بچوں کو اُٹھا کر پیار کیا اور ان کے ہاتھ

میں سونے کا ایک ایک سکہ تھماتے ہوئے کہا " بہن ! اب میں جاتی ہوں۔ تم اپنے شوہر کو یہ شک نہ ہونے دو کہ ہم اس پر کوئی شبہ کرتے ہیں اور تم جب چاہو ہمارے گھر آ سکتی ہو۔"

تھوڑی دیر بعد سعاد گاؤں سے باہر نکلی تو ابو یعقوب اس کا انتظار کر رہا تھا ——

تیسرے روز عمارہ ان کے گھر آئی۔ اُس نے سعاد کو یہ بتایا کہ جب ابو عامر نے ابو الحسن کو آخری بار دیکھا تھا تو وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا —— لیکن اب اسے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ڈان لوئی نے اسے غرناطہ سے دُور کسی جگہ پہنچا دیا ہے۔"

اس کے بعد دن ہفتوں مہینوں اور برسوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ غرناطہ کے متعلق تشویشناک خبریں آنے لگیں۔ مصعب اور اس کی بیوی نے کئی بار ہجرت کا ارادہ کیا لیکن سعاد ہر بار یہ کہتی " آپ جائیں! میں اس کا انتظار کروں گی۔"

گرد و پیش کے حالات نے سعاد کو ظاہری سہاروں سے بے نیاز کر دیا تھا، لیکن جب وہ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتی تو اسے محسوس ہوتا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔

انکوی زیشن ــــ "کلیسا کے محکمۂ احتساب" کے مظالم کی ایک جھلک

انکوی زیشن[1]

سپین میں کلیسا کے ماضی کے بارے میں جو کتاب لکھی جائے گی، اس میں انکوی زیشن کا ذکر ضرور آئے گا اور اس داستان کا پس منظر خاص طور پر وہ دَور ہے، جب اندلس کے مسلمان انکوی زیشن کی ہولناکیوں کا سامنا کر رہے تھے۔

عام طور پر انکوی زیشن کا ترجمہ احتساب کیا جاتا ہے، لیکن یہ ایک لفظ، یا دو چار اور الفاظ اس کے ساتھ شامل کر دیے جائیں تو بھی اس کا مفہوم بیان کرنے کے لیے کافی نہیں۔ معانی کے اعتبار سے بظاہر احتساب کی طرح انکوی زیشن بھی ایک بے ضرر سا لفظ معلوم ہوتا ہے مگر جب ہم کلیسا بالخصوص ہسپانوی کلیسا کے ماضی پر نظر دوڑاتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی سے لے کر اٹھارھویں صدی تک اس سے زیادہ ہیبت ناک لفظ کوئی نہ تھا۔

یہ ایک وسیع محکمہ تھا، جس کے اندر مخبری، جاسوسی، عدالت اور اذیت رسانی کے شعبے ایک ہی مقصد کے لیے کام کرتے تھے۔ یہ ان راہبوں

---

[1] INQUISITION

کی سلطنت تھی، جو لوگوں کو جبراً عیسائی بناتے تھے اور پھر ان کا مال و دولت چھیننے اور انھیں ہلاک کرنے کے لیے اُن پر یہ الزام عاید کرتے تھے کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے۔

الزام عاید کرنے کے لیے ایک خفیہ گواہ کافی سمجھا جاتا تھا اور الزام ثابت کرنے کا آسان طریقہ یہ تھا کہ ملزم کو اس قدر اذیتیں دی جائیں کہ وہ ناکردہ گناہوں کے اعتراف پر مجبور ہو جائے۔

صلیب کے پرستاروں نے انتہائی بے بسی کی آغوش میں آنکھ کھولی تھی اور پھر صدیوں کے فاصلے طے کرنے کے بعد رومی شہنشاہوں کے دوش بدوش اپنے اقتدار کی مسندیں آراستہ کی تھیں اور اس کے بعد مذہب کے نام پر بے گناہوں کے خون کی ندیاں بہا دی تھیں۔

۳۱۲ء میں قسطنطین کی تخت نشینی کے ساتھ عیسائیت کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ تین صدیوں کے دوران رومی حکمران عیسائیت قبول کرنے والوں کو بدترین سزائیں دیتے رہے، لیکن قسطنطین کے عیسائی ہو جانے کے بعد کلیسا براہِ راست سلطنت کے اقتدار میں حصے دار بن گیا اور زمانے کے ستائے ہوئے راہب مظلوموں کی صف سے نکل کر ظالموں کی صف میں کھڑے ہو گئے اور انھوں نے غیر عیسائیوں کے ساتھ وہی سلوک شروع کر دیا جو قیصرانِ رُوم اپنے سیاسی حریفوں سے کرتے تھے۔

ابتدائی ادوار میں جس نسبت سے قسطنطین کے جانشین طاقت ور ثابت ہوئے، اسی نسبت سے انھیں کلیسا پر سیاسی بالادستی حاصل رہی، مگر کمزور حکمران جن کے اسلاف نے اپنے خون اور پسینے سے کلیسا کی بنیادیں استوار کی تھیں، یہ دیکھ رہے تھے کہ وہ کلیسا کو اپنا آلۂ کار بنانے کی بجائے

بذاتِ خود اس کے آلۂ کار بن کر رہ گئے ہیں۔

کلیسا کے سیاسی اور اخلاقی ضابطوں میں وہ لچک نہ تھی جو رومیوں کے قانون میں تھی۔ عیسائی راہب ہر اس تحریک یا نظریات کے دشمن تھے جو ان کے عقائد سے مختلف تھے۔

ان کے ہاں منطق کا جواب جبر و تشدد تھا۔ خلقِ خدا کے لیے ان کا ایک ہی پیغام تھا اور وہ یہ کہ ہمارے ساتھی بن جاؤ، ورنہ ہم تمھیں مار ڈالیں گے۔

چھٹی صدی کے اختتام تک عیسائی تقریباً نوّے فرقوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور انھوں نے جس شدّت کے ساتھ قدیم مذاہب کے حامیوں کو کچلا تھا اس سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔

ان میں سے جس گروہ کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہوتی تھی، اس سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں کو سزا دینے کا مسئلہ حکومت کے سامنے پیش کیا جاتا تھا لیکن پھر یہ حالت ہو گئی کہ کلیسا کے برسرِ اقتدار فرقوں نے اپنے مخالفین کو سزائیں دینے کا مسئلہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

ریاست پر کلیسا کی گرفت جس قدر مضبوط ہوتی گئی، اسی قدر اس کی آزادی اور خود مختاری میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب شمال سے وحشی اقوام کی یلغار نے رومی سلطنت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں تو کلیسا کے راہبوں نے بتدریج ان وحشیوں کو عیسائیت کی آغوش میں لے لیا اور قدیم سلطنت کے کھنڈروں پر کلیسا کے اقتدار کی نئی عمارت کھڑی کر دی۔

اب پوپ سلطنت کے سرکاری فرقے کی رہنمائی کرتا تھا۔ اسے مخالف فرقوں کو کلیسا سے خارج کرنے یا ان کے لیے سزائیں تجویز کرنے کے تمام

اختیارات حاصل تھے، جو پرانے وقتوں کے قیصر اپنی رعایا بالخصوص عیسائیوں کے خلاف استعمال کرتے تھے۔

جب کلیسا اور برسر اقتدار طبقے کے اہلکار کسی ایسے فرقے کو یا اس کے رہنما کو کچلنے کی ضرورت محسوس کرتے تھے جو ان کے مروجہ دین یا قانون کے کسی ضابطے کی مخالفت کرتا تھا تو اس مقصد کے لیے خاص خاص عدالتیں قائم کی جاتی تھیں۔

تیرھویں صدی کے اوائل تک عوام کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں کلیسا کا عمل دخل اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ پوپ انوسینٹ ثالث نے کلیسا کے محکمۂ احتساب کو ایک مستقل ادارہ[1] بنا دیا اور اس ادارے یا محکمے کے ساتھ نصرانی دنیا

---

[1] ۱۲۰۹ء میں پوپ انوسینٹ نے ایوگنون AVIGNON میں کلیسا کے راہنماؤں کی ایک کانفرنس بلائی اور وہاں یہ فیصلہ ہوا کہ ہر علاقے کا بشپ اس بات کا حتمی اعلان کرے کہ وہ کلیسا سے اختلاف رکھنے والوں کی سزاؤں کے بارے میں پوپ کے احکام کی پابندی کرے گا۔ اس کانفرنس میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایک پادری یا دو عام آدمی کسی آدمی کے بارے میں کسی ایسے قول و فعل کی گواہی دیں جو ارتداد کے دائرے میں آتا ہو تو اس کے خلاف بلا تاخیر اقدام کیا جائے —— پھر ۱۲۱۵ء میں پوپ نے ایک اور کانفرنس بلائی اور انکوی زیشن کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے یہ فیصلہ ہوا کہ تمام عیسائی حکمرانوں سے یہ حلف لیا جائے کہ اگر کلیسا کسی کو مرتد قرار دے تو وہ اسے ختم کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔ اس اقدام سے پوپ انوسینٹ نے یک قلم عوام کو ان کی آزادیٔ ضمیر اور حکمرانوں کو ان کے اختیارات سے محروم کر دیا۔

مرتدین سے مراد وہ لوگ تھے جو حکومت کے تسلیم شدہ چرچ سے قولاً فعلاً کوئی اختلاف رکھتے تھے اور مذہبی معاملات میں اس کی بالادستی تسلیم نہیں کرتے تھے، انھیں کلیسا سے خارج کرنے کے لیے یہ طریق کار وضع کیا گیا کہ جب کلیسا کسی کو مرتد قرار دے تو اسے محکمۂ فوجداری کے حوالے کر دیا جائے اور وہاں سے سزا پانے والوں کی جائداد ضبط کر لی جائے۔ جن لوگوں کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہ ہوتا اور کلیسا صرف شبہ کی بنا پر ان پر کوئی پابندی عاید کرنا چاہتا تو انھیں شہری حقوق سے محروم کر دیا جاتا تھا اور حکمرانوں کو انھیں کوئی ملازمت یا عہدہ دینے کا اختیار نہ ہوتا۔

میں ظلم و تشدد کا وہ دَور شروع ہوا جس کی مثال انسانیت کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔

بعض لوگ انکوی زیشن[1] کے جواز میں انجیلِ مقدس کا حوالہ پیش کرتے ہیں —— اب محکمۂ احتساب کلیسا کے ہاتھ میں ایک ایسا حربہ تھا جسے یورپ کے ظالم ترین حکمرانوں کی افواج سے کہیں زیادہ خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ کسی بادشاہ کی یہ مجال نہ تھی کہ کلیسا کے احکام سے سرتابی کر سکے۔

چنانچہ ۱۲۲۶ء میں شہنشاہ فریڈرک ثانی کو کلیسا کے خوف سے یہ اعلان کرنا پڑا کہ حکومت کے عمّال کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ مقدس انکوی زیشن کے ملازم جہاں جائیں، وہ اُن کی حفاظت کریں اور ان سے عزت کے ساتھ پیش آئیں —— اگر وہ کسی پر شک و شبہ ظاہر کریں تو اسے فوراً گرفتار کر لیا جائے اور جب انکوی زیشن کے اہلکار اس پر فردِ جُرم عاید کریں تو اسے آٹھ دن کے اندر اندر کیفرِ کردار تک پہنچا دیا جائے۔

جن لوگوں کے خلاف ارتداد کا جرم ثابت ہوتا تھا' انھیں عام طور پر زندہ جلا دیا جاتا تھا، لیکن بعض حالات میں صرف ان کی زبان کاٹ دینا بھی کافی سمجھا جاتا جُرم چھوٹا ہوتا یا بڑا' سزا معمولی ہوتی یا انتہائی سنگین، گرفتار ہونے والوں کی جائداد بہر حال ضبط کر لی جاتی تھی —— اُس کا ایک حصہ انھیں گرفتار کرنے والوں' دوسرا اُن کے خلاف اطلاع دینے والوں میں تقسیم ہوتا تھا اور تیسرا کلیسا کے خزانے میں چلا جاتا تھا۔

راہبوں کی ہوس دولت کا یہ عالم تھا کہ انھیں دن رات محکمۂ احتساب کا

---

[1] "میں انگور کا درخت ہوں' تم اس کی ڈالیاں ہو' جو مجھ میں قائم رہتا ہے اور میں اس میں۔ وہی بہت پھل لاتا ہے، کیونکہ مجھ سے جُدا ہو کر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی مجھ میں قائم نہ رہے تو وہ ڈالی کی طرح پھینک دیا جاتا ہے اور سوکھ جاتا ہے اور لوگ اسے جمع کر کے آگ میں جھونک دیتے ہیں اور وہ جل جاتی ہیں۔" یوحنا: باب ۱۵، ۵ تا ۷

دائرہ وسیع کرنے کی فکر رہتی تھی۔ لوگوں پر جھوٹے مقدمات بنانا اور انھیں بد ترین ذہنی اور جسمانی سزائیں دے کر ناکردہ جرائم کے اعتراف پر مجبور کرنا ایک معمول بن چکا تھا۔ خلقِ خدا ظلم کی چکّی میں پس رہی تھی اور کلیسا کے محافظ رومی شہنشاہوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔

○

تیرھویں صدی عیسوی میں ڈومینکی DOMINICAN فرقہ کے عروج کے ساتھ کلیسا کے مظالم کا ایک نیا دَور شروع ہوا اور وہ پادری جنھیں عیسائیت کے ابتدائی دَور میں رومی سلطنت کی حدود کے اندر سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی تھی، عالمِ انسانیت سے اپنے ماضی کی بے بسی اور مظلومیت کا پورا پورا انتقام لے رہے تھے۔

مجرموں کی گرفتاری سے لے کر عدالتوں کے سامنے پیش کرنے اور سزا کا حکم سنانے تک محکمۂ احتساب کی تمام کارگزاری خفیہ ہوتی تھی اور کسی کے اچانک گھر سے غائب ہو جانے پر یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ انکوی زیشن کے جلاد اسے گرفتار کر کے کسی اذیت خانے میں لے گئے ہیں، لیکن انکوی زیشن کے کسی اقدام پر نکتہ چینی کرنا یا اس کے متعلق خبر دینا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔

پندرھویں صدی عیسوی کے اختتام تک یورپ کے کسی مؤرخ کو ان لاکھوں مظلوموں کا ذکر کرنے کی اجازت نہ تھی، جو کلیسا کے حکم سے موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے، لیکن سولھویں صدی میں ماضی کے نقاب آہستہ آہستہ سرکنے لگے اور انکوی زیشن کی ہولناکیوں کے خلاف ستم رسیدہ انسانوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔[1]

---

[1] رینالٹو گونزالز مونٹانو REINALTO GONZALEZ MONTANO غالباً پہلا مصنف تھا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان عیسائی فرقوں کے علاوہ جنہیں رومن کیتھولک چرچ نے مرتد قرار دیا تھا، احتساب کے تشدد کا دوسرا نشانہ یہودی تھے۔
صلیبی جنگوں کے دوران یورپ کے سرمایہ دار یہودیوں نے اپنے

جس کی آواز نے یورپ کے طول و عرض میں محکمۂ احتساب کی ہولناکیوں کے خلاف ایک طوفان بپا کر دیا۔ وہ ایک ہسپانوی تھا جس نے محکمۂ احتساب کے مظالم سے فرار ہو کر جرمنی میں پناہ لی تھی۔

۱۵۶۷ء میں انکوی زیشن کے متعلق اس کی شہرہ آفاق کتاب ہائیڈل برگ (جرمنی) سے شائع ہوئی۔ کلیسا کے مظالم کے خلاف مونٹانوکی آواز اس قدر مؤثر تھی کہ چند برس کے اندر اندر اس کے متعدد ایڈیشن اور یورپ کی دوسری زبانوں میں اس کے تراجم شائع ہو چکے تھے۔ برطانوی حکومت کے ایک اہلکار نے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ میتھیو پارکر آرک بشپ کنٹربری کے نام معنون کر کے شائع کر دیا ــــــ برطانیہ اور مغربی یورپ کے پروٹسٹنٹ فرقے میں یہ کتاب خاص طور پر مقبول ہوئی اور مدتوں محکمۂ احتساب کی ہولناکیوں کے بارے میں مغرب کے تاریخی اور افسانوی ادب کیلئے نشانِ راہ کا کام دیتی رہی ــــــ افسانہ نگاروں اور مصوروں نے کافی تفصیل کیساتھ انکوی زیشن کے ان اذیت خانوں کی تصویریں کھینچیں جہاں شیطان خصلت راہب مردوں کی طرح عورتوں کے کپڑے بھی اتروا دیتے تھے ــــــ اسی موضوع پر ۱۸۱۷ء میں جان انٹونیو لورنٹ کی مشہور کتاب فرانسیسی زبان میں پیرس سے چار جلدوں میں شائع ہوئی ــــــ لورنٹ ۱۷۵۶ء میں پیدا ہوا تھا اور اس کی تصنیف اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ وہ لیگرانو LAGRANO میں محکمۂ احتساب کا سیکرٹری جنرل رہ چکا تھا ــــــ ۱۷۹۴ء میں اس نے محکمۂ احتساب کی عدالتوں کی اصلاح کرنے کی کوشش کی، لیکن تنگ نظر راہبوں کے سامنے اس کی پیش نہ گئی اور اسے ۱۷۹۸ء میں اپنے عہدے سے محروم ہونا پڑا ــــــ جب نپولین بوناپارٹ کا بھائی جوزف اسپین پر قابض ہوا تو وہ اس کے ساتھ مل گیا۔

لورنٹ کو محکمۂ احتساب کے پرانے ریکارڈ تک رسائی حاصل تھی اور جوزف بوناپارٹ نے اس محکمہ کو معطل کرنے کے بعد اس ریکارڈ کی نگہداشت اسے سونپ دی ــــــ لورنٹ نے اپنی مشہور کتاب ابھی ختم نہیں کی

خزانے عیسائیوں کے لیے کھول دیے تھے، لیکن جب ترکان آل عثمان نے ایشیا کی بجائے یورپ کو ہلال وصلیب کی رزم گاہ بنا دیا اور بلقان سے لے کر آسٹریا کی حدود تک فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیے تو مغربی یورپ

تھی کہ نپولین کو زوال آگیا اور لورنٹ کو بھی فرانسیسی افواج کے ساتھ ہی سپین سے نکلنا پڑا، تاہم وہ بہت سا تاریخی مواد اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہو گیا اور پیرس میں اپنی کتاب مکمل کی ـــــ لورنٹ کے اندازے کے مطابق سپین میں ۳۱۲۱۲ آدمی ایسے تھے جنھیں محکمۂ احتساب نے زندہ جلایا تھا۔ ۱۷۶۵۹ ایسے تھے جو محکمۂ احتساب کے آہنی پنجوں سے نکل کر بھاگ گئے تھے اور جن کے پتلے جلائے گئے تھے ـــــ ۱۸۵۵ء میں جان موٹلے کی تصنیف دی رائز آف ڈچ ری پبلک The Rise of Dutch Republic کا پہلا ایڈیشن لندن سے شائع ہوا۔ مصنف محکمۂ احتساب کی عدالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے " یہ عدالت جسے ملک کے ہر دیوانی اور فوجداری ضابطے پر بالادستی حاصل تھی، چند لوگوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ اس کے ظالمانہ فیصلوں کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے کارندے ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تھے اور ایک ایک گھر کی خبر رکھتے تھے۔ یہ عدالت کسی کے سامنے جوابدہ نہ تھی اور اسے انسانی ضمیر کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کرنے کا دعویٰ تھا، نیز اس کے سامنے پیش ہونیوالے ملزم اپنے ظاہری قول وعمل کی بجائے اپنے دل میں چھپے ہوئے خیالات کی سزا پاتے تھے .... لوگوں کو صرف شک کی بنا پر گرفتار کر لیا جاتا تھا، انھیں اس قدر اذیتیں دی جاتی تھیں کہ وہ ناکردہ گناہوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے اور پھر انھیں زندہ جلانے کی سزا دی جاتی تھی .... کسی آدمی کے متعلق صرف ایک خفیہ گواہی اس اذیت خانے میں پہنچا دینے کیلیے کافی سمجھی جاتی تھی۔ پھر جب سردی، بھوک اور ایک صبر آزما تنہائی سے اس کے ذہنی اور جسمانی قویٰ مضمحل ہو جاتے تھے تو محکمۂ احتساب کے عہدیدار اس کا معاینہ کرتے تھے۔ اگر اس میں جواب دینے کی ہمت ہوتی تھی اور وہ ناکردہ گناہوں کا اعتراف کر لیتا تھا تو کم از کم سزا یہ ہوتی تھی کہ اس کی تمام جائداد ضبط کر لی جاتی تھی اور اسے ایک معین عرصے تک یا ساری عمر کے لیے ایک ذلیل لباس سن بینیٹو Sanbenito پہننے کا حکم دیا جاتا تھا...... اگر وہ بیگناہ ہونے پر مُصر رہتا تھا تو اسے مزید اذیتیں دینے کیلیے صرف ایک گواہ اور زندہ جلانے کیلیے دو گواہ کافی سمجھے جاتے تھے۔ ملزم کو صرف فردِ جرم سنائی جاتی تھی اور خفیہ گواہ کسی صورت میں بھی اس کے

کے حکمرانوں کی توجہ گھریلو محاذ پر مبذول ہو چکی تھی۔

یورپ کی تجارت پر یہودیوں کا قبضہ تھا اور عیسائی بادشاہوں سے لے کر ادنیٰ لوگوں تک سب ان کے مقروض تھے۔ انھوں نے اپنے حریص

سامنے پیش نہیں کیے جاتے تھے ——— لوگ کلیسا کے اس حکم سے سخت خوفزدہ رہتے تھے کہ اگر انھیں اپنے کسی عزیز یا جان پہچان کی کسی ایسی بات کا علم ہو، جسے کلیسا قابلِ سزا سمجھتی ہو اور وہ فوراً محکمۂ احتساب کو اطلاع نہ دے تو اسے موت کی سزا دی جا سکتی تھی۔ اس کے ملزم کے خلاف خفیہ گواہی دینے والا اس کا خوفزدہ بیٹا، اس کی بیوی، بہن، بھائی یا باپ بھی ہو سکتا تھا ——— عدل و انصاف کے ظاہری تقاضے پورے کرنے کیلیے ملزم کو محکمۂ احتساب کی طرف سے ایک وکیل بھی مہیا کیا جاتا تھا لیکن اسے ایک قیدی سے کوئی بات چیت کرنے یا کوئی دستاویز دیکھنے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ خفیہ گواہ اس کے علم میں نہیں لائے جاتے تھے اور نہ اسے صفائی کے گواہ پیش کرنے کی اجازت تھی ——— جب ملزم کو اذیت خانے میں بھیجا جاتا تھا تو ایذا رسانی کے آلات اور آہنی شکنجے اس کیلیے آخری عدالت بن جاتے تھے اور ناقابلِ بیان مظالم کے سامنے صبر اور حوصلہ اس کا سب سے بڑا وکیل ہوتا تھا۔ ایذا رسانی کے ماہر آدھی رات کے وقت مشعلوں کی دھیمی روشنی میں اپنا کام شروع کرتے تھے۔ قیدی مرد، عورت یا لڑکی کے کپڑے اتروا دیے جاتے تھے۔ اس کو لکڑی کے ایک بنچ پر بٹھا دیا جاتا تھا اور پھر ایذا رسانی کی وہ مشینیں حرکت میں آتی تھیں جن کے تصور سے انسانی روح کانپ اٹھتی ہے ——— جلاد سر سے پاؤں تک ایک سیاہ لباس میں ملبوس ہوتا تھا۔ اس کے چہرے کے نقاب میں صرف دو سوراخ ہوتے تھے جن کے پیچھے قیدی کو اس کی خونخوار آنکھیں دکھائی دیتی تھیں ——— قیدی کو کبھی گرم سلاخوں سے داغا جاتا تھا اور کبھی اس کی کھوپڑی، بازوؤں اور ٹانگوں کی ہڈیاں شکنجوں میں کسی جاتی تھیں۔"

قریباً اسی دور کا ایک اور مصنف "جان فاکسی" لکھتا ہے کہ کلیسا کے راہب جس بے گناہ کو گرفتار کر لیتے ہیں، اسے سزا دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے اور اس کیلیے وہ جھوٹی قسموں اور جعلی دستاویز سے کام لینے میں بھی دریغ نہیں کرتے ——— فاکسی کی تصنیف "شہیدوں کی کتاب" کے بیسویں ایڈیشن میں ایک پادری انگرم گوبل Ingram Goble نے چند اضافے کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ نپولین کے زمانے

سا ہو کاروں سے پیچھا چھڑانے کے لیے کلیسا سے مدد حاصل کی اور محکمۂ احتساب کے کل پرزے حرکت میں آ گئے۔ ظلم و تشدد کی ایک لہر اُٹھی اور یہودیوں کو اپنے جان و مال کے تحفظ کے لیے جبراً عیسائیت قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔

حامیانِ دینِ مسیحؑ کو پرستارانِ صلیب کی تعداد میں اضافہ کرنے کی بجائے یہودیوں کی دولت سمیٹنے کی فکر تھی۔ انھیں صرف یہ ثابت کرنے کی ضرورت تھی کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے اور اس مقصد کے لیے کلیسا کا محکمۂ احتساب موجود تھا۔ حکمران اور امراء قرضوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے انکوی زیشن کے آلۂ کار بن گئے۔

یں فرانسیسی فوج نے سپین پر قبضہ کرنے کے بعد میڈرڈ میں محکمۂ احتساب کے خفیہ تہہ خانوں کی تلاشی لی تو ایک جگہ سے اذیت دینے والے بعض آلات اور مشینیں دریافت ہوئیں۔ ایک مشین ایسی تھی جس کے ساتھ سزا پانے والوں کو باندھ دیا جاتا تھا اور یہ اس طرح حرکت میں آتی تھی کہ سزا پانے والوں کی ہاتھوں کی انگلیوں سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک جسم کی تمام ہڈیوں کے جوڑ ٹوٹ جاتے تھے۔ ایک جگہ ملزموں کو پانی کے ساتھ عذاب دینے کا ساز و سامان تھا۔ ایک اور مشین کے ساتھ چالیس چھریاں منسلک تھیں۔ جب ملزم کو اس مشین کے ساتھ باندھ کر حرکت میں لایا جاتا تھا تو تیز چھریاں اس کا جسم ریزہ ریزہ کر دیتی تھیں ــــــ شیطانی تخلیق کا بڑا عجوبہ وہ مشین تھی جو بظاہر ایک بڑی گڑیا معلوم ہوتی تھی۔ اس گڑیا کو ایک قیمتی لباس سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس نے اپنے دونوں بازو اس طرح پھیلا رکھے تھے جیسے وہ کسی کو گلے لگا کر پیار کرنا چاہتی ہو۔ اس کے سامنے فرش پر ایک نصف دائرے کا نشان تھا۔ قیدی کو اس خوبصورت گڑیا کی طرف دھکیل دیا جاتا تھا اور جونہی وہ نشان کے اندر پاؤں رکھتا تھا، نیچے کسی سپرنگ پر دباؤ پڑنے سے خفیہ مشین حرکت میں آ جاتی اور گڑیا قیدی کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیتی اور اس کے ساتھ ہی بیک وقت سینکڑوں چھریاں قیدی کے جسم میں پیوست ہو جاتیں۔

عوام یہودیوں کے خلاف ہر سچی جھوٹی بات ماننے کے لیے تیار تھے اور محکمۂ احتساب کے جاسوس کسی سابقہ یہودی کے خلاف قدم اٹھانے کے لیے صرف یہ جان لینا کافی سمجھتے تھے کہ وہ دولت مند ہے۔ جب وہ اچانک اپنے گھر سے غائب ہو جاتا تھا تو اسے جاننے والے یہ سمجھ لیتے تھے کہ وہ محکمۂ احتساب کے کسی اذیت خانے میں پہنچ گیا ہے۔

صلیبی جنگوں میں یورپ کے یہودی سرمایہ داروں نے ہمیشہ عیسائیوں کی مدد کی تھی اور تاریخ کے طالب علم کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ جب جرمنی اور مغربی یورپ کے دوسرے ممالک کے یہودیوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا تھا تو انھیں ترکی کے حکمرانوں[1] نے پناہ دی تھی۔

○

یورپ کی توہم پرستی کے باعث کلیسا کے لیے جادوگروں کا مسئلہ بھی بہت اہم بن چکا تھا۔ ۱۴۸۴ء میں پوپ انوسنٹ ہشتم نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ جادوگری ساری دنیا کے لیے ایک ایسی وبا ہے جس کی روک تھام وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

وسطی اور شمالی جرمنی میں جادوگری کا چرچا بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ پوپ نے ڈومینکی فرقہ کے دو راہنماؤں کو روتر اور سپرنگر کو جادوگروں کے استیصال پر

---

[1] سلطان مراد اول کے زمانے سے لے کر سلطان بایزید یلدرم کے دور حکومت تک ہزاروں یہودی جرمنی سے فرار ہو کر ترکی میں پناہ لے چکے تھے۔

مامور کیا۔ انھوں نے ایک رپورٹ شائع کی جس نے جرمنی میں تہلکہ مچا دیا۔ ان پادریوں کے نزدیک جادوگر شیطان کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ انھوں نے چرچ کو خبردار کیا تھا کہ جادوگر انسانوں کے بچے نگل جاتے ہیں اور ——— شیطانوں کے ساتھ سوتے ہیں۔ سبت کے دن ہوا میں اڑتے ہیں اور مویشیوں کو نقصان پہنچانے، طوفان لانے اور بجلیاں گرانے پر قادر ہیں۔

اس رپورٹ کے بعد ہر پوپ کورونزا اور سپرنگر کے خیالات سے اتفاق کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۵۴۵ء میں جادوگری کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ابتدا جنیوا سے ہوئی جہاں کالون نے ۳۱ آدمی قتل کروا دیے۔

ایک اندازے کے مطابق مغربی یورپ میں چودھویں اور سترھویں صدی کے درمیان پندرہ لاکھ انسان جادوگری کے جرم میں زندہ جلائے گئے۔ صرف جرمنی میں ایک لاکھ انسان سترھویں صدی کے دوران زندہ جلائے گئے تھے۔

اس زمانے میں برطانیہ میں زندہ جلائے جانے والوں کی تعداد بھی لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔

کلیسا کسی کو جادوگر ثابت کرنے کے لیے بھی انھی حربوں سے کام لیتا تھا جو مذہب کے دوسرے مجرموں پر آزمائے جاتے تھے۔

لوگوں کے لیے کسی ساہوکار کے قرضے سے نجات حاصل کرنے یا کسی دشمن سے انتقام لینے کا آسان ترین طریقہ یہ تھا کہ اس کے متعلق جادوگر ہونے کی افواہ اڑا دی جائے۔ پھر جتنا زیادہ وہ دولت مند ہوتا تھا، اسی قدر کلیسا اور حکومت کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اسے مجرم ثابت کیا جائے۔

سب سے بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ جن یہودیوں نے لوٹ مار اور قتل و غارت سے بچنے کے لیے عیسائی مذہب اختیار کیا تھا، ان میں سنگ دل انسانوں کا

ایک گروہ ایسا تھا جو کلیسا کے مظالم میں حصہ دار بننے کے لیے محکمۂ احتساب میں داخل ہو چکا تھا۔

ان لوگوں کو یا تو اس بات کا خطرہ رہتا تھا کہ اگر انھوں نے اپنے ہم جنسوں کے بارے میں کسی نرمی سے کام لیا تو کلیسا سے ان کی وفاداریاں مشکوک سمجھی جائیں گی یا عیسائی ہونے سے قبل انھوں نے صدیوں تک کلیسا کے جو مظالم برداشت کیے تھے، ان کے باعث وہ انتہائی منتقم مزاج اور بے رحم بن چکے تھے۔

رہبانیت کا لبادہ انھیں انسانیت کے خلاف اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کا سامان مہیا کرتا تھا، چنانچہ محکمۂ احتساب کے بدترین ضابطے اور ایذا رسانی کے انتہائی وحشیانہ طریقے انہی لوگوں کے زرخیز دماغ کی اختراعیں تھیں۔

پھر جن لوگوں کی رگوں میں یہودی خون کی آمیزش ثابت کی جا سکتی تھی، انھیں لوگوں کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے اور محکمۂ احتساب کی آہنی گرفت سے بچنے کے لیے عام عیسائیوں کی نسبت زیادہ سنگدلی کا مظاہرہ کرنا پڑتا تھا۔

○

یورپ کے دوسرے ممالک میں محکمۂ احتساب عیسائیوں کے معتوب فرقوں کے بعد یہودیوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا۔ سپین کے حالات یورپ کے دوسرے ممالک سے مختلف تھے۔ جب سپین کے شمال میں عیسائی سلطنتیں مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار تھیں تو یہودی مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کے حلیف ہوا کرتے تھے اور ان کی بڑھتی ہوئی جنگی ضرورت پورا کرنے کے لیے روپیہ مہیا کیا کرتے تھے۔

چنانچہ ۱۲۴۸ء میں جب عیسائیوں نے اشبیلیہ فتح کیا تو اپنے یہودی ساہوکاروں کو خوش کرنے کے لیے اس شہر کی تین بڑی مساجد ان کے سپرد کر دیں اور یہودیوں نے ان مساجد کو اپنی عبادت گاہوں میں تبدیل کر دیا۔

اس کے بعد سپین میں یہودیوں کی ترقی اور خوشحالی کا نیا دَور شروع ہوا۔ تجارت پر پہلے ہی ان کا قبضہ تھا اور اب انھوں نے حکومت میں بھی اہم عہدے حاصل کر لیے تھے۔ الفانسو ہشتم کا خزانچی ایک یہودی تھا اور اس کی ایک داشتہ بھی یہودی تھی۔ حکومت کی سرپرستی میں یہودی اپنے قرض داروں سے چالیس فیصدی تک سُود وصول کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے کئی بااثر خاندان ان کے قرضوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے تھے۔
عیسائی جاگیرداروں کو اپنے یہودی ساہوکاروں کی تجوریاں بھرنے کے لیے عوام سے زیادہ سے زیادہ روپیہ بٹورنے کی فکر رہتی تھی۔ تیرھویں صدی کے وسطِ آخر میں یہودیوں کی بے پناہ دولت اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کے خلاف ایک ردِّ عمل شروع ہوا۔ کلیسا کے راہب پہلے ہی ان کی امارت سے جلے بُھنے تھے۔ چنانچہ انھوں نے عوام اور امراء کے تعاون سے یہودیوں کے خلاف ایک تحریک شروع کر دی۔

عیسائی پادریوں کے ایک گروہ میں سے ایک شعلہ بیان مقرر ہرنینڈ مارٹینز تھا ـــــ یہ جنونی راہب جہاں جاتا تھا، وہاں یہودیوں کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک اُٹھتی تھی۔ اس تحریک میں وہ لوگ پیش پیش تھے، جن کے نزدیک یہودیوں کے قرضوں سے نجات حاصل کرنے کی یہی صورت تھی کہ انھیں لُوٹ لیا جائے اور ان کے بہی کھاتے جلا دیے جائیں۔

مالدار یہودیوں نے مارٹینز کے خلاف بادشاہ، بشپ آف اشبیلیہ اور پوپ سے اپیلیں کیں۔

بادشاہ اور بشپ نے اسے یہودیوں کے خلاف اشتعال انگیزی بند کرنے کے احکام صادر کیے، لیکن ہرنینڈو مارٹینز نے یہ احکام ٹھکرا دیے اور اعلان کیا کہ میرے اندر خدا کی روح ہے اور انسانوں کے احکام میری زبان بند نہیں کر سکتے۔

اس پر اشبیلیہ کے آرک بشپ ڈان پیڈرو نے تنگ آ کر اس کے خلاف فتویٰ لگایا اور اس کے تمام اختیارات چھین لیے۔

پھر جب ایک مجرم کی حیثیت سے اُس کے مقدمے کی سماعت ہونے والی تھی تو آرک بشپ اچانک چل بسا اور ہرنینڈو اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اس کا جانشین بن گیا اور اس نے اوّلین فرصت میں یہودیوں کی کئی عبادت گاہیں جلوا دیں۔

اس کے بعد یہ آگ جس کے شعلے اشبیلیہ کے متمول یہودیوں کے گھروں سے بلند ہوئے تھے، پورے اندلس میں پھیل گئی اور قرطبہ، برگس، طلیطلہ، ارغون قتلونہ، برشلونہ کی گلیاں یہودیوں کے خون سے بھر گئیں اور وہ جو زندہ رہنا چاہتے تھے، ان کے لیے عیسائیت قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔

عوام کے اشتعال کا یہ عالم تھا کہ جن سرکاری حکام نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی، انھیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ عیسائی مؤرخوں کے اندازے کے مطابق کوئی پچاس ہزار یہودی مارے گئے اور قریباً دس لاکھ یہودیوں نے اصطباغ لے لیا۔ جب عوام کا جوش ذرا ٹھنڈا ہوا تو بچے کھچے یہودی جو ابھی تک بہتر مستقبل کی امید پر اپنے دین پر قائم تھے، اپنی پناہ گاہوں سے باہر نکلے اور انھوں نے جلی ہوئی عبادت گاہیں پھر تعمیر کرنی شروع کر دیں۔

لیکن انتقام کی آگ پھر بھڑک اٹھی اور حکومت کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ اب کوئی یہودی اپنی مذہبی عدالتوں میں جج کا عہدہ حاصل نہیں کر سکے گا اور ان کے تمام مقدمات کا فیصلہ عیسائی جج ہی کیا کریں گے۔ ہر شہر میں صرف ایک ہیکل کے سوا باقی تمام عیسائیوں کے گرجوں میں تبدیل کر دیے جائیں گے۔

یہودی طب، جراحی اور علمِ کیمیا میں حصّہ نہیں لے سکیں گے۔ انھیں عیسائیوں کے ساتھ تجارت یا کسی قسم کے لین دین کی اجازت نہیں ہوگی۔ وہ حکومت کے ٹیکس کلکٹر کے عہدے پر فائز نہیں ہو سکیں گے۔ وہ عیسائیوں کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکیں گے اور نہ عیسائی بچوں کے ساتھ کسی مدرسے میں تعلیم حاصل کر سکیں گے۔

انھیں اپنی آبادیوں کے گرد چار دیواری تعمیر کرنی پڑے گی تاکہ وہ عیسائیوں کے ساتھ کسی قسم کا ربط نہ رکھ سکیں اور انھیں اپنے خیالات سے متاثر نہ کر سکیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان شادیاں نہیں ہو سکیں گی۔ اگر کوئی یہودی کسی عیسائی طوائف کے ساتھ بھی تعلق رکھے گا تو اسے زندہ جلا دیا جائے گا۔

یہودیوں کو بال تراشنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ وہ سال میں کم از کم تین بار عیسائی راہبوں کے وہ خطبے سُنا کریں گے جن میں انھیں اور ان کے اکابر کو بدترین گالیوں سے نوازا جاتا تھا۔

جبراً عیسائی بنائے جانے والے یہودیوں کو مارانو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ عیسائیت قبول کرنے کے باعث ان کے لیے ترقی اور خوش حالی کے وہ دروازے کُھل گئے تھے جو یہودیوں پر بند تھے اور وہ اپنی ذہانت اور محنت کے باعث نہ صرف تجارت اور صنعت و حرفت میں آگے نکل گئے تھے بلکہ

انھوں نے کلیسا اور حکومت میں بڑی بڑی ملازمتیں بھی حاصل کر لی تھیں۔
عیسائیوں کے تعصّب کی آگ سے بچنے کے لیے ان کا مذہب قبول کر لیا تھا، لیکن نئے عیسائیوں کی ترقی پُرانے عیسائیوں کو بُری طرح کھٹکتی تھی، چنانچہ انھوں نے اس قسم کی افواہیں پھیلانی شروع کر دیں کہ یہودی صدق دل سے عیسائی نہیں ہوئے ——— اس الزام کے ثبوت کے لیے کلیسا نے اُن نو عیسائیوں سے کام لیا جو کسی لالچ یا خوف سے اپنے بھائیوں کے خلاف جاسوسی کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

جب تک فرڈی نینڈ اور ازابیلا غرناطہ کے مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھے تو انھوں نے یہودیوں سے مالی اعانت حاصل کرنے کے لیے بلنسیہ، قطلونیہ اور المتوار میں انکوی زیشن کو ایک باقاعدہ ادارے کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع نہ دیا، لیکن جب غرناطہ میں مسلمانوں کی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا اور ملکہ ازابیلا پہلی بار اشبیلیہ آئی تو اس نے وہاں انکوی زیشن کی بنیادیں رکھ دیں۔
تاریخ کے طالب علم کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ملکہ ازابیلا کے مشیروں، سکریٹریوں اور نجی ملازموں میں اُن نئے عیسائیوں کی خاصی تعداد موجود تھی جو نسلاً یہودی تھے۔ ان یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں فرڈی نینڈ کو بہت مدد دی تھی اور وہ اُن کا احسان مند تھا، لیکن اُن سے زیادہ دولت بٹورنے کے لیے وہ بھی ملکہ کا حامی بن گیا ؛

ڈومینکی فرقے کا ایک راہب جس نے انکوی زیشن کو مذہب کا ایک انتہائی مقدس فریضہ بنا دیا تھا اور ہسپانیہ میں ظلم واستبداد کی عمارت کے لیے

پائدار بنیادیں مہیا کی تھیں۔ سگوویا کی خانقاہ کا ایک راہب تورکمیڈا[1] تھا۔ وہ سیاہ رنگ کا کھردرا لباس پہنتا تھا اور لوگ اس کی سادگی سے مرعوب تھے۔

اور اندلس کے حکمران جس بات سے خاص طور پر متاثر ہوئے وہ اُس کی شیطانی ذہانت تھی۔ ۱۴۷۸ء میں جب کہ تورکمیڈا کی عمر ۵۸ سال ہو چکی تھی وہ طلیطلہ اور ارغون کا محتسب اعلیٰ مقرر ہوا اور اُس نے ظلم و وحشت کا ایک ایسا بھیانک نظام رائج کیا، جس کے تصور سے انسان کا ضمیر کانپ اُٹھتا ہے۔

فرڈی نینڈ کو غرناطہ کے مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن اور طویل جنگ لڑنے کے لیے زیادہ سے زیادہ سرمائے کی ضرورت تھی اور اُس نے کلیسا کی بجائے اپنی ضرورت پورا کرنے کے لیے محکمۂ احتساب کو ایک خود مختار ادارہ بنا دیا تھا۔ مفتوحہ علاقوں میں اس کی بیشتر رعایا اپنی جان و مال بچانے کے لیے عیسائی مذہب قبول کر چکی تھی۔

ان نئے عیسائیوں میں مال دار گھرانے اس کی نگاہوں میں بُری طرح کھٹکتے تھے اور اسے ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو اپنے چہرے پر مذہب کی نقاب ڈال کر خلقِ خدا کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ لوٹ سکتا ہو اور نئے عیسائیوں کو پاپائے روم کے تحفظ سے محروم کرنے کے لیے یہ تاثر دے سکتا ہو کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے، اس سے صرف دین کی بھلائی مقصود ہے۔

تورکمیڈا نے انکوی زیشن کے لیے جو رہنما اصول وضع کیے تھے، وہ فرڈی نینڈ کی اسی ضرورت کے لیے تھے۔ اس نے جو قواعد و ضوابط بنائے تھے اُن کا اصل مقصد لوگوں کی املاک ضبط کرنا تھا، چنانچہ ارتداد کے مجرموں کی جائدادیں اُس

---

[1] بعض روایات کے مطابق تورکمیڈا کا شجرۂ نسب یہودیوں سے ملتا جلتا تھا۔ اسی طرح فرڈی نینڈ کے متعلق بھی یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی رگوں میں یہودی خون کی آمیزش تھی۔

ن سے ضبط بھی جاتی تھیں، جب وہ کلیسا کے خلاف پہلی بار کسی جُرم کے مرتکب ہوتے تھے۔

ارتکابِ جرم اور گرفتاری کے درمیان اگر اُنھوں نے اپنی جائداد کا کوئی حصّہ قرضہ چکانے یا کوئی اور ضرورت پوری کرنے کے لیے فروخت کر دیا ہوتا تھا تو وہ بھی ضبط کر لیا جاتا تھا۔ پھر جب محکمۂ احتساب کے جلاد ایک آدمی سے ناکردہ گناہ کا اعتراف کروا لیتے تھے تو اسے مزید اذیتیں دے کر دوسرے لوگوں کو پھانس لیا جاتا تھا۔

مثلاً ایک ملزم کو بیان دینے پر مجبور کیا جاتا تھا کہ اس کا باپ، دادا، بھائی، ماموں یا چچا بھی اس کے ہم خیال تھے تو وہ بھی گرفتار ہو کر اذیت خانوں میں پہنچ جاتے تھے۔ اس طرح ایک فرد یا ایک کنبہ کی بربادی سے ان گنت خاندانوں کی تباہی کا راستہ کھُل جاتا تھا۔

باپ یا دادا کی موت سے چالیس سال بعد بھی ان کے فرضی جرائم کی سزا دی جاتی تھی اور وہ تمام جائداد جو چالیس سال کی مدّت میں کئی وارثوں میں تقسیم ہو چکی ہوتی تھی ضبط کر لی جاتی تھی اور اس کا جو حصّہ فروخت ہو چکا ہوتا تھا یا جہیز میں دیا جا چکا ہوتا تھا، وہ بھی ضبط کر لیا جاتا تھا۔

کلیسا مُردوں کو جسمانی اذیتیں دینے پر قادر نہ تھا، اس لیے قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال کر زندہ جلائے جانے والے مجرموں کے ساتھ آگ میں جھونک دی جاتی تھیں۔

جو لوگ ملک سے فرار ہو چکے ہوتے تھے، ان پر ان کی غیر حاضری میں مقدمے چلائے جاتے تھے اور جب کسی مفرور کی موت کا فیصلہ ہوتا تھا، اُس کا پُتلا جلا دیا جاتا تھا۔

کمسن مجرموں کے ساتھ یہ رعایت برتی جاتی تھی کہ اگر وہ یہ اعتراف کر لیتے کہ وہ اپنے والدین کی گمراہی کا شکار ہوئے ہیں تو ان کی سزا نسبتاً کم ہوتی تھی لیکن وہ اپنے والدین کی ضبط شدہ املاک سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

○

ماضی کے حکمران اپنی رعایا سے زیادہ سے زیادہ ٹیکس وصول کرنے کے لیے یہودی کارندوں سے کام لیا کرتے تھے، لیکن تورکمیڈا اور اس کے جانشینوں نے فرڈی نینڈ اور ازابیلا کو یہودیوں کی خدمات سے بے نیاز کر دیا تھا۔

اب کسی کے جان و مال پر ہاتھ ڈالنے کی آسان ترین ترکیب یہ تھی کہ پہلے اس پر مرتد ہونے کا الزام عاید کیا جائے۔ گرفتار کرنے والوں کو ملزم کے خلاف ثبوت کی بالکل ضرورت نہ تھی۔ محکمۂ احتساب کے اذیت خانے موجود تھے۔

سخت جان لوگوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں اور ہر اذیت کے بعد پھر ایک نیا بیان لیا جاتا تھا۔ پھر ان بیانات کے معمولی فرق سے بھی یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا کہ ملزم نے دانستہ غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

ملزم پر انکوی زیشن کے جلادوں کی گرفت اتنی مضبوط ہو جاتی تھی کہ اسے اپنی زندگی کی آخری سانس تک نئی نئی اذیتیں برداشت کرنے یا رحم کی امید پر ناکردہ گناہوں کا اعتراف کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

پھر محکمۂ احتساب کے کارندے یہی کافی نہیں سمجھتے تھے کہ ملزم نے اپنے ذاتی گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے بلکہ اسے اپنے دوسرے ساتھیوں کے نام ظاہر کرنے کے لیے مزید اذیتیں دی جاتی تھیں، یہاں تک کہ ملزم کی ذہنی حالت یہ ہو جاتی تھی کہ وہ آرام کے چند سانس لینے کے لیے کئی بے گناہوں کے

نام ظاہر کر دیتا تھا۔ اس طرح ظلم وتشدد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

مقدمات کا فیصلہ ہونے میں کئی مہینے اور بعض اوقات کئی کئی سال لگ جاتے تھے۔ ملزم کی گرفتاری کے ساتھ اس کی تمام جائداد محکمۂ احتساب اپنی تحویل میں لے لیتا۔ اس کے گھر کے سارے سازوسامان کی مکمل فہرست تیار کی جاتی اور قید کے ایام میں اس کے تمام اخراجات اُس کی جائداد کی نیلامی سے پورے کیے جاتے تھے۔ ان اخراجات میں وکیل کی فیس بھی شامل ہوتی تھی۔ اس طرح انتہائی باعزت اور مالدار آدمیوں کے بال بچے صرف زندہ رہنے کے لیے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

گرفتار ہونے والے ملزموں کو جسمانی سزا سے پہلے ذہنی اذیتیں دی جاتی تھیں۔ ابتدا میں انھیں اذیت خانے دکھا کر مختلف سزاؤں سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس کے بعد انھیں مسلسل کئی کئی دن جگائے رکھنے کی سزا دی جاتی تھی اور انھیں پے در پے سوالات سے تھکا کر اپنی مرضی کے بیان حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اسے ذہنی طور پر مفلوج کرنے کے لیے ننگا اور بھوکا رکھا جاتا تھا اور اُس سے متضاد بیان دلوائے جاتے تھے۔

جب ذہنی اذیتیں ملزم سے اقبالِ جرم[1] کروانے میں ناکام ثابت ہوتی تھیں تو اسے جسمانی عذاب دیا جاتا تھا۔

---

[1] انکوی زیشن کے عام مؤرخ صرف چند سزاؤں کا ذکر کرتے ہیں لیکن مارسلیس جسمانی سزاؤں کے ۱۴ مختلف طریقے بیان کرتا ہے۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ ملزم کے پاؤں کے تلوؤں کو چربی لگا کر انگاروں یا گرم سلاخوں سے حرارت پہنچائی جاتی تھی۔ پھر کوڑے لگا کر صلیب پر لٹکا دیا جاتا تھا اور ایک ہاتھ میں میخ ٹھونک دی جاتی تھی ——
ایک اور طریقہ یہ تھا کہ اذیت خانے کی چھت پر ایک چرخی لگی ہوتی تھی جس کے اوپر سے اس کو لٹکا دیا جاتا تھا رسّے کے ایک سرے سے ملزم کی دونوں کلائیاں پیچھے کی طرف باندھ دی جاتی تھیں۔ یہ جلاد رسے کو

کلیسا کی عدالت سے سزا پانے والے ملزم دو حصوں میں تقسیم کیے جاتے تھے۔ ایک وہ جو اذیت کے دوران اعترافِ جرم کر لیتے تھے لیکن اس کے بعد منحرف ہو جاتے تھے۔ دوسرے وہ جو اعترافِ گناہ کے بعد پہلی بار موت کی سزا سے بچ جاتے تھے، لیکن ان کے خلاف دوبارہ اسی جرم کے ارتکاب کی گواہی مل جاتی تھی۔ ان دونوں گروہوں کو عام طور پر زندہ جلایا جاتا تھا۔

اذیت خانے سے لے کر عدالت تک اور عدالت سے لے کر اُس چوک یا میدان تک جہاں مجرموں کو زندہ جلانے کی رسومات ادا کی جاتی تھیں۔ محکمۂ

آہستہ آہستہ اُوپر کھینچتے تو ملزم کے پاؤں زمین سے اُٹھ جاتے تھے اور اس کا سارا وزن پیچھے کی طرف بندھے ہوئے بازوؤں پر آ جاتا تھا۔ پھر رسّے کو ذرا ڈھیلا کر کے اُس سے سوالات پوچھے جاتے تھے اور اعترافِ گناہ کا مشورہ دیا جاتا تھا۔ اگر وہ اقرارِ جرم نہ کرتا تو جلاد رسّہ کھینچ کر اسے چھت کے قریب لے جاتے، پھر رسّا اچانک ڈھیلا چھوڑ دیا جاتا۔ جب ملزم تیزی سے نیچے آتا تو رسّا اچانک کھینچ لیا جاتا۔ اس طرح ایک زبردست جھٹکے کیساتھ اس کے بازو اکھڑ جاتے۔ ایک ناقابلِ برداشت تکلیف کی حالت میں ملزم کو دوبارہ جلادوں کے سوالات کا جواب دینا پڑتا۔ اگر وہ اعترافِ جرم پر آمادہ نہ ہوتا تو چھت کی طرف کھینچنے اور جھٹکے کے ساتھ نیچے گرانے کی مشق دوبارہ دہرائی جاتی اور اس سزا کو مزید اذیت ناک بنانے کیلیے ملزم کے پاؤں کے ساتھ وزن باندھ دیا جاتا اور ہر جھٹکے کے ساتھ وزن میں اضافہ کیا جاتا۔ پھر درد کی شدت میں اضافہ کرنے کیلیے اوپر اور نیچے کا فاصلہ بڑھا دیا جاتا ــــــ جب جلاد تھک جاتے تو ملزم کو فرش اور چھت کے درمیان کچھ دیر معلق چھوڑ دیا جاتا ــــــ مؤرخ ملگارس مارن لکھتا ہے کہ بعض اوقات سخت جان ملزموں کو تین تین گھنٹے معلق رکھا جاتا تھا۔ جب وہ بیہوش ہو جاتے تھے تو اذیت کو دو یا تین دن کیلیے ملتوی کر دیا جاتا تھا۔ یہ شغل تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اس وقت تک جاری رہتا تھا، جب تک کہ ملزم اقرارِ جرم پر آمادہ نہیں ہو جاتا تھا ــــــ محکمۂ احتساب کے کلرک جلادوں کی کارگزاری، ملزم کی عمر، صحت، لٹکائے جانے اور معلق رکھنے کے اوقات، اس کی ذہنی اور جسمانی حالت پر ان وحشیانہ سزاؤں کی پوری تفصیلات لکھتے جاتے تھے ــــــ اس کے بعد پانی کے ساتھ دی جانے

احتساب کے ملازم اس بات کی پوری کوشش کرتے تھے کہ سزا پانے والے اپنی موت سے پہلے اپنے گناہ کا اعتراف کرلیں۔ اگر کوئی آخری لمحات میں بھی راہبوں کی خواہش کے مطابق کوئی ناکردہ گناہ اپنے سر لے لیتا تھا تو اسے اس فرمانبرداری کا یہ صلہ دیا جاتا تھا کہ جلاد جو اس کے پیچھے کھڑا ہوتا تھا، آگ کے شعلے قریب آنے سے پہلے اُس کا گلا گھونٹ دیتا تھا یا گردن مروڑ کر ہلاک کر دیتا تھا ——— اور خداوندانِ کلیسا اس بات پر خوشیاں مناتے تھے کہ اُن کی کوششوں سے ایک گناہ گار اپنی رُوح کی ہلاکت اور جہنم کے دائمی عذاب سے بچ گیا ہے۔

تورکمیڈا اپنی موت سے پہلے ایک ایسی بھیانک چتا تیار کرچکا تھا جو اُس

والی اذیت انتہائی ظالمانہ تھی اور محکمۂ احتساب کو بہت پسند تھی۔ ملزم کو ایک سیڑھی نما تختے پر لٹا دیا جاتا تھا۔ اس کا سر پاؤں سے ذرا نیچے رکھا جاتا تھا اور چمڑے کے تسمے کے ساتھ کس دیا جاتا تھا ——— پھر اسی طرح اس کے پاؤں، کلائیاں اور گھٹنے بھی چمڑے کے تسموں کے ساتھ کس دیے جاتے تھے۔ اس کے بعد تسموں کے نیچے لکڑیاں ڈال کر انھیں اس قدر بٹ دیا جاتا تھا کہ چمڑے کے تسمے جلد کے اندر دھنس کر ہڈیوں تک جا پہنچتے تھے۔ اس کے باوجود اگر اس میں زندگی کے کوئی آثار رہ جاتے تھے تو اس کے نتھنوں میں روئی یا کپڑا ٹھونس دیا جاتا تھا۔ وہ سانس لینے کیلیے منہ کھولتا تھا تو جلاد کپڑے کے ایک طویل ٹکڑے کا سرا اس کے مُنہ میں ٹھونس دیتے تھے اور اوپر سے پانی گراتے تھے۔ یہ کپڑا کھنچتے ہوئے سانس اور پانی کے دباؤ کی وجہ سے حلق کے اندر چلا جاتا تھا اور جس قدر یہ کپڑا تر ہو کر پھولتا جاتا تھا، اسی قدر ملزم کو سانس لینے میں دُشواری محسوس ہوتی تھی۔ صرف اتنی ہوا اندر جا سکتی تھی کہ وہ زندہ رہ سکتا تھا۔ کپڑے پر پانی مسلسل گرایا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ہی تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ملزم کو اعترافِ جُرم کی دعوت دی جاتی تھی ——— جب وہ نزع کے عالم میں محکمۂ احتساب کی حسبِ منشا اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیتا تو کلرک اس کا بیان لکھ لیتے اور اسے تختے سے اُتار کر اپنے بیان پر دستخط کرنے کے لیے کہا جاتا تھا۔ اگر وہ انکار کرتا تو دوبارہ سزا شروع ہو جاتی تھی۔

کے بعد مسلسل دو صدیاں جلتی رہی۔ تورکمیڈا کی زندگی میں اس مہیب الاؤ کا ایندھن عام طور پر یہودی تھے، لیکن سقوطِ غرناطہ سے چند سال بعد وہ مسلمان بتدریج اس آگ کے شعلوں کی طرف دھکیلے جا رہے تھے جن کے ساتھ فرڈی نینڈ کے معاہدے کی ایک اہم ترین شرط یہ تھی کہ کم از کم چالیس سال تک مفتوحہ علاقوں میں محکمۂ احتساب کو کسی قسم کی کارروائی کا اختیار نہیں ہوگا۔

بڑھتے ہوئے اندھیرے

سلطان ابوعبداللہ کی ہجرت کو چار سال ہو چکے تھے اور اندلس کے لوگ اس کے متعلق صرف اتنا جانتے تھے کہ وہ مراکش کے حکمران مولائے حسن کی فوج میں شامل ہو چکا ہے۔

الفجارہ میں وزیر ابوالقاسم کے متعلق بھی کچھ عرصہ مختلف افواہیں مشہور ہوتی رہیں اور ہر نئی افواہ کے ساتھ اضطراب کی ہلکی ہلکی لہریں اُٹھتیں لیکن چند دن بعد سکوت طاری ہو جاتا۔ آہستہ آہستہ اس کے ساتھ لوگوں کی دلچسپی کم ہو رہی تھی اور آخر یوں محسوس ہونے لگا جیسے ____ وہ کبھی تھا ہی نہیں ____

فرڈی نینڈ کی ہدایات کے مطابق غرناطہ کے گورنر مینڈوزا نے اہلِ شہر کو پُرامن رکھنے کے لیے جو نرم پالیسی اختیار کی تھی اور آرک بشپ ٹلاویرہ جس ظاہری رواداری سے کام لے رہا تھا' اس کے باعث اپنے مُستقبل کے متعلق اہلِ شہر کے خدشات بہت حد تک دُور ہو چکے تھے، لیکن ملکہ ازابیلا اُن تنگ نظر راہبوں کے زیرِ اثر تھی جنھیں مسلمانوں پر کلیسا کی مکمل فتح کے لیے ایک دن کی تاخیر بھی گوارا نہ تھی۔ وہ انھیں جبراً عیسائی بنانے اور اُن کی مساجد کو گرجوں میں تبدیل کرنے کے منصوبے تیار کر چکے تھے اور ملکہ کی ساری ہمدردیاں اُن کے

ساتھ تھیں، لیکن فرڈی نینڈ بغاوت کے خوف سے کوئی سخت قدم اُٹھانے سے گریز کرتا تھا۔

○

۱۴۹۹ء کے موسم خزاں میں غرناطہ میں فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کے ساتھ طلیطلہ کے آرک بشپ زمینیس کی آمد مسلمانوں کے لیے آلام و مصائب کے ایک نئے دَور کا پیش خیمہ تھی۔ ڈومینکی فرقہ کے اس چھیاسٹھ سالہ راہب کے نزدیک دینِ صحیح کا بول بالا کرنے اور "گنہگار" انسانوں کو آخرت کے عذاب سے بچانے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ انھیں موت سے پہلے ہی جہنّم کی آگ میں جھونک دیا جائے۔

چار سال قبل طلیطلہ کا آرک بشپ ہونے تک اسے "سگوویا" کی خانقاہ میں ایک تارک الدنیا کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا۔ مسلسل ریاضتوں نے اسے زندگی کی ساری لطافتوں سے مُتنفّر کر دیا تھا اور برسوں جسمانی اذیتیں برداشت کرنے کے باعث وہ رحم اور مروّت کے جذبات سے یکسر عاری ہو چکا تھا۔ ملکہ ازابیلا اس کے زہد و تقویٰ سے بے حد مرعوب تھی اور کیتھولک مذہب کی ایک اہم رسم کے مطابق اُس کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا کرتی تھی۔ اُس نے فرڈی نینڈ کی خواہشات کے خلاف اسے طلیطلہ کا آرک بشپ مقرر کیا تھا ــــــ

غرناطہ کی گلیوں اور بازاروں کی رونق سراسر زمینس کی توقع کے خلاف تھی ــــــ اُس نے وہ خوب صورت مساجد دیکھیں جہاں اب بھی پانچ وقت اللہ اکبر کی اذانیں سنائی دیتی تھیں ــــــ اُس نے وہ سینکڑوں حمام

دیکھے جہاں مسلمان غسل کرتے تھے ــــــ اُس نے غرناطہ کے کتب خانوں کے حالات معلوم کیے جہاں گزشتہ آٹھ سو سال کے علمی ذخیرے جمع تھے اور پھر نفرت کی وہ آگ جو برسوں سے اُس کے سینے میں سُلگ رہی تھی، اچانک بھڑک اُٹھی ــــــ

فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا نے آتے ہی، سول اور فوجی حکام کو طلب کیا اور اُن سے شہر اور گرد و نواح کے مفتوحہ علاقوں کے بارے میں رپورٹ طلب کی ــــــ فرڈی نینڈ اس بات سے خوش تھا کہ ــــــ غرناطہ کی طرح ہر جگہ حالات اطمینان بخش تھے اور سقوطِ غرناطہ کے بعد ملکہ نے جو خدشات محسوس کیے تھے، وہ غلط ثابت ہوئے ہیں ــــــ اُندلس میں مسلمان اپنی شکست تسلیم کر چکے ہیں اور اب کسی بغاوت کا خطرہ باقی نہیں۔

لیکن یہ صورتِ حال ملکہ ازابیلا کو مُطمئن کرنے کے لیے کافی نہ تھی۔ وہ اس بات سے بہت پریشان تھی کہ ــــــ مسلمان ابھی تک اپنے دین پر قائم ہیں اور اسی لیے وہ زیمینس کی طرف پُرمعنی نظروں سے دیکھتی رہتی۔

پھر ایک دن اُس نے غرناطہ کے گورنر اور آرک بشپ کی موجودگی میں فرڈی نینڈ کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے کہا "جب ہم نے غرناطہ فتح کیا تھا تو میری سب سے بڑی خواہش تھی کہ موت کے بعد مجھے الحمرا میں دفن کیا جائے، لیکن اب سات سال بعد میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ ہم نے صرف اپنی سلطنت کی وسعت میں اضافہ کیا ہے اور وہ مقصد جس کے لیے ہم نے یہ جنگ لڑی تھی، ابھی تک پورا نہیں ہوا ــــــ غرناطہ میں ہمارے سپاہی دینِ مسیح کا بول بالا کرنے کی بجائے ہمارے دُشمنوں کے گھروں پر پہرا دے رہے ہیں، اور ہمارا گورنر اور آرک بشپ ان کی ڈھال بن چکے ہیں "

فرڈی نینڈ نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا "اگر فادر زیمینیس نے غرناطہ کے گورنر اور آرک بشپ کے خلاف کوئی نئی شکایت پیش کی ہے تو آپ کو کھل کر بات کرنی چاہیے۔"

ملکہ بولی "فادر زیمینیس کی شکایت بہت پرانی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ہم نے ان کی شکایت دُور نہ کی تو ہماری آیندہ نسلیں ہمارا مذاق اڑائیں گی۔ ہم نے سات سال قبل غرناطہ پر صلیب کے پرچم نصب کیے تھے لیکن میں آج گورنر مینڈوزا اور فادر تلاویرہ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اس شہر میں اب تک کتنے مسلمانوں کو عیسائی بنایا گیا ہے، کتنے گرجے اور خانقاہیں تعمیر ہُوئی ہیں؟ ـــــــ اور کیا ان لوگوں کو عیسائیت کے دامن میں پناہ دینا اور جہنم کی آگ سے بچانا ہماری اوّلین ذمہ داری نہیں؟"

فرڈی نینڈ نے جواب دیا "ملکہ عالیہ! میں اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہوں، مگر آپ کو یہ کیسے سمجھایا جائے کہ مسلمانوں کو غلام بنانے کے لیے صرف طاقت کی ضرورت تھی، لیکن انھیں عیسائی بنانے کے لیے حکمت اور دانائی کی ضرورت ہے ـــــــ ان کی شاہرگ ہر وقت ہمارے ہاتھ میں ہے، مگر ان کے دل مسخر کرنے کے لیے ہمیں صبر اور حوصلے سے کام لینا پڑے گا۔"

زیمینیس کمرے میں داخل ہوا تو ملکہ نے مسند سے اُتر کر اُس کا استقبال کیا اور دو زانو ہو کر اس کی قبا کو بوسہ دیتے ہوئے بولی "مقدس باپ! تشریف رکھیے!"

زیمینیس نے بے پروائی سے فرڈی نینڈ کی طرف دیکھا اور مینڈوزا کے دائیں ہاتھ خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ملکہ دوبارہ مسند پر آ بیٹھی۔ چند ثانیے کمرے

میں خاموشی چھائی رہی۔ بالآخر فرڈی نینڈ نے کہا "مقدس باپ! ملکۂ عالیہ کو یہ شکایت ہے کہ آپ غرناطہ کے گورنر اور آرک بشپ کی کارگزاری سے مطمئن نہیں ہیں؟"

زیمینیس نے جواب دیا "عالیجاہ! مجھے غرناطہ کے گورنر کے کاموں میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں، لیکن میرے معزز بھائی تلاویرہ کلیسا سے تعلق رکھتے ہیں اور کلیسا کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے اگر میں کسی معاملے میں کوئی مشورہ دینا چاہوں تو مجھے یقین ہے کہ وہ بُرا نہیں مانیں گے۔"

بشپ تلاویرہ نے جواب دیا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کلیسا کی بھلائی کے لیے کوئی نیک مشورہ دیں اور میں اس پر عمل نہ کروں؟"

زیمینیس نے فرڈی نینڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "عالیجاہ! میں یہاں بہت بڑی امیدیں لے کر آیا تھا، لیکن غرناطہ کے حالات دیکھ کر میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ کلیسا نے آپ کی عظیم فتح کے ساتھ جو توقعات وابستہ کی تھیں وہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہیں ——— اگر آپ غرناطہ میں مسلمانوں کی مساجد، درسگاہیں اور کتب خانے دیکھیں تو آپ کو یہ یقین نہیں آئے گا کہ یہ شہر بھی آپ کی سلطنت کا حصہ ہے۔ اُن کی رسُومات، ان کی زبان اور رہن سہن کے طریقوں میں رتی بھر تبدیلی نہیں آئی۔ اُن کے لباس دیکھ کر آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ وہ اب بھی غرناطہ کے حکمران ہیں۔ حکومت کی ناز برداری نے انھیں اس قدر مغرور کر دیا ہے کہ وہ کسی بڑے سے بڑے پادری کے سامنے بھی دوزانو ہونا پسند نہیں کرتے۔ میں فادر تلاویرہ کی شکایت نہیں کرتا کہ ان کا طرزِ عمل وہی ہو سکتا ہے جو حکومت کو پسند ہو لیکن عیسائیت کے ان باغیوں کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں کہ ان کی ناز برداری کی جائے اور اُن کے ساتھ بحث کرنے کے

لیے عیسائیت کے مبلغین کو عربی زبان سیکھنے کی ترغیب دی جائے ——
مجھے یہ سن کر بہت دکھ ہوا کہ فادر تلاویرہ نے، جن پر ہر معاملے میں کلیسا کی برتری ثابت کرنے کا فرض عاید ہوتا ہے، اس بڑھاپے میں عربی زبان سیکھی ہے تاکہ وہ مسلمان علمأ کے ساتھ بحث کر سکیں۔ میں عیسائیت کے معاملے میں ان لوگوں کو بحث کی دعوت دینا ایک گناہ سمجھتا ہوں.....

عالیجاہ!" اس نے اپنی بات جاری رکھی "یہودی اپنے گھروں میں عبرانی بولتے تھے اور گھروں سے باہر ہماری زبان میں گفتگو کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود ہمارے پادری انھیں دینِ مسیح کی برتری کا قائل نہ کر سکے۔ اگر ان میں سے کوئی کسی لالچ میں آکر عیسائی ہو جاتا تھا، تو بھی اس کی ساری ہمدردیاں اپنی قوم کے ساتھ ہوتی تھیں اور عیسائیت کے ساتھ اس کا تعلق محض نمائشی ہوتا تھا۔ یہ آپ اور ملکۂ عالیہ کا ایک عظیم کارنامہ تھا کہ غرناطہ کی جنگ سے فارغ ہوتے ہی آپ نے اس ملعون قوم کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ ان کے لیے اسپین چھوڑنے یا عیسائیت قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔"

وہ تھوڑی دیر کے لیے رکا اور پھر بولنے لگا "جو یہودی ملک چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں وہ کلیسا کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں اور جو کلیسا کو دھوکا دینے کے لیے عیسائی بن گئے ہیں، ان کی اندرونی شیطنت ختم کرنے کے لیے محکمۂ احتساب موجود ہے۔ وہ کسی دن یا تو دل سے عیسائی ہو جائیں گے، ورنہ ان کے لیے جو چتا محکمۂ احتساب نے تیار کی ہے، وہ اس وقت تک جلتی رہے گی جب تک کہ ان کا ایک ایک بچہ بھسم نہیں ہو جاتا، لیکن —— مسلمانوں کے متعلق آپ کا طرزِ عمل میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔ وہ جس آزادی اور بے فکری کے دن گزار رہے ہیں، اس سے مجھے یہ خوف محسوس ہوتا ہے کہ جب ہم نہیں

ہوں گے تو ہماری آیندہ نسلیں انھیں قابلِ نفرت سمجھنے کی بجائے کہیں اُن کے طور طریقے ہی اختیار نہ کرلیں ۔"

فرڈی نینڈ نے ملکہ کی طرف دیکھا ــــــــــــ اُس کی نگاہیں زیمینیس کی تائید کر رہی تھیں ۔ پھر قدرے توقف کے بعد وہ زیمینیس سے مخاطب ہوا " آپ کو یہ شکایت ہے کہ ہم نے یہودیوں کی طرح مسلمانوں کو بھی جبراً عیسائی کیوں نہیں بنایا ، لیکن آپ یہ بھول جاتے ہیں کہ اسپین کے یہودی غیر مشروط طور پر ہماری رعایا تھے ، لیکن جن مسلمانوں کی سلطنتوں پر ہم نے قبضہ کیا ہے ان کے ساتھ ہمارے اور اسپین کے سابق حکمرانوں کے تحریری معاہدے موجود ہیں ۔ ان معاہدوں میں اس بات کا حلفیہ وعدہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو جو حقوق اور مراعات دی گئی ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور ان میں سے بعض معاہدے تو ایسے بھی تھے جن کی توثیق پاپائے رُوم سے کرائی گئی تھی ــــــــــــ اہلِ غرناطہ کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا ، ہم نے اس کی ہر شرط کا احترام کرنے کا حلف اُٹھایا تھا ۔ اس معاہدے کو کلیسا کی تائید بھی حاصل تھی ۔ ہمارے کسی بشپ کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا ۔ اب آپ ہمیں یہ مشورہ نہیں دے سکتے کہ ہم اپنے حلف نامے سے منحرف ہو جائیں ــــــــــــ اور اگر آپ کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ مستقبل کے مؤرخ ہمارے متعلق کیا کہیں گے تو بھی آپ کو اتنا ضرور سوچنا چاہیے کہ یہ بدعہدی مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگی ــــــــــــ یہ قوم جس نے قریباً آٹھ سو سال اس ملک میں حکومت کی ہے ، یہودیوں سے بہت مختلف ہے ــــــــــــ زخمی درندے کا آخری حملہ بہت خطرناک ہوتا ہے ۔ انھیں عیسائی بنانے کے لیے میں آپ سے کم بے چین نہیں ہوں ، لیکن زخمی شیر کی کھال اُتارنے سے

پہلے آپ کو اُس کا جسم ٹھنڈا ہو جانے کا انتظار کرنا چاہیے۔"

زمینیس نے کہا "عالیجاہ! جو قوم زندہ رہنے کے لیے ہماری غلامی قبول کر سکتی ہے، وہ موت سے بچنے کے لیے ہمارا دین بھی قبول کر سکتی ہے۔ آپ نے معاہدے کی شرائط کا ذکر کیا ہے، لیکن میں صرف یہ جانتا ہوں کہ غلامی ہمیشہ غیر مشروط ہوتی ہے اور بادشاہ اور رعایا کے درمیان جو معاہدے طے پا جاتے ہیں، ان کا مفہوم وہی ہوتا ہے، جسے بادشاہ درست تسلیم کرتا ہو ______ جہاں تک آپ کے حلفیہ اقرار کا تعلق ہے، پاپائے رُوم کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ کلیسا کی بہتری کے لیے آپ کو ہر ایسے حلف کی پابندی سے آزاد کر دے جو آپ کو دینِ مسیح کی خدمت سے روکتا ہو۔"

فرڈی نینڈ نے بیزار ہو کر کہا "میں ایسے لوگوں کو کیسے سمجھا جا سکتا ہوں جو سمندر میں تیرنے کی بجائے پانی کی سطح پر دوڑنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ مسلمان یہودی نہیں ہیں۔ ان کی پشت پر وہ سلطنتیں موجود ہیں جو اسپین سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں۔ ہم نے تو ان سے غرناطہ کی سلطنت ہی چھینی ہے، ترک ہمارا نصف یورپ ہڑپ کر چکے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ ہم نے یہاں ایسے حالات پیدا نہیں ہونے دیے جن سے باہر کے مسلمانوں کو مداخلت کا موقع ملتا ______ ہم نے غرناطہ کے وہ اندرونی دشمن تلاش کر لیے تھے، جنھوں نے غرناطہ کی کنجیاں ہمارے قدموں میں ڈھیر کر دی تھیں ______ ہم نے ابوعبداللہ کے وزیر سے وہ کام لیا تھا جو ہمارے لشکر سے ممکن نہ تھا۔ پھر آپ کو یہ بے اطمینانی تھی کہ ابوالقاسم بہت ہوشیار ہے اور مجھے بھی یہ خدشہ تھا کہ وہ کسی وقت بھی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے، لیکن اب کسی کو یہ یاد بھی نہیں رہا کہ وہ بھی کبھی زندہ

تھا ـــــــــ ملکہ کو یہ اعتراض تھا کہ ابو عبداللہ کی نیت کسی وقت بھی خراب ہو سکتی ہے اور الفجارہ کے جنگجو قبائل کسی دن اچانک بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیں گے۔ مجھے بارہا فوج کشی کی ترغیب دی گئی تھی لیکن میں یہ جانتا تھا کہ الفجارہ کی جنگ میں کتنے ہزار سپاہیوں کی قربانی دینا پڑے گی، بالخصوص اس صورت میں جب کہ ہمیں ہر وقت ترکوں اور اہلِ بربر کی مداخلت کا خطرہ تھا۔ بحیرۂ رُوم میں ان کے جنگی بیڑے ہمارے ساحلی علاقوں میں تباہی مچا سکتے تھے لیکن آپ اس بات سے قطعاً خوش نہیں کہ ہمیں جنگ کی ضرورت پیش ہی نہیں آئی؟"

فرڈی نینڈ نے ملکہ کے چہرے کا جائزہ لیا اور کہنے لگا "ابوعبداللہ کو الفجارہ چھوڑنے کا فیصلہ کرنا پڑا اور اس کے بیرونی حامیوں کو یہ یقین ہو چکا ہے کہ غرناطہ کی طرح الفجارہ کے لوگ بھی ہماری بالادستی قبول کر چکے ہیں۔ اب ہمیں وہاں فوج رکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہم وہاں مسلمانوں سے مسلمانوں کی جاسوسی کا کام لے رہے ہیں۔ طلیطلہ میں ہمارے کئی صلاح کار ایسے تھے جو ابوالقاسم کے اچانک غائب ہو جانے کے بعد بغاوت کا خطرہ محسوس کرتے تھے لیکن غرناطہ کے جو سرکردہ لوگ اب تک میرے پاس آئے ہیں، ان میں سے کسی نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ ابوالقاسم کہاں ہے اور الفجارہ سے بھی ہمیں یہی اطلاعات ملی ہیں کہ لوگ اسے بھول چکے ہیں....

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ مسلمانوں کی شاہ رگ پر ہماری گرفت بتدریج مضبوط ہو رہی ہے لیکن ان کا گلا گھونٹنے یا ان کے ساتھ یہودیوں جیسا سلوک کرنے کے لیے آپ کو کچھ عرصہ اور انتظار کرنا پڑے گا۔ ہر کام کے لیے ہر وقت موزوں نہیں ہوتا۔"

زیمینیس نے لاجواب ہو کر کہا "عالیجاہ! اگر میں آپ کے تدبر کی تعریف

نہ کروں تو یہ ناشکر گزاری ہوگی ــــــ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ عیسائیت کی تبلیغ کے کام کو اور زیادہ موثر بنانے کی ضرورت ہے ــــــ میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم مسلمانوں کو مشتعل کر کے آپ کے لیے کوئی الجھن پیدا کریں، لیکن اگر ہم انھیں یہ احساس دلا سکیں کہ اب اپنا مستقبل اسلام کی بجائے عیسائیت کے ساتھ وابستہ کرنے میں ان کا فائدہ ہے تو ہم بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔"

فرڈی نینڈ نے کہا "اگر آپ فادر تلاویرہ کو کوئی مفید مشورہ دے سکیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

"عالیجاہ! اس نیک کام میں فادر تلاویرہ کے ایک معاون کی حیثیت سے میں کچھ عرصہ یہیں رہنا چاہتا ہوں۔"

تلاویرہ نے کہا "آپ کی رفاقت میرے لیے باعثِ سعادت ہوگی۔"

بادشاہ نے ملکہ کی طرف دیکھا تو وہ بولی "ہمیں فادر زیمینیس کی یہ درخواست رد نہیں کرنی چاہیے۔ غرناطہ کے کئی راہبوں نے مجھ سے ملاقات کی ہے کہ فادر تلاویرہ کی کوششوں کو کامیاب کرنے کے لیے فادر زیمینیس جیسے بزرگ کی نیک دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے ــــــ میرا خیال ہے کہ کاؤنٹ آف ٹنڈیلا کو بھی ان کے یہاں ٹھہرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

گورنر نے بجھی ہوئی آواز میں جواب دیا "مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

فرڈی نینڈ نے کچھ سوچ کر کہا "فادر زیمینیس! میں آپ کی یہ خواہش رد نہیں کر سکتا، لیکن آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ جلد بازی سے کام لے کر میرے لیے ایسے حالات پیدا نہیں کریں گے کہ مجھے فوج کے ساتھ

یہاں آنا پڑے ۔"

زیمینیس نے جواب دیا " عالیجاہ! اگر آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں، تو میں اسی وقت واپس جانے کے لیے تیار ہوں۔ میں طلیطلہ کے بشپ کے عہدے سے بھی مستعفی ہو جاؤں گا۔"

ملکہ ازابیلا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا " نہیں! نہیں!! مقدس باپ!!! ایسا نہیں ہو سکتا۔"

" فادر زیمینیس! " فرڈی نینڈ نے کہا " اگر آپ یہاں رہ کر دین کی زیادہ خدمت کر سکتے ہیں تو میں آپ کو منع نہیں کر سکتا، لیکن آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اندلس کی خوشحالی کا زیادہ دارومدار ان مسلمانوں پر ہے۔ ہماری کاشتکاری، ہماری صنعت اور ہماری تجارت کی ترقی انہی کی محنت کا پھل ہے یہ جس جگہ آباد ہوتے ہیں، وہاں بنجر زمینیں لہلہاتے کھیتوں اور باغوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کو پُرامن طریقوں سے عیسائیت کی طرف راغب کر سکیں تو مجھے خوشی ہو گی ——— اب تک غرناطہ اور البجارہ سے ہزاروں لوگ ہجرت کر چکے ہیں اور جو لوگ یہاں رہ گئے ہیں، میں انھیں اپنی سلطنت کا قیمتی سرمایہ سمجھتا ہوں۔ اگر انھوں نے کسی بات سے خوف زدہ ہو کر ملک سے بھاگنا شروع کر دیا تو یہ بہت بڑا نقصان ہو گا۔ سلطنت کے قلاش ہو جانے سے کلیسا مضبوط نہیں ہو سکتا۔"

" عالیجاہ! میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد یہ مجلس برخواست ہو چکی تھی اور فرڈی نینڈ اپنی ملکہ سے کہہ رہا تھا " میں آپ کی خواہش رد نہیں کر سکتا تھا۔ خدا کرے زیمینیس آپ کی نیک توقعات پورا کر سکے، لیکن میں اس سے مطمئن نہیں ہوں ۔"

○

عام حالات میں شاید کلیسا کے کسی اہل کار کو فرڈی نینڈ کے احکام سے سرتابی کی جرأت نہ ہوتی، لیکن ملکہ ازابیلا پر زیمینیس کی پارسائی کا رُعب چھایا ہوا تھا اور غرناطہ کے حکام کی طرح کلیسا کے راہب بھی یہ جانتے تھے کہ اہلِ قسطلہ حکومت کے اختیارات میں اپنی ملکہ کو ارغون کے بادشاہ کے ساتھ صرف مساوی حیثیت ہی نہیں دیتے بلکہ ایک طاقتور حلیف سمجھتے ہیں اور اُس کی نازبرداری کے بغیر فرڈی نینڈ نصرانی سلطنت کے دو اہم حصّوں کو متحد نہیں رکھ سکتا۔

اگر ارغون کا بادشاہ ایک ہوشیار سیاست دان اور کامیاب سپاہی تھا تو قسطلہ کی سلطنت جو اسے ازابیلا کا شوہر ہونے کی وجہ سے ملی تھی اپنی وسعت اور آبادی کے لحاظ سے ارغون کی نسبت بڑی تھی۔ فرڈی نینڈ حتی الامکان ازابیلا کے جذباتی فیصلوں کی مخالفت کرتا، لیکن اگر کسی مسئلہ میں ملکہ کا اصرار حد سے بڑھ جاتا تو اس کی یہی کوشش ہوتی کہ ملکہ کے ساتھ تصادم کی صورت پیدا نہ ہو۔

چند دنوں تک زیمینیس نے کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ مسلمانوں کے متعلق اس کے ارادے کیا ہیں۔ وہ بظاہر ٹھنڈے دل سے گرد و پیش کے حالات کا مشاہدہ کر رہا تھا، لیکن جب فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے غرناطہ سے اشبیلیہ کی طرف کوچ کیا تو اس نے بشپ تلاویرہ کی طرف سے مسلمان علمائ اور فقہائ کو یہ دعوت دی کہ ہمارے ایک قابلِ احترام بزرگ "فرانسسکو زیمینیس ڈی سسنیروز" آپ کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنا چاہتے ہیں، اس لیے

آپ پرسوں صبح ہوتے ہی ان کی قیام گاہ پر جمع ہو جائیں "

چنانچہ تیسرے دن بزرگانِ دین زمینیس کی قیام گاہ کے کشادہ صحن میں سائبان کے نیچے جمع ہو رہے تھے۔ تلاویرہ نے باری باری اُن کا تعارف کروایا اور زمینیس نے ان کا خیرِ مقدم کرنے کے بعد بحث شروع کر دی۔

اہلِ غرناطہ تلاویرہ کے ساتھ انتہائی بے تکلفی سے باتیں کرنے کے عادی تھے، لیکن زمینیس کی گفتگو نے انھیں جلد ہی یہ احساس دلا دیا کہ وہ کسی اور ہی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ دینِ اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کی برتری ثابت کرنے پر زور دے رہا تھا اور اس کی زبان سے آگ برس رہی تھی ـــــ عمر رسیدہ علما کبھی اس کی یاوہ گوئی پر پیچ و تاب کھاتے، کبھی اُس کے بھونڈے انداز پر مسکرانے کی کوشش کرتے اور کبھی نفرت سے مُنہ پھیر لیتے، لیکن کسی نے اس کے ساتھ بحث میں اُلجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی ـــــ حاضرین میں سے اکثر ایسے تھے جو طلیطلہ کی زبان بہت کم جانتے تھے تاہم اُس کی گالیاں اور دھمکیاں کسی کی سمجھ سے بالا نہ تھیں۔ زمینیس اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد نڈھال ہو کر بیٹھ گیا اور فاتحانہ نگاہوں سے حاضرین کی طرف دیکھنے لگا۔

چند منٹ محفل پر سناٹا طاری رہا۔ پھر آہستہ آہستہ گنگ زبانیں ہلنے لگیں اور ایک دوسرے کو بے حسی اور بے غیرتی کے طعنے دینے لگے۔

تلاویرہ نے آگے بڑھ کر زمینیس کے کان میں کچھ کہا اور وہ تلملا کر بلند آواز میں چلّایا "نہیں! میں اپنی زبان میں ہی بات کروں گا، اور جو لوگ ہماری زبان نہیں جانتے، ان کے لیے اسپین میں کوئی جگہ نہیں" ـــــ

ایک خوبرو نوجوان جو اپنے رنگ اور خدوخال سے ہسپانوی معلوم ہوتا تھا، تڑپ کر اُٹھا اور اس نے طلیطلہ کی زبان میں تقریر شروع کر دی۔ اس شعلہ بیان خطیب کا نام زلیغیری تھا اور زمینیس اس کی تقریر سُن کر آگ کے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اس نے کئی بار اس کو ٹوکنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز اسلام کے اس پرجوش مبلغ کی آواز میں دب کر رہ گئی۔

جب اس کا جوش ذرا ٹھنڈا ہوا تو زمینیس دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے چلّایا "تم ایک ایسے مذہب کی وکالت کر رہے ہو جس کے لیے اندلس میں کوئی جگہ نہیں۔ عیسائیت کی صداقت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم فاتح ہیں اور تمہارا دین تمہیں ہماری غلامی سے نہیں بچا سکا۔"

زلیغیری نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا "ہمیں اسلام سے انحراف کی سزا ملی ہے ——— ہم نے سلامتی کا راستہ چھوڑ دیا تھا۔ جب ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر چلتے تھے تو اس خطۂ زمین پر انسانیت کی ساری عظمتیں ہمارے قدموں میں تھیں۔ ہماری آزادی اور خوشحالی کی داستانیں اندلس کے کونے کونے میں بکھری ہوئی ہیں لیکن ہم اپنے خالق کے نافرمان بن گئے، تو وقت کی آندھیوں نے ہمیں گھیر لیا۔ اپنی عظیم سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی ہماری سزا شروع ہو چکی تھی۔ ہم نے شہادت کی موت پر غلامی کی زندگی کو ترجیح دی اور آج ہماری بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ہم گالیاں دینے والوں کے سامنے احتجاج کا حق بھی نہیں رکھتے۔"

زمینیس نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا "میں ایک جذباتی نوجوان کے ساتھ بحث میں اُلجھنا پسند نہیں کرتا۔ تم تھوڑی دیر صبر کرو۔ تمہارے ساتھیوں سے فارغ ہو کر میں اطمینان سے تمہارے

ساتھ گفتگو کر سکوں گا۔"

ایک قاضی نے اُٹھ کر کہا "جناب! اگر آپ کو اس نوجوان کی باتوں سے رنج ہوا ہے تو ہم سب کی طرف سے معذرت قبول فرمائیے! آئندہ ہم آپ کی خدمت میں پیش ہونے والے علمائے کے انتخاب میں زیادہ احتیاط سے کام لیں گے۔ ہمارا خیال تھا کہ زلفیری بحث میں حصہ لینے کی بجائے خاموشی سے آپ کے ارشادات سُنے گا۔"

زلفیری نے جواب دیا "آپ کو معذرت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں نے کوئی جرم کیا ہے تو میں سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔"

زیمینیس نے اس تندرست اور توانا جوان پر قہر آلود نگاہ ڈالی اور ایک عالم نے اسی کا بازو کھینچ کر اپنے قریب بٹھاتے ہوئے دبی زبان میں کہا: "خدا کے لیے خاموش رہو! یہ ایک درندہ ہے اور درندوں کے ساتھ بحث نہیں کی جاتی۔"

زیمینیس نے دوبارہ گفتگو شروع کی تو اس کے لب و لہجے میں کافی ملائمت آچکی تھی اور غرناطہ کے علماء اس بات سے خوش نظر آتے تھے کہ ان کے ایک نوعمر ساتھی نے جرأت سے کام لے کر ایک متعصب پادری کا دماغ درست کر دیا ہے لیکن جب مجلس برخاست ہوئی تو زیمینیس نے ایک دیوہیکل سپاہی کو اشارہ کیا اور اس نے زلفیری کو روک لیا۔

زلفیری نے کترا کر باہر نکلنے کی کوشش کی، لیکن اُس نے اُس کا بازو پکڑ کر کہا "تم مقدس باپ کی اجازت کے بغیر نہیں جا سکتے۔" بعض ساتھیوں نے زیمینیس سے اس کی سفارش کی، لیکن اس کی ڈانٹ ڈپٹ سُن کر وہ سب باہر نکل گئے۔

زیمنیس نے زلغیری کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لیے جس درندہ صفت آدمی کو منتخب کیا، اُس کا نام لیون تھا اور وہ اذیت رسانی کے ان سب طریقوں سے واقف تھا جو محکمۂ احتساب کے جلادوں نے ایجاد کیے تھے۔

اُس نے زلغیری کی سزاؤں کی ابتدا مسلسل بھوک، پیاس اور کوڑوں کی جسمانی اذیتوں سے کی، اُسے رات رات بھر ٹھنڈے فرش پر لٹایا جاتا اور ایسے نوکر اس کے اوپر مقرر کیے جاتے جو اسے لمحہ بھر کے لیے بھی نہ سونے دیتے۔

اور پھر جب رات کے تیسرے پہر اُس کی دل ہلا دینے والی چیخیں زمین و آسمان کو لرزاتیں تو سوائے ان راہبوں کے قہقہوں کے ——— اُس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں اس کا ساتھ دینے والا اور کوئی نہ ہوتا۔

بالآخر جب دو ہفتے بعد اسے زیمنیس کے سامنے پیش کیا گیا ——— اُس وقت وہ ہڈیوں کا ڈھانچا بن چکا تھا، اُس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور اُس کے جسم کے زخموں سے پیپ کی بو آرہی تھی۔

زیمنیس کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا "مجھ سے بحث کرو گے؟"

"نہیں!" زلغیری نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"ہم نے سنا تھا کہ تم بہت بہادر ہو؟"

"میں قتل ہونے کے لیے تیار ہوں۔ اگر آپ میرے لیے پھانسی کا حکم دیں تو اسے بھی میں ایک احسان سمجھوں گا لیکن یہ سزا میری قوتِ برداشت سے

بہت زیادہ ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ میں بزدل ہوں۔"

"لیکن تم ابھی تک مسلمان ہو؟"

زلغیری نے سر جھکا لیا اور لیون نے کہا "مقدس باپ! یہ توبہ کر چکا ہے۔ یہ دینِ مسیح کا ایک معجزہ ہے کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔"

زیمینیس نے جواب طلب نگاہوں سے زلغیری کی طرف دیکھا اور اُس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "جناب! اگر آپ ہمارے ساتھ یہی سلوک کریں گے تو غرناطہ کی چار دیواری کے اندر کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا۔ برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ معجزہ تو یہ ہے کہ میں اب تک زندہ ہوں۔"

"تمھاری جسمانی تکالیف کے دن گزر چکے ہیں۔ اب تمھیں خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ ہم نے تمھاری روح کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا ہے۔"

زلغیری نے جواب دیا "اب میرے لیے خوشی اور غم کے الفاظ بے معنی ہیں۔ میں ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں دوزخ کا عذاب دیکھ چکا ہوں اور یہ نہیں چاہتا کہ دوبارہ مجھے وہاں بھیج دیا جائے۔"

زیمینیس نے لیون سے مخاطب ہو کر کہا ——— "اسے لے جاؤ! بہترین کھانا دو اور علاج کے لیے کسی اچھے طبیب کا انتظام کرو، لیکن اصطباغ لینے سے پہلے اسے کسی مسلمان سے ملاقات کی اجازت نہیں۔"

زلغیری نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "اگر اصطباغ لینے کے بعد میں جی بھر کر سو سکوں تو میں آج ہی تیار ہوں۔"

"نہیں! میں یہ چاہتا ہوں کہ جن لوگوں کی موجودگی میں تم نے ہمارے ساتھ بحث کی تھی وہ اپنی آنکھوں سے دینِ مسیح کی کرامت دیکھیں، لیکن اس حالت میں تمھیں اُن کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اب جا کر آرام

کردار یوں کو اپنا خدمت گار سمجھو"

ایک ہفتے بعد زمینیس، زلیفری کو اصطباغ دے رہا تھا ——— اور غرناطہ کے علمار جنہیں اُس نے ایک معجزہ دکھانے کے لیے اپنے ہاں جمع ہونے کی دعوت دی تھی، سکتے کے عالم میں یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

بپتسمے کی رسم پوری ہوئی تو راہبوں نے ایک گیت شروع کر دیا۔ زمینیس کا اشارہ پاکر زلیفری بھی ان کے ساتھ مُنہ ہلانے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن اس کے حلق میں آواز نہ تھی۔ ستم رسیدہ اور مجروح انسانیت کی آخری چیخ اُس کے سینے میں دب کر رہ گئی تھی اور اس کی نگاہیں اپنے بھائیوں کو یہ پیغام دے رہی تھیں " میرے عزیزو! میری طرف مت دیکھو۔ میں مر چکا ہوں اور میرا جسم میری روح کی قبر بن چکا ہے۔ میں نے ذلت کے راستے پر قدم اُٹھانے میں پہل کی ہے۔ تم میرے مُنہ پر تھوک سکتے ہو' لیکن کاش! تم میرے زخم بھی دیکھ سکتے۔ تم مجھے بُزدلی اور بے غیرتی کا طعنہ دے سکتے ہو' لیکن تم میں سے کون ہے جس نے رات کے پچھلے پہر میری چیخیں سنی ہیں اور میری جسمانی اور ذہنی اذیتوں کا اندازہ کر سکتا ہے ——— میرے بزرگو! ہم سب مر چکے ہیں۔ ہم اسی دن مر گئے تھے جب ہم ظلم کے خلاف لڑنے کے حق سے دست بردار ہو گئے تھے، جب حامد بن زہرا قتل ہوا تھا اور ہم نے دشمن کے لیے اپنی آزادی کے آخری حصار کے دروازے کھول دیے تھے" ———

پھر جب زمینیس نے تقریر شروع کی تو اس کا لب و لہجہ پہلے سے کہیں زیادہ سخت تھا اور اُس کی گالیاں سُننے والوں کا احتجاج صرف بے بسی کے آنسوؤں تک محدود تھا۔

راہبوں کی سلطنت

اگلے دن غرناطہ کا گورنر اور آرک بشپ زیمینیس کو یہ سمجھا رہے تھے کہ آپ کو اس قدر جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے نتائج بہت خطرناک ہو سکتے ہیں، لیکن اس جنونی راہب کا ایک ہی جواب تھا:
"حکومت سیاسی معاملات میں مصلحت سے کام لے سکتی ہے لیکن مذہب کے معاملات میں کوئی تاخیر برداشت نہیں کی جا سکتی۔"
اور دو دن بعد زیمینیس نے راہبوں کے ایک گروہ کے ساتھ البسین کا رخ کیا۔ گورنر کی طرف سے دو سو مسلح سپاہی جلوس کی حفاظت پر متعین تھے۔ وہ البسین کی جامع مسجد میں داخل ہوا اور پہرے داروں نے بد امنی کے اندیشہ سے دروازے کے سامنے صفیں باندھ لیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد یہ خبر غرناطہ کے طول و عرض میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ خانۂ خدا کو گرجا بنا دیا گیا ہے اور منبر کی جگہ عیسیٰؑ اور مریمؑ کے بُت نصب کر دیے گئے ہیں۔
گورنر نے بد امنی کے پیشِ نظر مسلح سواروں کے مزید دستے بھیج دیے۔ جن سرپھروں نے مسجد تک پہنچنے کی کوشش کی، وہ اپنے راستے میں نیزوں کی دیواریں دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔

مسجد پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی زیمینیس نے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی مہم نئے جوش و خروش کے ساتھ شروع کر دی۔ ایک دن راہبوں نے پولیس کی مدد سے ہسپانوی نسل کے مسلمانوں کی آبادی پر چھاپہ مارا اور ایک ہزار آدمیوں کو گھروں سے نکال کر زیمینیس کے سامنے لے گئے اور پھر انھیں ننگی تلواروں کے پہرے میں اصطباغ دیا جا رہا تھا۔

چند آدمیوں نے احتجاج کیا تو کلیسا کے سپاہی انھیں پکڑ کر قید خانوں میں لے گئے اور ان کے ساتھیوں کو زبان کھولنے کی جرأت نہ ہوئی، اور اس کے بعد وہ شرمناک واقعات پیش آئے جن کا ذکر کرتے ہوئے یورپ کے عیسائی مؤرخ بھی ندامت محسوس کرتے ہیں۔

○

زیمینیس کے نزدیک مسلمانوں کے علمی ذخیرے عیسائیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے اور یہ ایک ایسا ورثہ تھا جس پر مسلمان ناز کر سکتے تھے ـــــــ قدیم سرکاری کتب خانے اور درسگاہیں نایاب کتابوں سے بھری ہوئی تھیں اور غرناطہ کا معمولی آدمی بھی اس بات پر فخر کر سکتا تھا کہ اس کے گھر میں قرآن پاک کے علاوہ مختلف علوم پر کئی کتابیں موجود ہیں۔

زیمینیس قرآن پاک کی طرح عربی زبان کی ہر کتاب کو عیسائیت کے مستقبل کے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے کتابوں کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کرنے کے لیے سب سے پہلے ان لوگوں کی طرف توجہ دی جنھیں جبراً عیسائی بنایا گیا تھا، اور انھیں یہ حکم دیا کہ وہ عربی کی ہر کتاب کلیسا کے سپرد کر دیں۔ چنانچہ جس مجبوری نے ان بدقسمت لوگوں کو مرتد ہونے پر مجبور کر دیا تھا

اسی مجبوری کے تحت انھیں زیمینیس کے اس حکم کی تعمیل بھی کرنی پڑی۔

پھر جو کتابیں اُن سے دستیاب ہوئیں، انھیں ایک چوراہے میں جمع کر کے آگ لگا دی گئی اور ان واقعات کے بعد زیمینیس کی جُرأت بڑھتی گئی۔ غرناطہ کا گورنر زیمینیس کی اس کارگزاری سے خوش نہ تھا لیکن اسے ایک ایسے آدمی کو ناراض کرنے کی جرأت نہ تھی جسے ملکہ ازابیلا کی حمایت حاصل تھی۔ وہ فرڈی نینڈ کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس تو نکال سکتا تھا لیکن وہ یہ بھی بخوبی سمجھتا تھا کہ طلیطلہ کی ملکہ کو ناراض کرنے کے بعد وہ محض فرڈی نینڈ کی حمایت کے بل بوتے پر غرناطہ کا گورنر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ وہ حکومت کے سول اور فوجی افسروں سے کہا کرتا تھا :

"میں جانتا ہوں کہ یہ ضدی راہب آگ سے کھیل رہا ہے لیکن وہ ملکہ کا خاص آدمی ہے اور اس کے ساتھ تعاون اور اس کی حفاظت کرنا ہماری اولین ذمہ داری ہے۔"

چنانچہ جب زیمینیس نے جبراً عیسائی بنائے گئے مسلمانوں کے کتب خانوں اور ان کے گھروں کی تلاشی لینا شروع کی تو فوج اور پولیس کو کلیسا کے پادریوں کی اعانت کے لیے میدان میں آنا پڑا۔ پہلے ڈھنڈورچی کسی محلے میں یہ اعلان کرتے تھے کہ لوگ رضاکارانہ طور پر اپنی کتابیں کلیسا کے پاس جمع کر دیں صرف قابل اعتراض کتابیں چھین لی جائیں گی اور باقی انھیں واپس کر دی جائیں گی۔ فلاں تاریخ کے بعد اُن کی تلاشی لی جائے گی اور اگر کسی نے کلیسا کی اجازت کے بغیر کوئی کتاب رکھی تو اسے عبرت ناک سزا دی جائے گی۔

لوگوں نے ہزاروں کتابیں رضاکارانہ طور پر کلیسا کے راہبوں کے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد ہزاروں کتابیں ان سے زبردستی چھین لی گئیں

جب یہ راہب مسلّح آدمیوں کے ساتھ کسی گھر میں داخل ہوتے تھے تو مسلمان سب سے پہلے قرآن مجید کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے، لیکن یہی وہ کتاب تھی جسے زیمینیس سب سے زیادہ قابلِ اعتراض سمجھتا تھا۔

مسلمان احتجاج کرتے، لیکن یہ احتجاج بھی عورتوں کی چیخوں اور مردوں کے آنسوؤں تک محدود رہتا۔ قرآن مجید کے جو نسخے فرزندانِ تثلیث کے ہاتھ آتے، انھیں بیل گاڑیوں پر لاد کر ایک کشادہ عمارت میں پہنچا دیا جاتا جو پہلے مسلمانوں کی درسگاہ تھی اور اب کلیسا کے اُس دفتر میں تبدیلی ہو چکی تھی جہاں سینکڑوں پادریوں کو ان کتابوں کی چھان بین میں مصروف رکھا جاتا تھا۔

زیمینیس بذاتِ خود اس کام کی نگرانی کیا کرتا تھا۔ قرآنِ پاک کو عام کتب سے علیحدہ کرنا ان کے لیے مشکل نہ تھا۔ پادری کسی کتاب کو کھول کر دیکھنے یا پڑھنے کی بجائے دُور سے اس کا صاف ستھرا غلاف دیکھ کر ہی یہ سمجھ جاتے تھے کہ یہ قرآن ہے اور اسے ایک طرف پھینک دیا جاتا تھا۔ باقی کتابوں کے متعلق بھی انھیں کسی چھان بین کی ضرورت نہ تھی۔

ان کے نزدیک عربی خالصتاً مسلمانوں کی زبان تھی اور عربی کی ہر کتاب قابلِ اعتراض سمجھی جاتی تھی۔

ہر روز طلوعِ سحر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کتابوں سے بھرے ہوئے چھکڑے اس جگہ لائے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کشادہ عمارت کے کمروں کے علاوہ صحن میں بھی انبار لگ چکے تھے۔

○

اور پھر، ایک دن لوگوں نے دیکھا ــــــ شہر کے ایک کشادہ

چوراہے پر ایک مہیب الاؤ روشن ہوگیا تھا ـــــــ

ـــــــ قرآنِ پاک اور دوسری کتابوں سے لدے پھندے چھکڑے یکے بعد دیگرے نمودار ہو رہے تھے اور وہ اپنا یہ سامان اس الاؤ کے قریب لالا کر ڈھیر کر رہے تھے۔

اور آخر میں وہ پادری آگے بڑھے جن کی حفاظت کے لیے مسلح سپاہی صفیں باندھے کھڑے تھے ـــــــ وہ ان ڈھیروں کو اُٹھا اُٹھا کر اس آگ کا پیٹ بھرنے لگے۔

مسلمان، جنھیں گھروں سے نکلنے کی اجازت نہ تھی ـــــــ اپنے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے یہ دلگداز مناظر دیکھ رہے تھے۔ دُخترانِ اسلام اپنے بال نوچ رہی تھیں۔ ان کے شوہر اور بھائی رو رہے تھے، لیکن بے بسی کے آنسو اس آگ کو نہ بُجھا سکے ـــــــ آٹھ صدیوں کے تہذیب و تمدن کی یہ چِتا مسلسل دو دن جلتی رہی ـــــــ

تیسرے روز ایندھن کے ذخائر جو کئی ہفتوں کی محنت سے جمع کیے گئے تھے، ختم ہو چکے تھے اور آگ جلانے والے پادری اور مسلح سپاہی اپنا کام ختم کر کے واپس چلے گئے تو پہلے آس پاس کے مسلمان اپنے گھروں سے باہر نکلے اور پھر شام تک غرناطہ کے باقی علاقوں کے باشندے بھی وہاں جمع ہو چکے تھے۔ وہ بجھی ہوئی راکھ اُٹھا اُٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگا رہے تھے۔

ایک نوجوان چلّایا "مسلمانو! یہ ظلم و وحشت کے اس دَور کی ابتدا ہے، جس سے تمھیں حامد بن زہرا نے خبردار کیا تھا۔ ہمارا عذاب شروع ہو چکا ہے۔ تمھارے سامنے قرآن جلایا گیا ہے، لیکن راکھ کے اس انبار کو دیکھ کر

یہ مت سمجھو کہ کلیسا کی آگ بجھ چکی ہے۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اب اندلس کے ہر شہر میں ایسے الاؤ جلائے جائیں گے اور تم نے جس بے بسی کی حالت میں اللہ کی کتاب کو جلتا دیکھا ہے، اس سے کہیں زیادہ بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں تمھاری بیٹیاں اپنے بھائیوں اور شوہروں، اور تمھارے معصوم بچے اپنے والدین کو آگ میں بھسم ہوتا دیکھیں گے۔"

○

اگلی صبح الحمرا کے ایک کمرے میں غرناطہ کا آرک بشپ تلاویرہ اور گورنر مینڈوزا کاؤنٹ آف ٹنڈیلا گزشتہ رات کے واقعات پر گفتگو کر رہے تھے۔ بشپ تلاویرہ کہہ رہا تھا "جناب! آپ کا پیغام ملتے ہی میں فادر زیمینیس کے پاس گیا تھا، لیکن وہ سو رہے تھے۔ ان کے نوکر کہتے تھے کہ وہ تھکاوٹ سے چُور ہو کر گھر آئے تھے اور کھانا کھاتے ہی لیٹ گئے تھے۔ میں انھیں تاکید کر آیا تھا کہ وہ اُٹھتے ہی یہاں پہنچ جائیں، اور میرا خیال تھا کہ اب تک وہ آپ سے ملاقات کر چکے ہوں گے۔"

مینڈوزا نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ وہ سو رہے تھے، ورنہ اگر وہ شہر کے حالات سے باخبر ہوتے تو ہمارے لیے کوئی اور مصیبت کھڑی کر دیتے!"

کچھ دیر کمرے میں خاموشی طاری رہی، پھر مینڈوزا نے کرسی سے اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

ایک افسر کمرے میں داخل ہوا "جناب! فادر زیمینیس تشریف لا رہے ہیں۔"

کاؤنٹ آف ٹنڈیلا اپنی کرسی پر بیٹھ کر بشپ تلاویرہ سے مخاطب ہوا:

"میرے خیال میں اُن سے بحث کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ بدقسمتی سے بادشاہ سلامت اور ملکہ عالیہ اشبیلیہ سے طلیطلہ روانہ ہو چکے ہیں ورنہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی کوشش کرتا۔"

زیمینیس کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا "معاف کیجیے! میں آج بہت دیر سویا ہوں ـــــ اگر کوئی ضروری بات تھی تو فادر تلاویرہ کو چاہیے تھا کہ مجھے جگا دیتے۔"

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟" مینڈوزا نے سوال کیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اُتر چکا ہے۔"

گورنر نے کہا "میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ کی ان تھک کوششوں سے جو الاؤ تیار ہوا تھا، وہ بہت بڑا تھا۔ میں الحمرا سے آگ کے شعلے دیکھ سکتا تھا۔"

"جناب! کلیسا کی یہ کامیابی آپ کے تعاون کے بغیر ممکن نہ تھی۔ میں ملکہ کو لکھ رہا ہوں کہ میں آپ کے ہر سپاہی کو انعام کا مستحق سمجھتا ہوں لیکن ابھی میرا کام ختم نہیں ہوا۔ مجھے ڈر ہے کہ مسلمانوں نے بعض کتابیں چھپا کر رکھی ہیں۔ کئی گھر ایسے بھی ہو سکتے ہیں، جن میں ابھی تک قرآن کی جلدیں موجود ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اسی طرح تعاون کرتے رہے تو جب بادشاہ اور ملکہ دوسری مرتبہ یہاں تشریف لائیں گے تو میں پورے وثوق سے یہ کہہ سکوں گا کہ اب غرناطہ میں عربی زبان کی کوئی کتاب باقی نہیں رہی[1]۔"

---

[1] دورِ حاضر کا ایک مورخ ہنری کامان HENRY KAMAN اپنی تصنیف (باقی اگلے صفحہ پر)

مینڈوزا نے جواب دیا "آپ سے تعاون کرنا میرے لیے ایک مجبوری ہے۔"

زیمینیس بولا "آپ اس بات سے خوش نہیں معلوم ہوتے ——— آپ کو یہ اعتراض تھا کہ میں جلد بازی سے کام لے رہا ہوں، لیکن میں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ محض ایک فرضی خطرے سے پریشان تھے ——— ہم نے صرف ان کی کتابیں ہی نہیں جلائیں بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے مذہب کو ان کے مذہب پر برتری حاصل ہو چکی ہے۔ جو کتابیں انھوں نے چھپا رکھی ہیں، ان کے متعلق میں قطعاً پریشان نہیں ہوں ——— آپ یہ دیکھ چکے ہیں کہ ان کی مدافعانہ قوت ختم ہو چکی ہے۔ اب ہم اطمینان سے ہر آدمی کی تلاشی لے سکتے ہیں اور ہمارے پادریوں کو اُن کے گھروں میں داخل ہونے کے لیے فوج اور پولیس کے تعاون کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔ غرناطہ کے مسلمان ہمارے راستے کا آخری پتھر تھے اور ان کی مزاحمت کے خوف سے ہمارے حکمرانوں کو ان ریاستوں میں بھی عیسائیت کے غلبہ کے لیے کوئی پُرجوش قدم اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی، جو ہم نے صدیوں قبل فتح کی تھیں لیکن میں نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ غلطی پر تھے . . . .

(البقیہ فٹ نوٹ) SPANISH INQUISITION میں یہ اعتراف کرتا ہے کہ زیمینس کے حکم سے غرناطہ میں دس لاکھ پانچ ہزار کتابیں نذرِ آتش کی گئی تھیں ——— صرف طب، ریاضی، کیمیا اور دوسرے سائنسی علوم پر تین سو کتابیں ایسی تھیں جنھیں اس تنگ نظر راہب نے عیسائیوں کے لیے سُود مند سمجھ کر القلعہ یونیورسٹی کے سپرد کر دیا تھا۔

اندلس کے مسلمانوں کو اپنے ماضی پر فخر تھا' وہ ان کتابوں کو سینے سے لگائے ہوئے تھے جس کی بدولت اپنے ماضی کے ساتھ ان کے رشتے قائم رہ سکتے تھے لیکن ہم نے یہ رشتے توڑ دیے ہیں۔ ان کا غرور اُسی الاؤ کی راکھ کے نیچے دفن ہو چکا ہے' جہاں ہم نے ان کے قرآن جلائے ہیں۔"

مینڈوزا نے کہا "آپ نے راکھ کا وہ انبار دیکھا ہے؟"

"ہاں! میں شام تک وہیں تھا۔ آگ بجھ چکی تھی' لیکن راکھ ابھی تک گرم تھی۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ جب رات کے وقت آپ گہری نیند سو رہے تھے تو مسلمان کیا کر رہے تھے؟"

"میں نے کسی سے یہ نہیں پوچھا۔ میں بستر سے اُٹھتے ہی سیدھا آپ کے پاس آ گیا ہوں' لیکن مجھے یقین ہے کہ شہر میں بدامنی نہیں ہوئی۔"

"میں نے یہ اطلاع دینے کے لیے آپ کو یہاں بلایا تھا کہ جب تھکے ہوئے سپاہی وہاں سے ہٹ گئے تو مسلمان گھروں سے نکل کر چوراہے میں آ گئے تھے اور پھر صبح ہونے سے قبل راکھ کا انبار وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔"

"راکھ کا انبار غائب ہو چکا تھا؟" زمینیس نے حیرت زدہ ہو کر سوال کیا "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"آپ خوش قسمت ہیں کہ جب سارے شہر میں کہرام مچا ہوا تھا اور میرے پاس ایک ایک پل کی خبریں آ رہی تھیں تو آپ اور آپ کے پادری آرام سے سو رہے تھے۔"

"اگر انھوں نے کوئی فساد کیا تھا تو فوج انھیں آسانی سے کچل سکتی تھی۔"

"انھوں نے کوئی فساد نہیں کیا اور آپ نے فوج کو اس قدر تھکا دیا تھا

کہ اگر کوئی بدامنی ہوتی تو بھی وہ کچھ نہ کر سکتے ـــــــ۔"

"تو پھر آپ کس بات سے پریشان ہیں؟"

"میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ مہیب الاؤ جو آپ نے روشن کیا تھا بُجھ چکا ہے اور جب آپ آرام کی نیند سو رہے تھے تو مسلمان اپنی کتابوں کی راکھ اُٹھا کر دریا کا رُخ کر رہے تھے اور صبح تک وہ ساری راکھ دریا میں بہا چکے تھے لیکن جو آگ اُن کے سینوں میں سلگ رہی ہے، میں یہاں بیٹھے بیٹھے اس کی حرارت محسوس کر رہا ہوں اور میں اس لیے پریشان ہوں کہ اسے بجھانے کی ذمہ داری تنہا میرے سر ڈال دی جائے گی۔"

زیمینیس نے اپنے اضطراب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "شہر کے محافظوں نے انھیں اس بات کی اجازت دی تھی کہ وہ راکھ اُٹھا کر دریا کی طرف لے جائیں!"

"شہر کے محافظوں کو یہ معلوم تھا کہ وہ ہزاروں انسانوں کا راستہ نہیں روک سکتے جو زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے ـــــــ شہر کو بدامنی سے بچانا ان کی پہلی ذمہ داری تھی۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ کسی ہوشیار راہنما نے مسلمانوں کے اشتعال سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی، ورنہ مجھے اِنتہائی خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اب بھی مجھے معلوم نہیں کہ آپ میرے لیے کتنے اور مسائل پیدا کریں گے اور کوہستانی قبائل میں اس واقعہ کا ردِ عمل کتنا شدید ہوگا۔ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ کچھ لوگ دریا سے واپس آنے کی بجائے البنجارہ کی طرف نکل گئے ہیں۔ اب سلطنت پر آپ کا سب سے بڑا احسان یہی ہو سکتا ہے کہ آپ چند دن اپنے جذبات پر قابو رکھیں۔ بادشاہ اور ملکہ آپ کی بے حد عزت کرتے ہیں لیکن وہ یہ پسند نہیں

کریں گے کہ انھیں ایک جیتی ہوئی جنگ دوبارہ لڑنی پڑے۔"

"جناب! کلیسا کے خادم اپنے عیسائی حکمرانوں کے دشمن نہیں ہو سکتے۔ آپ مطمئن رہیں جب تک مجھے اپنی کامیابی کے متعلق پورا پورا اطمینان نہیں ہوگا، میں کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھاؤں گا، جو آپ کے لیے کسی اُلجھن کا باعث ہو ———"

مینڈوزا نے اُٹھتے ہوئے کہا "میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ اب مجھے تھوڑی دیر آرام کرنے کا موقع دیجیے! میں نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی ہے۔"

مینڈوزا دوسرے کمرے میں چلا گیا اور زمینیس نے تلاویرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو آپ میرے ساتھ چلیں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے قدم قدم پر آپ کے نیک مشوروں کی ضرورت پیش آئے گی۔"

○

ایک ہفتہ اور گزر گیا اور زمینیس کو شہر سے کسی ناخوشگوار واقعے کی اطلاع نہ ملی، لیکن وہ اس بات سے بہت مضطرب تھا کہ مسلمانوں کی مساجد پہلے سے زیادہ پُر رونق ہیں۔

غرناطہ میں قرآن کے حافظوں کی کمی نہ تھی اور صبح و شام ہر گلی کوچے میں خوش الحان قاریوں کی آوازیں سُنائی دیتی تھیں۔ کلیسا کے جاسوس مسلمانوں کے بھیس میں مساجد اور درسگاہوں میں جاتے اور زمینیس کو اس قسم کی اطلاعات دیتے "مقدس باپ! مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں اب ان کی مساجد میں ساری ساری رات تلاوت ہوتی ہے۔ فلاں مسجد میں نوعمر لڑکے باری باری قرآن سُنا رہے تھے اور ہزاروں لوگ رو رہے تھے۔

مردوں کی طرح کئی عورتوں کو بھی قرآن حفظ ہے اور وہ گھر گھر جا کر کمسن لڑکیوں کو درس دیتی ہیں۔ مقدس باپ! ہم اُن کے کتب خانے نذرِ آتش کرنے کے باوجود ان کے دلوں میں اس کتاب کی محبت کم نہیں کر سکے' جسے وہ خدا کا کلام سمجھتے ہیں۔ اُن میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنھیں قرآن کی طرح کئی اور مذہبی کتابیں بھی زبانی یاد ہیں"

زیمینیس ان سے سُنتا اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔

اس کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ جن مسلمانوں کو اس نے زبردستی مُرتد کیا تھا' وہ تائب ہو رہے تھے اور صلح کے معاہدے میں فرڈی نینڈ اور ازابیلا کلیسا کی طرف سے اس بات کی ضمانت دے چکے تھے کہ جو لوگ تبدیلیٔ مذہب کے بعد پھر مسلمان ہو جائیں گے' وہ محکمۂ احتساب کے دائرۂ اختیار میں نہیں آئیں گے۔

زیمینیس کسی ایسے معاہدے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا جس سے کلیسا کے اختیارات محدود ہوتے ہوں' اُس کا موقف یہ تھا کہ ایک بار عیسائیت قبول کرنے والے ہمیشہ عیسائی رہیں گے اور منحرف ہو جانے کی صورت میں اُن پر محکمۂ احتساب کو مقدمات چلانے کا حق حاصل ہے۔

چنانچہ اس نے اسپین کے محتسبِ اعظم ڈائیگو ڈیزا سے وہ اختیارات حاصل کر لیے جس کی رُو سے وہ عیسائیت سے رُوگردانی کرنے والوں کو گرفتار کر کے اذیت خانوں میں بھیج سکتا تھا ـــــ اس کے بعد اہلِ غرناطہ ظلم و تشدد کا نیا دور دیکھ رہے تھے اور اُن کی یہ خوش فہمیاں دُور ہو چکی تھیں کہ عیسائی حکمران کلیسا کی خواہشات کے خلاف معاہدے کی کسی شرط کا احترام کریں گے۔

زیمینیس نے سب سے پہلے ان لوگوں پر ہاتھ ڈالا جن پر یہ الزام تھا کہ وہ

عیسائیت قبول کرنے کے بعد پھر اسلام کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔ انھیں گرفتار کر کے اذیت خانوں میں بھیج دیا جاتا، اور وہاں اُن پر اِس قدر سختیاں کی جاتیں کہ ایک کمزور آدمی اپنے گناہ کا اعتراف کرنے کے علاوہ پورے کنبے کے خلاف کلیسا کی حسب منشا گواہی دینے پر مجبور ہو جاتا، کلیسا کے نئے اسیروں کے خلاف مقدمات کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا۔

کچھ عرصہ غرناطہ کی حکومت پر مسلمانوں کا اندرونی اضطراب ظاہر نہ ہو سکا، اور زمینیس اس بات سے خوش تھا کہ اُس کے راہب چوراہوں میں کھڑے ہو کر اُن کے دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے بزرگوں کے خلاف بدکلامی کرتے ہیں اور کسی کو اُن کے ساتھ اُلجھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

اگر مسلمانوں کی طرف سے کسی مزاحمت کا خدشہ ہوتا تو گورنر ملینڈوزا یقیناً اس جنونی راہب کے راستے میں مزاحم ہو جاتا، لیکن اب کوئی یہ سوچنے کے لیے بھی تیار نہ تھا کہ اس بُجھی ہوئی راکھ کے اندر کچھ چنگاریاں ابھی تک سلگ رہی ہیں۔

پھر اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جو سب کی توقع کے خلاف تھا۔ ایک دن دو سپاہی جن میں ایک زمینیس کا نوکر اور دوسرا فوجی ملازم تھا، ایک نوجوان لڑکی کو زبردستی پکڑ کر لیے جا رہے تھے، جب وہ البسین کے بڑے چوک میں پہنچے تو چند آدمی لڑکی کی چیخ پکار سُن کر وہاں جمع ہو گئے۔

وہ چلا رہی تھی "میرے بھائیو! میں مسلمان ہوں اور یہ نصرانی مجھے زبردستی مرتد کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے ان ظالموں سے بچاؤ! میں تمھاری بیٹی ہوں! تمھاری بہن ہوں! تم کیا دیکھ رہے ہو؟ تمھاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے؟"

مسلمانوں نے ان کا راستہ روک لیا اور تھوڑی دیر میں وہاں انسانوں

کا ایک ہجوم جمع ہوگیا۔ ایک نوجوان نے گرفتار کرنے والوں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن ایک قوی ہیکل سپاہی، جس نے لڑکی کے سر کے بال پکڑ رکھے تھے اور اپنی سخت گیری کے باعث کافی مشہور ہوچکا تھا، آپے سے باہر ہوگیا اور اس نے اسلام کے نام لیواؤں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔

ایک آدمی نے طیش میں آکر اس کے سر پر پتھر دے مارا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ دوسرا نصرانی جو زمینیس کا ذاتی نوکر تھا، اپنے ساتھی کی لاش چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

پھر ایک شعلہ نوا خطیب نے تقریر کی اور مشتعل ہجوم نعرے لگاتا ہوا زمینیس کی قیام گاہ کی طرف چل پڑا، لیکن اس عرصہ میں مینڈوزا کو عوام کے جوش و خروش کی اطلاع مل چکی تھی اور الحمرا سے فوج کے چند دستے زمینیس کی حفاظت کے لیے پہنچ چکے تھے۔

حملہ آور رات بھر تیروں کی بارش میں مکان کے اندر داخل نہ ہوسکے۔ علی الصباح مینڈوزا تازہ دم فوج لے کر پہنچ گیا اور مسلمان مکان کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہوگئے لیکن شہر کی فضا دس روز تک ٹھیک نہ ہوسکی۔ مسلمانوں کی مسلح ٹولیاں دن رات شہر میں گشت کرتی تھیں اور کسی نصرانی راہب یا سپاہی کو ان کے سامنے آنے کی جرأت نہ تھی۔

اس عرصے میں مینڈوزا نے اپنے ایلچیوں کی معرفت مسلمانوں کے اکابر سے رابطہ پیدا کیا اور انھیں دھمکی دی کہ میں باہر سے افواج منگوا رہا ہوں اگر مسلمانوں نے ان کی آمد سے پہلے ہی اطاعت قبول نہ کرلی تو انھیں ناقابلِ بیان سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مسلمانوں نے انھیں جواب دیا "اس فساد کے ذمہ دار ہم نہیں بلکہ وہ

لوگ ہیں جو معاہدے کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور جب تک حکومت ایسے لوگوں کا سدِّباب نہیں کرتی، اس معاہدے کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہم صرف اس صورت میں ہتھیار ڈال سکتے ہیں جب کہ ہمیں حکومت کی نیت کے متعلق پورا اطمینان ہو جائے!"

لیکن ٹنڈیلا کو اصرار تھا کہ وہ مسلمانوں سے صرف اسی صورت میں کوئی وعدہ کر سکتا ہے جب کہ وہ ہتھیار ڈال دیں۔

بالآخر بشپ تلاویرہ نے قدرے جرأت سے کام لیا اور ایک صبح وہ چند پادریوں اور غیر مسلّح سپاہیوں کے ساتھ باب البنوت[1] میں جا پہنچا اور مسلمانوں کا مشتعل ہجوم اسے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ تلاویرہ اُن کے لیڈروں کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ گورنر مینڈوزا بھی تیر اندازوں کے چند دستوں کے ساتھ پہنچ گیا ——

وہ تیر اندازوں کو ہجوم سے کچھ دُور رُکنے کا حکم دے کر آگے بڑھا اور اپنی ٹوپی اُتار کر ہجوم کے آگے پھینک دی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ صُلح کے ارادے سے آیا ہے۔ ایک بزرگ صورت مسلمان نے اس کی ٹوپی اُٹھا کر گرد جھاڑنے کے بعد اسے واپس کر دی اور یوں ایک عارضی صلح ہو گئی۔

گورنر مینڈوزا نے ہتھیار ڈالنے والوں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا "مجھے معلوم ہے کہ تم حکومت کے باغی نہیں ہو۔ تم صرف یہ چاہتے ہو کہ آئندہ معاہدے کی خلاف ورزی نہ ہو اور میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ آئندہ تمہیں شکایت کا موقع نہیں دیا جائے گا۔"

---

[1] غرناطہ کے ایک کشادہ چوک کا نام۔

ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا "آپ اس بات کی ذمہ داری لے سکتے ہیں کہ آئندہ ہمیں جبراً عیسائی بنانے کی کوشش نہیں کی جائے گی، غرناطہ میں محکمہ احتساب کے اذیت خانے بند کر دیے جائیں گے اور زمینیس سے وہ تمام اختیارات واپس لے لیے جائیں گے جن سے معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی ہے؟"

"میری ذمہ داری یہ ہے کہ غرناطہ میں امن قائم کیا جائے۔" مینڈوزا نے جواب دیا "اور مجھے یقین ہے کہ میرے ہر اقدام کو بادشاہ اور ملکہ کی تائید حاصل ہوگی، جب انھیں معلوم ہوگا کہ زمینیس نے تمھاری دل آزاری کے لیے جو اقدامات کیے تھے، وہ سراسر معاہدے کے خلاف تھے اور تم نے مشتعل ہونے کی بجائے انتہائی حوصلے سے کام لیا ہے تو وہ زمینیس کی بجائے تمھاری طرف داری پر مجبور ہو جائیں گے۔ میں نے اپنا خاص ایلچی اُن کی خدمت میں بھیج دیا ہے اور مجھے یہ توقع ہے کہ وہ کوئی تسلی بخش جواب لے کر آئے گا، لیکن آپ کو چند دنوں تک تحمل سے کام لینا پڑے گا۔ آپ کو اطمینان دلانے کے لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سرِ دست اپنی بیوی اور بچوں کو آپ کی حفاظت میں چھوڑ دوں!"

مسلمانوں کو غرناطہ کے گورنر کی یہ آخری پیش کش ناقابلِ یقین محسوس ہوئی۔ وہ اسے بھی نصرانیوں کا ایک فریب سمجھتے تھے لیکن کچھ دیر بعد جب گورنر نے اپنی بیوی اور بچوں کو مسجد کے ساتھ ایک مکان میں منتقل کر دیا تو وہ جوشیلے نوجوان بھی کسی حد تک مطمئن ہو چکے تھے جو اب نصرانیوں کے کسی وعدے پر اعتبار کرنا گناہ سمجھتے تھے۔

البسین کے قاضی نے وہ چار آدمی جنھوں نے سابقہ ہنگاموں میں بڑھ چڑھ

کر حصّہ لیا تھا، حکومت کو پیش کر دیے اور گورنر کے حکم سے انھیں ایک قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ جب گورنر واپس جانے لگا تو ایک اور معمر آدمی نے محلے کے سرکردہ لوگوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اس سے کہا "جناب! اگر آپ ہم پر اس قدر اعتماد کر سکتے ہیں اور اپنے بال بچوں کو ہمارے پاس چھوڑ کر جا رہے ہیں تو ہمیں بھی آپ سے کوئی بے اطمینانی نہیں ہونی چاہیے۔ اس لیے میں اہلِ محلّہ کی طرف سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ انھیں واپس لے جائیں۔ یہ گھر ان کی شان کے شایاں نہیں۔ کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم اُن کے بدلے اپنے چار آدمیوں کو چھُڑانا چاہتے ہیں۔"

مینڈوزا نے جواب دیا "نہیں! مجھے یقین ہے کہ میری بیوی بچوں کے لیے الحمرا کے قلعے کی بجائے یہ مکان زیادہ محفوظ ہوگا۔ میں ان بہادر لوگوں سے کیسے خائف ہو سکتا ہوں جن کے اسلاف نے صدیوں تک عیسائیوں کے جان و مال کی حفاظت کی ہے۔ میں تمھارے چار آدمیوں کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اُن کے ساتھ قیدیوں کا سا نہیں بلکہ مہمانوں کا سا سلوک کیا جائے گا ـــــــ اور جب شہر کے حالات تسلّی بخش ہو جائیں گے تو انھیں بلا تاخیر رہا کر دیا جائے گا۔"

○

ان ہنگاموں کے دَوران زمینیس کو اپنے مکان کے اندر نظر بند ہو کر رہنا پڑا۔ پھر جب اُسے ذرا چین نصیب ہوا تو اُس نے اوّلین فرصت میں بادشاہ اور ملکہ کے نام ایک مفصّل رپورٹ لکھ کر ایک قاصد کے سپرد کی، لیکن یہ قاصد کہیں راستے ہی میں تھا کہ مینڈوزا کا ایلچی جو اس سے پہلے طلیطلہ کے دربار میں باریابی حاصل کر چکا

تھا، زیمینیس کے لیے بادشاہ اور ملکہ کی طرف سے تہدید آمیز خطوط لے کر واپس آ گیا۔

زیمینیس کو گزشتہ واقعات کے بعد فرڈی نینڈ سے تو کسی بہتر سلوک کی توقع نہ تھی لیکن ملکہ ازابیلا سے اسے یہ امید نہ تھی کہ بادشاہ کی طرح وہ بھی اسے موردِ الزام ٹھہرائے گی۔ چنانچہ اسے تصویر کا دوسرا رُخ دکھانے کے لیے اُس نے بذاتِ خود طلیطلہ پہنچنا ضروری سمجھا۔

راستے کی کٹھن منازل طے کرنے کے بعد یہ بوڑھا راہب قریباً ایک ہفتہ طلیطلہ میں مقیم رہا۔ ازابیلا سے وہ قریباً ہر روز لمبی چوڑی ملاقاتیں کرتا رہا، لیکن فرڈی نینڈ دو دن اس سے اجتناب کرتا رہا۔ تیسرے دن ملکہ کی انتھک کوششوں سے ان کی ملاقات ہوئی تو محتسبِ اعظم ڈائیگو ڈیزا بھی دربار میں موجود تھا۔ قریباً ایک گھنٹہ فرڈی نینڈ اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا، زیمینیس سر جھکائے بیٹھا رہا۔ پھر جب فرڈی نینڈ کا غصہ ذرا ٹھنڈا ہوا تو اُس نے کہا :

"عالیجاہ! میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے اور آپ کو یہ خوش خبری سنانے آیا ہوں کہ میں اپنا مقصد حاصل کر چکا ہوں۔ اب آپ مسلمانوں کے ساتھ ہر معاہدے کی پابندی سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اگر مجھے اس بات کا کوئی اندیشہ ہوتا کہ مسلمان جنگ کرنے کی سکت رکھتے ہیں تو میں ذرہ بھر خطرہ مول نہ لیتا . . . .

غرناطہ کے گورنر نے آپ کو جس بغاوت کی اطلاع دی ہے وہ صرف ایک ہنگامی اشتعال تھا اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ گورنر کی نرمی کے باعث مسلمان دلیر ہو گئے ہیں۔ انھوں نے میری قیام گاہ پر حملہ کیا تھا ——— فادر ڈیزا میرے اس موقف کی تائید کریں گے کہ اپنی باغیانہ سرگرمیوں کے باعث وہ ان تحفظات سے محروم ہو گئے ہیں جو معاہدے کی رُو سے انھیں حاصل تھے۔ اب اُن کے

لیے عیسائیت قبول کرنے یا اندلس چھوڑ دینے کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہیں رہا۔
میں اسے بھی دینِ مسیح کی ایک کرامت سمجھتا ہوں کہ آپ کو اتنی جلدی معاہدے سے چھٹکارا حاصل کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ ورنہ میں یہ سوچا کرتا تھا کہ اگر ہم اپنا فرض پورا کیے بغیر اس دنیا سے چلے گئے تو خدا کو کیا جواب دیں گے اور آیندہ نسلیں ہمارے متعلق کیا خیال کریں گی؟ کیا یہ وہی مسلمان نہیں جنھوں نے کئی صدیاں ہم پر حکومت کی ہے اور جنھوں نے غرناطہ کی حفاظت کے لیے مسلسل دس سال ہمارے ساتھ جنگ کی ہے؟"

فرڈی نینڈ نے تلملا کر کہا "آپ کو یہ معلوم ہے کہ اگر ہم دس سال کی یہ مہم دس مہینوں میں سر کرنے کی کوشش کرتے تو ہمارا کیا حشر ہوتا؟ غرناطہ کو فتح ہوئے سات برس ہو چکے ہیں اور اس عرصے میں کسی جگہ بدامنی نہیں ہوئی لیکن آپ نے چند ہفتوں میں ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں کہ شاید ہمیں جیتی ہوئی جنگ دوبارہ لڑنی پڑے۔ آپ نے صریحاً ہماری ہدایات کی خلاف ورزی کی ہے۔ آپ نے جبراً انھیں عیسائی بنانے کی کوشش کی ہے اور اب آپ یہ شکایت لے کر یہاں آئے کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے۔۔۔

آپ نے ان کی مقدس کتابیں جلائی ہیں اور اب آپ یہ گلہ کرتے ہیں کہ اُن کے سینے میں نفرت کی آگ سلگ رہی ہے۔ میں اسپین کو ایک ایسی عظیم سلطنت بنانا چاہتا ہوں، جس پر کلیسا فخر کر سکے، لیکن آپ مجھے موقع نہیں دینا چاہتے۔ آپ نے پُرامن لوگوں کو بغاوت پر اکسایا ہے۔ یہ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ غرناطہ کے گورنر نے آپ کی حفاظت کے لیے فوج کے بہترین دستے بھیج دیے تھے اور اس نے جرأت اور ہمت سے کام لے کر یہ معاملہ رفع دفع کر دیا ہے، ورنہ اب تک بغاوت کی آگ پورے ملک میں پھیل جاتی۔"

"عالیجاہ! اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ کسی دن مسلمان خلوص دل سے عیسائی ہو جائیں گے تو میں آپ کو پریشان نہ کرتا ـــــــ لیکن صلح کا معاہدہ ہمارے اور اُن کے درمیان ایک ناقابلِ عبور دیوار کی طرح کھڑا ہے۔ میرے نزدیک مسلمانوں کو تبدیلیٔ مذہب پر آمادہ کرنے کی یہی ایک صورت تھی کہ اس دیوار کو گرا دیا جائے اور انھیں اس بات کا موقع نہ دیا جائے کہ وہ چند سال بعد ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔ خدا نے آپ کو طاقت دی ہے اور آپ انھیں ہر وقت دبا سکتے ہیں۔ آپ کو اپنے حصّے کا کام اپنی آیندہ نسلوں پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

ملکہ نے زیمینیس کی تائید کرتے ہوئے کہا "میں غرناطہ کی صورتِ حال کے بارے میں کم پریشان نہ تھی، لیکن فادر زیمینیس نے میرے خدشات دُور کر دیے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ جب آپ اطمینان سے ان واقعات کے متعلق غور کریں گے تو میری طرح آپ بھی یہی محسوس کریں گے کہ خدا کا ہاتھ ہمارے سر پر ہے اور ہمیں اُن معاہدوں کی پابندی نہیں کرنی چاہیے جو ہمیں خدا کی خوشنودی حاصل کرنے سے روکتے ہوں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم جنگ کے دوران کلیسا سے جو وعدے کیا کرتے تھے، وہ پورے کیے جائیں۔ اگر مسلمان عیسائی ہو جائیں تو یہ ایک بہت بڑی فتح ہو گی اور مستقبل کے مؤرخ ہمیں تشدد کا طعنہ دینے کی بجائے خراجِ تحسین پیش کریں گے کہ ہم نے اُن کی آیندہ نسلوں کو گمراہی سے بچا لیا ہے۔ اگر وہ ملک سے ہجرت کر جائیں گے تو بھی ہمیں یہ اطمینان ہو گا کہ ہمارا ملک اُن کے وجود سے پاک ہو گیا ہے ....."

"فادر ڈیزا!" ملکہ نے محتسب اعظم سے مخاطب ہو کر کہا "آپ کیوں خاموش ہیں؟"

"ملکۂ عالیہ!" ڈیزا نے جواب دیا "اگر بادشاہ سلامت مجھے کچھ کہتے

کی اجازت دیں تو میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ طلیطلہ اور ارغون کی تلواروں نے ہمارے لیے فتح کا جو راستہ کھولا تھا، اسے فادر زیمینیس کی تدبیروں نے زیادہ کشادہ اور ہموار کر دیا ہے اور میں ان کی کارگزاری پر فخر کرتا ہوں کہ انھوں نے بادشاہ سلامت کو دشمن کا اصلی چہرہ دکھا کر اس معاہدے کی پابندی سے آزاد کر دیا ہے جس کے باعث سپین میں کلیسا کا بول بالا کرنے کے لیے ہمارے دیرینہ خواب پورے نہیں ہو سکتے.....

میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ فادر زیمینیس کے ہر اقدام کو میری تائید و حمایت حاصل تھی، اور اگر یہ کوئی جرم ہے کہ میں نے بادشاہ سلامت سے پوچھے بغیر محکمۂ احتساب کے بعض اختیارات فادر زیمینیس کو منتقل کر دیے تھے تو میں اس کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔"

فرڈی نینڈ نے بڑی مشکل سے اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے کہا "فادر ڈیزا! میں کلیسا کے معاملات میں دخل نہیں دیتا، لیکن اگر آپ کی کارگزاری سے سلطنت کو کوئی ضعف پہنچا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہوگی۔"

"عالیجاہ! اگر حکومت اور کلیسا کا تعاون برقرار رہا تو آپ کی سلطنت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ عیسائیت کی مکمل فتح کے لیے آپ کے ہر اقدام کو کلیسا کی حمایت حاصل ہوگی اور صرف سپین کا کلیسا ہی نہیں بلکہ یورپ کے ہر ملک میں کلیسا کے محافظ آپ کے ساتھ ہوں گے۔"

فرڈی نینڈ کچھ دیر ملکہ، زیمینیس اور ڈیزا کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ آج یہ بحث ملتوی کر دی جائے۔ مجھے ایک یا دو دن سوچنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد میں کوئی فیصلہ دے سکوں گا اور مجھے امید ہے کہ میرا فیصلہ کلیسا کے مفاد کے خلاف نہیں ہوگا۔"

○

غرناطہ سے زیمینیس کی غیر حاضری کے دنوں میں مسلمان اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ بادشاہ نے گورنر کی شکایت پر اسے واپس بلا لیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا اور گورنر کے بال بچّوں کو عزّت سے واپس بھیج دیا اور اپنے چار قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ حکومت پر چھوڑ دیا۔

پھر ایک شام انھیں زیمینیس کی واپسی کی اطلاع ملی اور اگلی صبح قید خانے سے باہر ایک کشادہ میدان میں چاروں قیدی صلیبوں پر لٹکے ہوئے تھے۔

گلیوں اور بازاروں میں مسلح دستے گشت کر رہے تھے۔ خوف و ہراس کی اس فضا میں مسلمانوں کی چیخیں ان کے سینوں میں دب کر رہ گئیں۔

پھر زیمینیس نے شہر کے اکابر کو البسین کے اسی چوراہے میں جمع ہونے کا حکم دیا، جہاں کتابوں کے انبار جلائے گئے تھے اور انھیں ننگی تلواروں کے پہرے میں یہ حکم سنایا گیا کہ تم یا تو عیسائی ہو جاؤ ورنہ سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ!

اس کے بعد ان لوگوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں جن پر کلیسا کے جاسوسوں نے یہ الزام عاید کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بغاوت پر اکساتے ہیں۔ پھر ان علماؑ اور فقہاؑ کی باری آئی، جنھیں عیسائیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھا جاتا تھا اور بالآخر ظلم و تشدّد کا طوفان ان لوگوں پر ٹوٹ پڑا جنھیں عامۃ الناس قابلِ عزّت سمجھتے تھے۔

چند دن کے اندر اندر ہزاروں انسان تنگ و تاریک قید خانوں میں ٹھونسے جا چکے تھے۔

مساجد کی طرف آنے جانے والوں کو راستے میں زد و کوب کیا جاتا تھا ہر گلی کوچے کے سرکردہ لوگوں کی تلاشیاں لی جاتی تھیں۔ ان کا اسلحہ ضبط کر لیا جاتا تھا اور قرآنِ پاک کے وہ نسخے جو بعض لوگوں نے ابھی تک چھپا رکھے تھے، انھیں اذیتیں دے کر برآمد کیے جاتے تھے۔

مسلمان بند دروازوں کے پیچھے صلح کے معاہدے کی شرائط کے متعلق باتیں کیا کرتے تھے لیکن کسی نصرانی کے سامنے انھیں یہ کہنے کی بھی جرأت نہ تھی کہ تم نے ہمارے ساتھ کوئی معاہدہ کیا اور تمھارے بادشاہ نے یہ حلف اٹھایا تھا کہ اس معاہدے کی خلاف ورزی نہیں ہوگی ـــــــــ اب غرناطہ ان کا وطن نہیں تھا بلکہ کلیسا کے بھیڑیوں کی شکار گاہ بن گیا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ غرناطہ کا گورنر کہاں ہے؟ بشپ تلاویرہ کہاں ہے؟ ہمیں کس جرم کی سزا مل رہی ہے؟ اور ان سوالات کے جواب میں انھیں اپنے گھروں سے باہر سڑکوں اور بازاروں میں نہتے اور بے بس مسلمانوں کی چیخیں اور انھیں زد و کوب کرنے والوں کے وحشیانہ قہقہے سنائی دیتے تھے۔

گورنر مینڈوزا اس صورتِ حال کا ایک بے بس تماشائی تھا۔ وہ ہر روز فرڈی نینڈ کو تازہ حالات کے بارے میں لکھتا، لیکن زمینیس طلیطلہ کے دربار سے جو تازہ اختیارات لے کر آیا تھا، اُن کے پیشِ نظر اسے کوئی عملی قدم اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس نے کئی بار مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا لیکن ایک سیاست دان کی مصلحتیں اس کے ضمیر کی پکار پر غالب آگئیں۔ وہ بشپ تلاویرہ کو سمجھاتا "مقدس باپ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ زمینیس کو سمجھائیے! اسے آگ کے ساتھ کھیلنے سے روکیے!"

اور تلاویرہ شرم و ندامت سے سر جھکا لیتا ——— "اس کو کون سمجھا سکتا ہے ؟ میں اُن اختیارات میں کیسے مداخلت کر سکتا ہوں جو اسے محتسبِ اعظم نے عطا کیے ہیں۔ جب بادشاہ نے آپ کے خطوط کا جواب دینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تو میری بات وہاں کون سُنے گا۔"

"بادشاہ ملکہ کی وجہ سے خاموش ہے۔ وہ اُسے ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا، لیکن ظلم کی یہ آگ کب تک جلتی رہے گی ؟"

"آگ کو صرف ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے اور زیمینیس ایندھن مہیا کرنا جانتا ہے۔ جب سُوکھے ہوئے درخت اس آگ میں بھسم ہو جائیں گے تو وہ سرسبز درختوں کو کاٹ کر اس جہنم میں پھینک دے گا ——— آج کلیسا کے اذیت خانوں میں بے گناہ مسلمانوں کی چیخیں سُن کر میں یہ محسُوس کرتا ہوں کہ کسی دن یہ لوگ ختم ہو جائیں گے تو عیسائیوں کی باری آئے گی اور ہماری آئندہ نسلیں اپنے بے گناہ بھائیوں اور بیٹوں کی چیخیں سُنیں گی ——— ایذا رسانی کے جو ماہرین زیمینیس کے بعد محکمۂ احتساب کے فرائض سنبھالیں گے، وہ اُس سے زیادہ ظالم اور با اختیار ہوں گے اور وہ جوان مظالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، ہم سے زیادہ بے بس ہوں گے ——— ہمیں محکمۂ احتساب کی مرضی کے خلاف کوئی بات کہنے سے خوف محسُوس ہوتا ہے اور وہ کوئی بات سوچتے ہوئے بھی اس سے زیادہ خوف محسُوس کریں گے۔"

"لیکن میرا خیال تھا کہ آپ فادر زیمینیس کی پارسائی سے بہت مرعوب ہیں اور آپ نے اسے کسی مرحلے پر بھی ٹوکنے کی ضرورت محسُوس نہیں کی۔"

"جناب! آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں ایک کمزور آدمی ہوں اور اُن آلام و مصائب سے بچنا چاہتا ہوں جو کلیسا سے بگاڑ کی صُورت میں مجھ پر نازل ہو سکتے

ہیں۔ میں زمینیس کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ مجھ سے خوش نہیں ہو سکتا ———— کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی دن اچانک مجھ پر محکمۂ احتساب کا عتاب نازل ہوگا اور جس طرح آج حامیانِ کلیسا مسلمانوں کو اذیتیں دے کر خوش ہوتے ہیں، اسی طرح وہ میری مظلومیت اور بے بسی پر خوش ہوں گے۔"

اور مینڈونا اسے تسلی دینے کی کوشش کرتا "مقدس باپ! آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ عوام آپ سے محبت کرتے ہیں اور بادشاہ کے دل میں آپ کی بڑی عزت ہے۔ وہ صرف اس وقت تک خاموش ہیں جب تک کہ ملکہ کے دل میں زمینیس کی کارگزاری کے خطرناک نتائج کا احساس پیدا نہیں ہوتا۔ غرناطہ کے ہزاروں مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں میں پناہ لے رہے ہیں

؎ اپنے مستقبل کے بارے میں ان لوگوں کے خدشات بے بنیاد نہ تھے جو محکمۂ احتساب کے مظالم میں حصّہ دار بننے کی بجائے اس کو اعتدال کا راستہ دکھایا کرتے تھے۔ چنانچہ ان واقعات سے کوئی سات سال بعد ۱۵۰۶ء میں قرطبہ کے محتسب لوسیرو نے تلاویرہ پر یہ الزام عاید کیا کہ وہ اور اس کا پورا خاندان عیسائیت سے منحرف ہو چکا ہے۔ لوگ اس اسّی سالہ بوڑھے پادری کے متعلق ایسی بات ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ لیکن لوسیرو کو محتسب اعظم کی تائید حاصل تھی۔ اس نے تلاویرہ پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے قرطبہ میں اس کی بہن، بھانجے اور بھانجیوں کو گھیر لیا۔ نوکروں کو گرفتار کر لیا اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔ تلاویرہ مسلسل ایک سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتا رہا۔ بالآخر مئی ۱۵۰۷ء میں پاپائے روم کی مداخلت سے اسے رہائی نصیب ہوئی، لیکن ایک سال کی ذہنی اور جسمانی اذیتوں کے باعث اس کی صحت اِس

(جاری ہے)

اور مجھے یقین ہے کہ ملکہ اپنی سلطنت کے سب سے بڑے اور سب سے خوب صورت اور خوش حال شہر کو قبرستان بنانا پسند نہیں کریں گی۔"

"فی الحال فرڈی نینڈ ارغون کا اتحاد برقرار رکھنے کے لیے ملکہ کی ناز برداری پر مجبور ہے لیکن جب زیمینیس کی کارگزاری کے نتائج سامنے آئیں گے تو ملکہ کو اس کے متعلق اپنی رائے تبدیل کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

تلاویرہ نے کہا "لیکن مجھے یقین ہے کہ اب بادشاہ بھی ملکہ کا ہم خیال بن چکا ہے اور زیمینیس اسے یہ اطمینان دلا چکا ہے کہ غرناطہ کے مسلمان اب سر اُٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ زیمینیس ہر روز ملکہ کو یہ اطلاع بھیجتا ہے کہ آج اتنے مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں اور اتنے غرناطہ سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۱

قدر تباہ ہو چکی تھی کہ رہائی سے چند روز بعد اس کا سفرِ حیات ختم ہو چکا تھا۔

تلاویرہ کی موت پر فوج کا ایک جرنیل گونزالودی آئیورا بادشاہ کے سیکرٹری کے نام اپنے خط میں محکمۂ احتساب کے افسروں کی کارگزاری پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ان کے ہاتھوں سلطنت تباہ ہو رہی ہے۔ عیسائیت کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ لوٹ مار اور قتل و غارت کے علاوہ کسی دوشیزہ یا کسی کی بیوی کی عزت محفوظ نہیں" ——— یہ عجیب اتفاق ہے کہ تلاویرہ کی موت سے ایک سال بعد اسی محکمۂ احتساب کے حکم سے ایک طرف بے گناہ قیدی آزاد کیے جا رہے تھے اور دوسری طرف قرطبہ کا محتسب لوسیرو جس کے حکم سے انھیں قید کیا گیا تھا' پابجولاں برگس کا رُخ کر رہا تھا اور اسے ہانکنے والے وہی راہب تھے جنھیں اس نے بذاتِ خود بیگناہ لوگوں پر جھوٹے مقدمات بنانے کی تربیت دی تھی۔

فرار ہو چکے ہیں ـــــ ملکہ کھلے دربار میں اس کی تعریف کرتی ہیں اور طلیطلہ کے امرا اور محتسبِ اعظم کی طرف سے اسے مبارکباد کے پیغام آ چکے ہیں۔ کلیسا کے پادری اس بات سے خوش ہیں کہ مسلمانوں کی تمام مساجد گرجوں میں تبدیل کر دی جائیں گی اور حکومت کے اہلکاروں کو امید ہے کہ وہ مسلمانوں کے اجڑے ہوئے گھروں پر قبضہ کر لیں گے۔ آپ مجھے یہ تسلی دیا کرتے تھے کہ آپ کی فوج شہر کے حالات خراب نہیں ہونے دے گی، لیکن اب یہ حالت ہے کہ آپ کی فوج پر بھی زمینیس کا حکم چلتا ہے اور انھیں لوٹ مار کی کھلی آزادی ہے۔"

مینڈوزا نے جواب دیا" میری مجبوری یہ ہے کہ جو راہب مسلمانوں پر دست درازی کرتے ہیں، ان کی حفاظت فوج کے ذمے ہے اور میں انھیں ان ساہیوں کی لوٹ مار میں حصہ دار بننے سے نہیں روک سکتا۔ سونے اور چاندی کے سکے میرے سپاہیوں کی بھوک کلیسا کے پادریوں سے کم نہیں ہو سکتی۔ کسی اور سے میں شاید ایسی بات نہ کر سکوں لیکن آپ کے سامنے مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں بے بس ہوں اور مجھے اس بات پر شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں غرناطہ کا گورنر ہوں۔"

تلاویرہ نے کہا " ہم دونوں بے بس ہیں اور ہماری طرح اسپین کا ہر باضمیر انسان بے بس ہے۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ اچانک زمینیس ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا ـــــ وہ مؤدب کھڑے ہو گئے۔ مینڈوزا نے پوچھا:

" مقدس باپ! خیریت تو ہے۔ آپ بہت پریشان نظر آتے ہیں؟"

زمینیس نے جواب دیا" میں قطعاً پریشان نہیں ہوں اور آپ کو یہ بتانے

آیا ہوں کہ میں پانچ ہزار مسلمانوں کو اصطباغ دے چکا ہوں۔"

تلادیرہ نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ پانچ ہزار..."

زیمینیس نے جلدی سے بات کاٹتے ہوئے کہا "آپ کا مطلب ہے کہ میں اتنی جلدی پانچ ہزار آدمیوں کو کیسے اصطباغ دے سکتا ہوں ——— لیکن مجھے وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے سب پر ایک ہی دفعہ مقدس پانی چھڑک دیا تھا۔ آپ کو میرے طریقِ کار پر کوئی اعتراض ہے؟"

تلادیرہ نے جواب دیا "اگر وہ ہمارے دین کی صداقت پر دل سے ایمان لا چکے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں ان کے دل کا حال معلوم کر سکوں۔ انھیں صرف یہ بتانے کی ضرورت تھی کہ اب تم عیسائی ہو اور اگر تم دینِ مسیح سے منحرف ہو گئے تو تمھیں محکمۂ احتساب کو جواب دینا پڑے گا۔"

"مقدس باپ! تشریف رکھیے!" میںڈوزا نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں! میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ آج آٹھ ہزار آدمی شہر سے نکل گئے ہیں۔"

"میں اس دوہری کامیابی پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔"

"لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ اُن کے ساتھ ایک ہزار ایسے لوگ بھی چلے گئے ہیں جنھیں اصطباغ دیا جا چکا تھا ——— میں نے سپاہیوں سے کہا تھا کہ وہ ان کا پیچھا کریں اور انھیں باندھ کر واپس لے آئیں، لیکن فوج کے افسروں نے مجھ سے تعاون نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ آپ کے حکم کے بغیر انھیں غرناطہ سے باہر گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"لیکن وہ آٹھ ہزار آدمیوں کے قافلے سے آپ کے مطلب کے ایک

ہزار آدمیوں کو کیسے چھانٹ سکتے تھے اور انھیں یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ اُن میں سے عیسائی کون ہیں ؟"

"میں نے سپاہیوں کو یہ حکم دیا تھا کہ ان سب کو گھیر کر واپس لے آئیں تاکہ میرے آدمی اطمینان سے چھان بین کے بعد اصطباغ لینے والوں کو روک لیں۔ میں نے سپاہیوں کو اس کام پر آمادہ کر لیا تھا لیکن ان کے افسروں نے انھیں روک لیا ہے۔"

مینڈوزا نے جواب دیا "خدا کا شکر ہے کہ کم از کم فوج کے افسروں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔"

زیمینیس نے تلملا کر کہا "ان کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اس ملک میں کلیسا کی توہین نہ ہو اور کلیسا کی اس سے زیادہ توہین کیا ہو سکتی ہے کہ ایک ہزار آدمی عیسائی ہونے کے بعد پھر مسلمان ہو جائیں۔ یہ مسئلہ بہت سنگین ہے۔"

"فادر زیمینیس! آپ کو معلوم ہے کہ غرناطہ سے نکلنے والے عام طور پر البجارہ یا سیرا نویدہ کے دوسرے علاقوں کا رُخ کرتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے، اسی لیے میں بھاگتا ہوا یہاں پہنچا ہوں کہ وہ زیادہ دُور نہ نکل جائیں۔"

"آپ نے یہ کوہستانی علاقے دیکھے ہیں؟" مینڈوزا نے سوال کیا۔

"میں ان علاقوں کی طرف اس وقت توجہ دوں گا جب غرناطہ میں میرا کام ختم ہو جائے گا۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ اگر میرے سپاہی قافلے کا پیچھا کرتے تو انھیں صرف چند میل دُور جا کر کس تباہی کا سامنا کرنا پڑتا؟ غرناطہ کے چوراہے میں کتابیں جلانا آسان ہے۔ بالخصوص اس صورت میں جب کہ آپ کے راہبوں کی حفاظت

کے لیے فوج کے مسلح دستے موجود ہوں۔ یہاں لوگوں کے ہجوم پر پانی چھڑک کر یہ اعلان کر دینا بھی آسان ہے کہ اب تم اصطباغ پا چکے ہو ــــــ لیکن کوہستان کے جنگجو مسلمان اہلِ غرناطہ سے مختلف ہیں۔"

"وہ سب ہمارے غلام ہیں اور میں کسی غلام سے نہیں ڈرتا۔"

"لیکن میں ڈرتا ہوں۔ بادشاہ سلامت ان کے ساتھ اُلجھنا پسند نہیں کرتے اور میرا خیال ہے کہ ملکۂ عالیہ بھی یہ پسند نہیں کریں گی کہ انھیں ایک جیتی ہوئی جنگ دوبارہ لڑنی پڑے ــــــ آپ اس لیے نہیں ڈرتے کہ آپ فوجی مسائل کو بھی ایک راہب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ــــــ لیکن میں بدقسمتی سے غرناطہ کا گورنر ہوں اور اگر کوہستان میں بغاوت کی آگ سلگ اٹھی تو اس کی ساری ذمہ داری مجھ پر ڈال دی جائے گی ــــــ اب بھی میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ آیندہ چند ہفتوں یا مہینوں تک غرناطہ کے واقعات کا ردِ عمل کیا ہوگا لیکن ایک بات یقینی ہے کہ اگر ان لوگوں نے بغاوت کر دی تو میری فوج انھیں دبانے کے لیے کافی نہیں ہوگی اور بادشاہ سلامت شاید مزید افواج بھیجنا پسند نہ کریں گے۔"

زیمینیس کچھ دیر غم و غصے کی حالت میں مینڈوزا کی طرف دیکھتا رہا اور پھر نڈھال ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

ابُوالحسن کے دوست

ایک صبح حبشی غلام ابویعقوب، جو چند برس میں ایک قوی ہیکل جوان بن چکا تھا، بھاگتا ہوا مصعب کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا "آقا! نیچے دو آدمی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کا لباس کسانوں جیسا ہے، لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ابوالحسن کے دوست ہیں اور آپ کو بھی جانتے ہیں۔"

مصعب مضطرب ہو کر بولا "ابوالحسن کے متعلق وہ کیا خبر لائے ہیں؟"

"جناب! میں ابوُالحسن کا نام سُنتے ہی اُوپر بھاگ آیا تھا۔"

مصعب جلدی سے اُٹھ کر کمرے سے نکلا اور تھوڑی دیر بعد وہ صحن میں دو آدمیوں کے سامنے کھڑا تھا، جن میں سے ایک کی عمر چالیس سال سے اوپر معلوم ہوتی تھی اور دوسرا اٹھائیس چوبیس سال کا نوجوان دکھائی دیتا تھا۔

بڑی عمر کے آدمی نے مصعب کی پریشان صورت دیکھ کر کہا :

"مصعب! میرا نام یوسف ہے اور میرا خیال ہے آپ مجھے پہچانتے ہیں۔"

"یوسف!" مصعب نے توقف کے بعد مصافحہ کرتے ہوئے کہا "لیکن آپ اس لباس میں؟"

یوسف نے جواب دیا " ان دنوں سفر کرنے کے لیے یہ لباس زیادہ محفوظ ہے۔ (دوسرے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ عُثمان ہے۔"

مصعب نے عثمان سے مصافحہ کرنے کے بعد ہچکچاتے ہوئے پوچھا:
" خدا کے لیے سب سے پہلے مجھے یہ بتائیے کہ آپ ابوالحسن کے متعلق کیا خبر لائے ہیں ؟"

" ابوالحسن کے متعلق ؟" یوسف حیران ہو کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا " ہم اس کے متعلق صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ سلطان کو ساحل پر پہنچا کر آپ کے پاس واپس آ گیا تھا۔"

مصعب نے مایوس ہو کر کہا " تو آپ کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے ؟"

" بالکل نہیں ! سلطان نے مجھ سے اُس کا ذکر کیا تھا کہ عبیداللہ کا بیٹا ابوالحسن زخمی حالت میں اُن کے پاس آیا تھا۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اُس نے غرناطہ کے راستے میں وزیر ابوالقاسم کو اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے دیکھا تھا اور سلطان نے اسے اپنے پاس ٹھہرا لیا تھا ــــــــ پھر چند دن بعد جب سلطان نے ہجرت کی تو وہ انھیں ساحل ہی پر چھوڑ کر واپس آ گیا تھا۔ ملکہ نے میری بیوی کو بتایا تھا کہ اس کی شادی آپ کے خاندان کی ایک نیک دل لڑکی سے ہونے والی تھی اور انھیں یہ امید تھی کہ شادی کے بعد وہ اپنی بیوی کے ساتھ مراکش پہنچ جائے گا، لیکن آپ بہت پریشان معلوم ہوتے ہیں ؟"

مصعب نے کہا " معاف کیجیے ! مجھے یہ بھی احساس نہیں ہوا کہ آپ یہاں کھڑے ہیں۔ تشریف لائیے ! ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ بالائی منزل کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور مصعب انھیں ابوالحسن کی سرگزشت سُنا رہا تھا۔ سعاد اور اس کی خالہ

برابر کے کمرے میں ایک نیم وا دروازے کے پیچھے کھڑی تھیں۔

آخر میں یوسف نے پوچھا "آپ کو یقین ہے کہ وہ زندہ ہے؟"

مصعب نے جواب دیا "مجھے تو یقین نہیں، لیکن سعاد کو یقین ہے کہ وہ ضرور واپس آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان گنت خطرات کے باوجود وہ یہاں سے ہجرت کرنے کے لیے تیار نہیں۔"

"حارث نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ نصرانی اسے کہاں لے گئے ہیں؟"

"نہیں! وہ ہمیشہ مجھے یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے کہ ڈان لوئی اسے کسی دن ضرور رہا کر دے گا۔ میں اس بات پر اصرار نہیں کرتا کہ وہ کہاں ہے کیونکہ اگر مجھے معلوم بھی ہو جائے، تو بھی میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا ——— اگر وہ حارث کے قلعے کے کسی تہ خانے میں پڑا ہوا ہو، تو بھی میں اس کی مدد نہیں کر سکتا۔"

یوسف نے کہا "وہ قلعہ ہم راستے میں دیکھ چکے ہیں اور اگر اس بات کا ذرا بھی شک ہو کہ ابوالحسن وہاں ہے، تو ایک ہفتے کے اندر اندر وہ اور آپ سب ہمارے ساتھ جہاز پر مراکش کا رُخ کر رہے ہوں گے۔"

"وہ الفجارہ میں نہیں ہے۔ نصرانی اسے کسی ایسی جگہ لے گئے ہیں جہاں ہماری رسائی نہیں ہو سکتی، اور حارث قسمیں کھاتا ہے کہ اسے کچھ معلوم نہیں۔"

اچانک سعاد چہرے کا نقاب درست کرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا "حارث کو ہم سچ بولنے پر مجبور نہیں کر سکتے، لیکن ابوالحسن کے متعلق حارث سے پوچھے بغیر بھی یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ کہاں ہیں۔ اُنھیں سلطان کے ایک نوکر پر شبہ تھا کہ وہ نصرانیوں کا جاسوس ہے اور جب ابوالحسن سلطان کو ساحل پر پہنچا کر واپس آئے تھے تو وہ اُن کے ساتھ

تھا۔ اس کا نام ابو عامر ہے ——— اور حارث نے سلطان کے کئی اور نوکروں کی طرح اسے بھی ملازم رکھ لیا تھا ——— وہ قلعے میں کام کرتا ہے لیکن اس کا گھر پاس ہی ایک گاؤں میں ہے۔ میں ابو یعقوب سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کرنے کے بعد اُس کی بیوی کے پاس گئی تھی اور پھر وہ میرے پاس یہ اطلاع لے کر آئی تھی کہ ابوالحسن زندہ ہے لیکن اس کے خاوند نے اسے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں ہے۔ اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ وہ بہت کچھ جانتا ہے ——— ابوالحسن کی گرفتاری کے بعد وہ چند ماہ کے لیے لاپتہ ہو گیا تھا اور اس کی بیوی کو بھی اس بات کا علم نہیں کہ وہ کہاں گیا تھا؟ میرا تو خیال تھا کہ اس سے اچھی طرح پوچھنے کی کوشش کی جائے، لیکن خالو جان یہ کہتے تھے کہ اگر وہ جاسوس ہے تو اس سے کوئی بات کرنا سُود مند نہیں ہو گا۔"

مصعب نے کہا "میں واقعی یہ بات محسوس کرتا ہوں کہ اگر اُس نے ابوالحسن کو گرفتار کروایا ہے، تو اس کا پیچھا کرنے سے ہم سب پر مصیبت آ جائے گی۔ سعاد کا اس کی بیوی کے پاس جانا بھی مناسب نہ تھا۔"

"ابو یعقوب کون ہے؟" یوسف نے سوال کیا۔

مصعب نے جواب دیا "وہ ہمارا ایک انتہائی وفادار نوکر ہے۔"

یوسف نے سعاد کی طرف دیکھا اور کہا "بیٹی! بیٹھ جاؤ!! اگر حارث یا اُس کے کسی نوکر کو یہ معلوم ہے کہ ابوالحسن کہاں ہے تو ہم اس کا پتا لگائے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ پھر اگر اس کے قید خانے تک میری رسائی ہو سکی، تو اس کی رہائی کی پوری کوشش کی جائے گی اور اگر اسے کسی ایسی جگہ بھیجا جا چکا ہے جہاں ہم فوراً نہ پہنچ سکیں تو تمہیں کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑے گا۔ ہم بہت

جلد واپس جا رہے ہیں، اور یہ اب حالات پر منحصر ہے کہ ہم کتنی جلدی ابوالحسن کی رہائی کی مہم کے لیے تیار ہو سکیں گے۔"

سعاد کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو جھلک رہے تھے۔

یوسف نے قدرے توقف کے بعد مصعب کی طرف متوجہ ہو کر کہا :

"یہاں آکر جب مجھے غرناطہ کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، اُن سے میرا اندازہ ہے کہ الفجارہ کے مسلمان زیادہ دیر اطمینان کا سانس نہیں لے سکیں گے — غرناطہ سے سینکڑوں نئے مہاجر یہاں پہنچ چکے ہیں۔ ان حالات میں میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں، آج سے سات دن بعد ہمارا جہاز پہنچ جائے گا۔"

سعاد اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی "مجھے یقین ہے کہ وہ یہاں ضرور آئے گا، اور میں مرتے دم تک اس کا یہیں انتظار کروں گی۔"

عثمان جواب تک خاموش بیٹھا تھا، مصعب سے مخاطب ہوا :

"آپ ابو یعقوب کو یہ ہدایت کر دیں کہ ہمارے کہنے پر عمل کرے۔ انشاءاللہ رخصت ہونے سے پہلے ہم آپ کو یہ بتا سکیں گے کہ ابوالحسن کہاں ہے اور اس کے دوست کب اور کس حد تک اس کی مدد کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کی اس بات سے کچھ تسلی ہو سکتی ہے تو میں یہ بتا سکتا ہوں کہ ابوالحسن کا ایک بہی خواہ بحیرۂ روم میں ترکی بیڑے کے امیرالبحر کا ایک نائب ہے اور اندلس کے ساحلی علاقے کی کوئی آبادی ہمارے جنگی جہازوں سے محفوظ نہیں۔"

سعاد نے پُر امید ہو کر کہا "ابو یعقوب کے متعلق آپ مطمئن رہیں، وہ ہمارے لیے بڑی سے بڑی قربانی بھی دے سکتا ہے۔"

○

چاند کی دسویں رات تھی۔ غروبِ آفتاب سے ایک ساعت بعد ابو عامر حسبِ معمول اپنے کام سے فارغ ہو کر قلعے سے نکلا اور اپنے گاؤں کی طرف چل پڑا۔ ہوا خوش گوار تھی اور اس نے کچھ دیر آہستہ آہستہ گنگنانے کے بعد کوئی گیت گانا شروع کر دیا۔ اس کی رفتار کبھی تیز اور کبھی سست ہو رہی تھی۔ نصف گھنٹہ بعد اس نے گاؤں کی ایک کشادہ گلی کے بائیں ہاتھ پہلے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ کسی نے اندر سے کنڈی کھولی اور اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا "عمارہ! مبارک ہو!! حارث نے وعدہ کیا ہے کہ جب مصعب ہجرت کرے گا تو ابو القاسم کی زمین کی تقسیم سے ہمیں بھی حصہ ملے گا"۔

اچانک یوسف نے اپنے آہنی ہاتھوں سے اس کا گلا دبوچ لیا اور اسے عمارہ کی بجائے بارُعب مردانہ آواز سُنائی دی "مصعب ابھی ہجرت نہیں کرے گا۔"

خوف اور اپنے گلے پر آہنی گرفت کے باعث اُس کے حلق سے کوئی اور آواز نہ نکل سکی ——— وہ اپنے سامنے ایک دراز قامت آدمی کو دیکھ رہا تھا۔

یوسف نے اپنے ہاتھوں کی گرفت قدرے ڈھیلی کرتے ہوئے کہا "تم ہماری حراست میں ہو، اگر چلانے کی کوشش کی تو تمہاری پہلی چیخ، آخری چیخ ہو گی"۔

اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "میری بیوی اور بچے کہاں ہیں؟"

"وہ گاؤں سے باہر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر تم ان کی زندگی چاہتے

ہو تو ہمارے ساتھ چلو!"

"لیکن آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟"

یوسف نے اسے جھنجھوڑنے کے بعد اپنا خنجر نکال کر اس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا "بے وقوف! آہستہ بولو، ورنہ یہ خنجر بہت تیز ہے۔ اگر تمھیں اپنی جان عزیز نہیں تو اپنے بیوی بچوں کی سلامتی کے لیے میرے ساتھ چلو۔ ہم کسی محفوظ جگہ پہنچ کر تم سے چند باتیں پوچھنا چاہتے ہیں اور تمھاری زندگی کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ تم کس حد تک سچ بولتے ہو ــــــ تمھاری بیوی اور بچے بہرحال محفوظ رہیں گے۔ ہم انھیں تمھارے جرائم کی سزا نہیں دے سکتے۔"

ابو عامر خاموشی سے اس کے ساتھ چل دیا۔ یوسف نے ایک ہاتھ سے اُس کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

گاؤں سے باہر نکل کر یوسف نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا "ابو عامر! اب تمھارے اطمینان کے لیے میں تمھیں یہ بات بتا سکتا ہوں کہ تمھاری بیوی اور بچے اس وقت اُس آدمی کی پناہ میں ہیں، جو اپنی شادی کے دن گرفتار ہوا تھا، اور ایک طویل قید کا اُس پر اتنا اثر ہوا ہے کہ وہ کسی شوہر اور بیوی کی جُدائی برداشت نہیں کر سکتا، ورنہ اس وقت تم زندہ نہ ہوتے۔"

"ابوالحسن!" اس نے تڑپ کر کہا "لیکن ..... لیکن وہ تو ...."

"ہاں! ہاں!! تم خاموش کیوں ہو گئے؟ شاید وہ تمھیں یہی بتانے آیا ہو کہ وہ قید سے کیسے فرار ہوا اور یہاں کیسے پہنچ گیا، اور کسی کے خوف سے تمھارے گھر میں بات کرنا مناسب نہ سمجھتا ہو ــــــ ہم مصعب کے گھر جانے کی بجائے سیدھے تمھارے گھر آئے ہیں۔"

"لیکن مصعب کے گھر کا راستہ تو دوسری طرف ہے۔ آپ مجھے کہاں لیے جا رہے ہیں؟"

"بے وقوف! ابوالحسن مصعب کے گھر جانے سے پہلے یہ تسلی کرنا چاہتا ہے کہ تم اسے دوبارہ تو گرفتار نہیں کرا دو گے ——— میں تم سے یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم اس کے ساتھ سوچ سمجھ کر بات کرو۔ اگر تم اپنے جرم کا اعتراف کر لو گے تو ممکن ہے کہ ابوالحسن تمھیں اور تمھارے بچوں کو تمھاری بیوی کے سامنے قتل کرنا پسند نہ کرے۔"

ابو عامر نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "خدا کے لیے میری مدد کیجیے! میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ابوالحسن کا سامنا کرنے سے پہلے تم مجھے اصل واقعات بتا دو۔ ہو سکتا ہے اپنے جرم کے اعتراف سے تمھاری جان بچ جائے ——— جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، ابوالحسن کی نگاہ میں بھی تم ایک چھوٹے مجرم ہو ——— بڑا مجرم حارث ہے اور تم اس کے جاسوس ہو۔"

ابو عامر نے قدرے توقف کے بعد کہا "مجھ سے ایک گناہ ہو گیا تھا، اور اب میں بہت پچھتا رہا ہوں۔ اگر ڈان لوئی ابوالحسن کو بلنسیہ نہ بھیج دیتا، تو میں اس کی بیوی اور مصعب کو ضرور اُس کے متعلق اطلاع دیتا ——— غرناطہ میں شاید کوئی اس کی مدد کر سکتا، لیکن بلنسیہ تک کسی کی رسائی ممکن نہ تھی۔ اُس کا، کاؤنٹ ڈان لوئی کی قید سے نکلنا اور یہاں پہنچ جانا ایک معجزہ ہے۔ میں وہ جگہ دیکھ چکا ہوں جہاں اُس کے غلام رہتے ہیں۔ میں سمندر کے کنارے اس کا قلعہ اور محل بھی دیکھ چکا ہوں۔ ڈان لوئی کے انتظامات ایسے ہیں کہ کسی غلام کے فرار ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"تم بلنسیہ تک ابوالحسن کے ساتھ گئے تھے؟"

"یہ ایک مجبوری تھی۔ مجھے حارث نے رات کے وقت یہاں سے اُن کی راہنمائی کے لیے روانہ کیا تھا اور وہ مجھے غرناطہ لے گئے، پھر مجھے اُن کے سپاہیوں کے ساتھ جانا پڑا جو ڈان لوئی کے غلاموں کو اُس کی جاگیر تک پہنچانے گئے تھے۔"

"تم کتنے دن وہاں ٹھہرے تھے؟"

"مجھے انھوں نے چھ ماہ کے لیے روک لیا تھا۔"

"تمھیں ڈان لوئی کے قید خانے کا محلِ وقوع یاد ہے؟"

"ہاں! وہ صرف اس حد تک قید خانہ ہے کہ رات کو دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور سپاہی پہرا دیتے ہیں۔ دن کے وقت کسی کے بھاگ نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب تک جتنے غلاموں نے بھاگ نکلنے کی کوشش کی ہے، وہ سب پکڑے گئے ہیں۔ میں نے دو غلام ایسے دیکھے ہیں جن کے نصف پاؤں کٹے ہوئے تھے ____"

یوسف نے پوچھا "سمندر وہاں سے کتنی دُور ہے؟"

"اس کا محل خلیج کے سرے پر ہے جو ساحل سے کوئی چار میل تک اندر چلی گئی ہے۔ بلنسیہ کی بندرگاہ وہاں سے تین منزل دُور ہے۔"

"غلام اس کے کھیتوں میں کام کرتے ہیں؟"

"ہاں! ابوالحسن نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہوگا۔"

"ابوالحسن نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

ابوعامر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں سچ کہتا ہوں" یوسف نے کہا "ادھر دیکھو! اُس درخت کے

قریب تمھاری بیوی اور لڑکے تمھارا انتظار کر رہے ہیں، انھیں یہ سمجھاؤ کہ اگر انھیں تمھاری زندگی مطلوب ہے تو خاموشی سے ہمارے ساتھ چلتے رہیں۔ آگے ایک بستی سے ان کے لیے سواری کا انتظام ہو جائے گا۔"

"لیکن آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میں سچ بول کر اپنی جان بچا سکتا ہوں۔"

"میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔"

"آپ ابوالحسن سے میری جان بخشی کروانے کا وعدہ کرتے ہیں؟ مجھے اس کا سامنا کرتے ہوئے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"بے وقوف! جب تم ابوالحسن کا سامنا کرو گے تو تم اس کی پناہ میں ہو گے۔ اس وقت تم میری پناہ میں ہو۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ ابوالحسن یہاں نہیں ہے؟"

"نہیں!"

"آپ ہمیں کہاں لیے جا رہے ہیں؟"

"کسی ایسی جگہ جو تمھارے بچوں کے لیے الفجارہ سے زیادہ محفوظ ہے اور تم وہاں ہمارے قیدی نہیں ہو گے۔ اگر تم رضاکارانہ طور پر اپنے گناہوں کی تلافی کے لیے آمادہ ہو گئے تو تمھاری بیوی اور بچے اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھیں گے۔"

وہ درخت کے قریب پہنچے۔ عمارہ نے اپنے شوہر کو دیکھ کر اطمینان سے کہا "آپ فکر نہ کریں! ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں۔"

ابو عامر نے اپنے چھوٹے لڑکے کو اٹھا کر گلے لگایا اور بڑا لڑکا بھی اُس کے ساتھ چمٹ گیا۔

یوسف نے حبشی ملازم سے مخاطب ہو کر کہا "ابو یعقوب! تم واپس

جاؤ اور انھیں یہ بتاؤ کہ ہمیں ابوالحسن کا سُراغ مِل گیا ہے اور ہم اسے گرفتار کروانے والے کو اپنے ساتھ سمندر پار لے جا رہے ہیں۔ ساحل سے حارث کو یہ اطلاع بھیج دی جائے گی کہ وہ ہجرت کر کے افریقہ جا رہا ہے اور جب تم مصعب کو سارے حالات بتاؤ گے تو وہ سمجھ جائے گا کہ ہم اس سے دوبارہ ملاقات کیے بغیر کیوں جا رہے ہیں۔ ہمیں ابوالحسن کے متعلق تمام باتیں معلوم ہو چکی ہیں اور ابوعامر اب ہمارا ساتھی بن چکا ہے۔ ہمیں توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے اور ہم اس کامیابی سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔"

عثمان نے کہا "تم ابوالحسن کی بیوی کو میری طرف سے یہ پیغام دو کہ میں ابوالحسن کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں ——— اور میں اس کے لیے بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوں۔"

یوسف نے کہا "اب جاؤ اور مصعب کے گھر سے باہر کسی دوسرے آدمی سے ان باتوں کا ذکر نہ کرنا۔"

"جی! میں بے وقوف نہیں ہوں ——— خدا آپ کا حامی و ناصر ہو! میں آپ کی راہ دیکھا کروں گا۔" ابویعقوب یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا۔

عثمان نے ابوعامر سے مخاطب ہو کر کہا "تم سب خاموشی سے ہمارے ساتھ چلتے رہو۔ اگر کوئی پوچھے تو اسے کہو کہ ہم غرناطہ کے مہاجر ہیں۔ میرے پاس دو طپنچے اور ایک خنجر ہے اور ذرا سی غلطی تمھارے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔"

وہ خاموشی سے اُن کے ساتھ چل دیے۔

کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد یوسف نے کہا "ابوعامر! تم اپنے بچوں کو یہ تسلّی دے سکتے ہو کہ راستے میں اُن کے لیے سواری کا انتظام

ہو جائے گا اور پھر ہم اطمینان سے جہاز پر سفر کر سکیں گے "

آدھی رات کے قریب وہ ایک بستی میں رُکے، جس کا رئیس یُوسف کا پُرانا دوست تھا۔ اُس نے انھیں ٹھہرانے پر اصرار کیا' لیکن یوسف نے کہا " ان قیدیوں کی وجہ سے میں چند میل دُور جاکر آرام کروں گا۔ راستے میں کئی اور دوست ہیں جن کے پاس مجھے رُکنا پڑے گا۔ آپ صرف اگلی منزل تک ہمارے لیے سواریوں کا انتظام کر دیں "

تھوڑی دیر بعد ابو عامر اور اس کی بیوی ایک ایک بچّے کے ساتھ خچروں پر اور یوسف اور عثمان گھوڑوں پر سفر کر رہے تھے۔ بستی کے تین چار نوجوانوں نے خچروں کی باگیں پکڑ رکھی تھیں ۔

الفجارہ سے الجزائر تک

سات دن بعد مہاجرین سے بھرا ہوا ایک ترکی جہاز جس پر مراکش کا جھنڈا نصب تھا، افریقہ کا رُخ کر رہا تھا اور عثمان ایک کسان کی بجائے بحری افسر کے لباس میں ملّاحوں کو ہدایات دے رہا تھا ______

ابو عامر کی بیوی اور بچے مہاجرین کے ساتھ بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے۔ یوسف اور عثمان نے کسی کو یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ ابو عامر اور اُس کے بچے جہاز پر قیدیوں کی حیثیت سے جا رہے ہیں۔

عمارہ پہلے دن ہی کئی عورتوں کے ساتھ باتیں کر چکی تھی اور اس کے دل میں اگر کوئی خوف تھا تو وہ دُور ہو چکا تھا ______ ابو عامر کو اب تک اپنے مستقبل کے متعلق اطمینان نہیں تھا۔ وہ اس بات سے ڈرتا تھا کہ یوسف اور عثمان کی نرمی کسی وقت بھی سختی میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ تاہم جب وہ یہ سوچتا کہ اس کی بیوی اور بچے ترکوں کی پناہ میں جا رہے ہیں تو اسے ایک گونہ اطمینان محسوس ہوتا۔

سفر کی دوسری شام عثمان اور یوسف جہاز کے عرشے پر کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے، ابو عامر جھجکتے ہوئے ان کے قریب پہنچا اور سہمی ہوئی آواز میں بولا "جناب! میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہو!" یوسف نے کہا۔

"جناب! میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے آپ ابوالحسن کی رہائی کے بارے میں ہر وقت جان کی بازی لگانے کے لیے تیار پائیں گے۔ میرے لیے اس سے بڑا اطمینان اور کیا ہو سکتا ہے کہ میرے بعد میرے بچے بے سہارا نہیں ہوں گے ـــــ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کا موقع دیں گے۔"

یوسف نے کہا "اس بات کا فیصلہ تمھاری بیوی اور بچوں کو الجزائر پہنچانے کے بعد کیا جائے گا کہ تم ابوالحسن کی رہائی کے لیے کیا کر سکتے ہو۔"

"میرا خیال تھا کہ آپ مراکش جا رہے ہیں۔"

"یہ جہاز مراکش سے ہو کر جائے گا، اور میں وہیں رہتا ہوں۔"

عثمان نے کہا "جب تمھارا خوف دُور ہو جائے گا تو ہم کسی دن اطمینان سے باتیں کریں گے۔ میں الجزائر میں اپنے افسروں سے مشورہ کرنے کے بعد ہی تمھیں یہ بتا سکتا ہوں کہ تم سے کیا کام لیا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ نائب امیرالبحر ہمیں راستے میں ہی مل جائیں اور ہماری توقع سے پہلے ہی تمھیں مہم پر بھیج دیا جائے۔ لیکن بلنسیہ کے ساحل پر اتارنے سے پہلے تمھیں کافی تربیت دی جائے گی۔ تم اسپینی زبان جانتے ہو؟"

"جی ہاں! مرسیہ سے غرناطہ فرار ہونے سے قبل میں ایک نصرانی کا غلام تھا ـــــ پھر قلعے میں حارث کے ساتھ چند عیسائی بھی ملازم تھے اور میں ان کے ساتھ ہمیشہ اسپینی زبان میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ زبان کا مسئلہ میرے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتا۔"

عثمان نے کہا "تمھیں یہ سمجھنے میں کافی دن لگ جائیں گے کہ تم کو بلنسیہ

کیسے پہنچنا ہے اور وہاں جاکر کیا کرنا ہے۔"

ابوعامر نے کہا "آپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آئے گا۔ کبھی کبھی آپ کا نیک سلوک دیکھ کر مجھے خیال آتا ہے کہ میں سمندر میں چھلانگ لگا دوں ——— میں محسوس کرتا ہوں کہ ابوالحسن کو واپس لائے بغیر مجھے چین نصیب نہیں ہوگا ——— اس لیے میں چاہتا ہوں کہ الجزائر پہنچ کر آپ مجھے کسی تاخیر کے بغیر اس مہم پر بھیج دیں ——— میرے اضطراب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ڈان لوئی کے متعلق میں نے سُنا تھا کہ جب اس کے پاس غلاموں کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ اُن میں سے بعض کو مغرب کی نئی دُنیا کے آبادکاروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، لیکن جو لوگ زیادہ تندرست ہوتے ہیں، انھیں وہ کسی قیمت پر فروخت نہیں کرتا ——— وہاں ایک یہودی غلام نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ بذاتِ خود نئی دنیا میں آباد ہونا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ وہاں اس کی جاگیر آباد کرنے کے لیے بہترین آدمی ہوں۔ ابوالحسن کو بلنسیہ گئے ایک مُدّت گزر چکی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ ڈان لوئی نے اسے نئی دنیا[1] روانہ نہ کر دیا ہو۔"

عثمان نے کہا "اس صورت میں ہم شاید دعاؤں کے سوا کچھ نہ کر سکیں۔"

ابوعامر نے کہا "مجھے ایک اور خطرہ ہے۔"

"وہ کیا؟" عثمان نے پوچھا۔

---

[1] امریکہ ــ کرسٹوفر کولمبس سقوطِ غرناطہ سے چند ماہ بعد مغرب کی نئی دنیا دریافت کر چکا تھا۔ اس نے سینٹا فے میں فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا سے ملاقات کی تھی اور اس ملاقات میں بادشاہ اور ملکہ نے اسے بحری مہم کیلیے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا، جس کے نتیجے میں امریکہ دریافت ہوا تھا۔

"بلنسیہ کے حالات غرناطہ سے یکسر مختلف ہیں۔ وہاں جو ظلم پہلے یہودیوں پر ہوتا تھا، اس سے زیادہ اب مسلمانوں پر ہو رہا ہے۔ پادری اور لارڈ بشپ تو رکمیڈا کے اس حکم پر سختی سے عمل کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنا لیا جائے۔ بلنسیہ کے بڑے بڑے زمیندار جن کی خوشحالی کا انحصار اپنے مسلمان کاشت کاروں، نوکروں اور غلاموں کی محنت پر ہے، یہ نہیں چاہتے کہ اُن پر سختی کر کے انھیں فرار ہونے پر مجبور کر دیا جائے ——— وہ حتی الامکان انھیں پناہ دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن کلیسا کے جاسوس ہر جگہ موجود ہیں اور جب کسی پر یہ الزام لگا دیا جاتا ہے کہ اس سے دانستہ دینِ مسیحؑ کے خلاف کوئی گستاخی ہوئی ہے تو جاگیردار اسے سزا دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں ——— پہلی بار اسے کوڑے مارنے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اس کے بعد اگر اس کے خلاف کلیسا کو کوئی شکایت ہو تو اسے انکوی زیشن کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور انکوی زیشن کی سزائیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان ہر لمحہ موت کی تمنا کرتا ہے ——— میری موجودگی میں ابوالحسن نے ایک بار دس کوڑے کھائے تھے۔ وہ نماز پڑھ رہا تھا اور پادری کو یہ بات پسند نہیں تھی۔ وہ کہتا تھا کہ میں تمام قیدیوں پر متبرک پانی چھڑک چکا ہوں، اس لیے مسلمان قیدیوں کے متعلق بھی یہی سمجھا جائے گا کہ وہ اصطباغ پا چکے ہیں ——— ابوالحسن نے نماز پڑھتے ہوئے کوڑے کھائے تھے اور پادری کی یہ کوشش تھی کہ اسے انکوی زیشن کے سپرد کر دیا جائے، لیکن ڈان لوئی کے کارندے نے شاید پادری کو کچھ دے کر یہ معاملہ رفع دفع کر دیا۔ مجھے بار بار خیال آتا ہے کہ اب حالات زیادہ خراب ہو گئے ہوں گے۔ ابوالحسن جان دے دے گا لیکن اپنا دین چھوڑنا پسند نہیں کرے گا ——— ابوالحسن کاؤنٹ ڈان لوئی اور اُس کے کارندے کو اس لیے پسند

ہے کہ وہ سرکش گھوڑوں کو ٹھیک کرنے کے علاوہ ان کی بہت سی بیماریوں کا علاج بھی جانتا ہے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ اُسے زیادہ عرصہ پادری کے عتاب سے نہیں بچا سکے گا۔"

عثمان بولا "تمھاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈان لوئی اور حارث، دونوں تمھیں قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں؟"

"ہاں جناب! میں حارث کے جرائم میں شریک ہوں اور ڈان لوئی مجھے نصرانی حکومت کا وفادار سمجھتا ہے۔"

"چھ مہینے کافی لمبا عرصہ ہوتا ہے اور میرا خیال ہے کہ تم ڈان لوئی کے قلعے، محل اور غلاموں کی رہائش گاہوں کے متعلق کافی واقفیت حاصل کر چکے ہو گے؟"

"جناب! میں کبھی کبھی اُن کے گھر میں غرناطہ کے کھانے بھی پکایا کرتا تھا اور مجھے ہر جگہ گھومنے پھرنے کی عام آزادی تھی ——— جب ڈان لوئی نے مجھے ابو الحسن کو غرناطہ سے بلنسیہ پہنچانے والے سپاہیوں کا ساتھ دینے کا حکم دیا تھا تو اس کی یہ خواہش تھی کہ میں غلاموں پر جاسوسی کرنے کے لیے وہیں رہوں۔ اُس نے مجھے بہت اچھی تنخواہ دینے کا وعدہ کیا تھا، لیکن میں نے منت سماجت کے بعد اس شرط پر جان چھڑائی کہ جب میں الفجارہ چھوڑنے کی ضرورت محسوس کروں گا تو اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا، پھر بھی مجھے چھ ماہ ڈان لوئی کی جاگیر پر رہنا پڑا۔ اس کے بعد انھوں نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ مجھے دس دوکٹ انعام دیے اور جہاز کے ذریعے واپس بھیج دیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم وہاں کے حالات سے واقف ہو اور حارث کے ایلچی بن کر وہاں جا سکتے ہو؟"

"ہاں جناب! ــــــ اگر میں اسے یہ بتاؤں کہ اب ایسے حالات ہو گئے ہیں کہ الفجارہ کے کئی لوگ نئی دنیا میں آباد ہونے کے لیے تیار ہیں یا چند آدمیوں کو جبراً پکڑا جا سکتا تو اسے میری باتوں پر یقین آ جائے گا لیکن مجھے بار بار یہ خدشہ محسوس ہوتا ہے کہ ہماری طرف سے کوئی اعانت ملنے سے قبل ابوالحسن نئی دنیا نہ پہنچ چکا ہو!"

یوسف نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "جب قدرت کسی کی مدد کرنا چاہتی ہے تو حالات خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ مراکش میں سلطان اور ملکہ سے میری ملاقات کے دوران ابوالحسن کا ذکر آ گیا تھا، پھر میں اسے تلاش کرتا رہا، لیکن جو نئے مہاجرین آئے تھے، اُن میں سے کوئی اُس کا پتا نہ دے سکا۔ اس کے بعد میں پرانے رفیقوں سے ملنے الجزائر گیا۔ وہاں نائب امیرالبحر سلمان، عثمان اور ابوالحسن کے چند اور دوستوں سے ملاقات ہوئی ــــــ وہ اسے بہت یاد کرتے تھے اور جب میں نے انھیں یہ بتایا کہ میں الفجارہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے چند دنوں تک وہاں جانا چاہتا ہوں تو سلمان نے نہ صرف یہ تاکید کی کہ میں ابوالحسن کا پتا لگا کے آؤں بلکہ مجھے اُندلس کے ساحل پر اُتارنے کے لیے ایک جہاز بھی بھیج دیا ــــــ عثمان اس جہاز کے کپتان کا نائب ہے۔ اسے الفجارہ کے سفر میں میرا ساتھ دینے کی اجازت مل گئی تھی ــــــ پھر تمھارا قلعے کے اندر رہنے کی بجائے ایک گاؤں میں سکونت اختیار کرنا، غروبِ آفتاب کے بعد ہمیں اس بات کا موقع مل جانا کہ تمھاری بیوی اور بچوں کو گاؤں سے باہر لے جائیں، پھر تمھارا آرام سے گرفتار ہو جانا اور بالآخر اتنی جلدی راہِ راست پر آ جانا، یہ تمام باتیں بے مقصد نہیں ہو سکتیں ــــــ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ نے اس معصوم لڑکی کی دُعائیں سُن لی ہیں اور وہ تمھیں اپنے جرم کی تلافی کا

موقع دینا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمھاری ذہنی کایا پلٹ میں تمھاری بیوی کی دُعاؤں کا بھی دخل ہو ـــــ وہ مجھے ایک اچھی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔"

ابو عامر نے کہا "جب سے ابو عبداللہ نے ہجرت کی ہے، وہ ہمیشہ یہ دُعا کیا کرتی ہے کہ اللہ ہمیں بھی ہجرت کا موقع دے۔ اس شام جب آپ نے مجھے گرفتار کر لیا تھا، میں گھر میں داخل ہوتے ہی اسے یہ مژدہ سنانا چاہتا تھا کہ زمین مل جانے کے بعد ہم اتنے خوش حال ہو جائیں گے کہ تم ہجرت کے متعلق سوچنا بھی پسند نہیں کرو گی۔"

عثمان نے کہا "اگر تم نیک نیتی کے ساتھ اپنے بچوں کا مستقبل مسلمانوں کے ساتھ وابستہ کر سکتے ہو، تو تمھیں افریقہ یا مشرقی یورپ کے کسی ملک میں بہترین زمین مل سکے گی۔ فی الحال تم الجزائر میں ایسے لوگوں کے مہمان ہو گے جنھوں نے غرناطہ میں ابوالحسن کے خاندان کی میزبانی دیکھی ہے اور میں تمھیں یہ احساس نہیں ہونے دوں گا کہ تم بے کار ہو ـــــ تمھیں پیراکی اور کشتی کھینا سکھایا جائے گا ـــــ تمھیں ان لوگوں سے ملایا جائے گا جو نصرانیوں کی مذہبی رسومات میں اس قدر ماہر ہو چکے ہیں کہ وہ بے دھڑک گرجوں اور محکمۂ احتساب کے اذیت خانوں میں داخل ہو سکتے ہیں ـــــ ان لوگوں کی تربیت سے تم ہمارے لیے ایک نہایت کارآمد آدمی بن سکو گے ـــــ میں تم سے بلنسیہ کے قلعے میں ڈان لوئی کی جائے قیام کے متعلق کئی اور سوال پوچھوں گا۔ اور جب ہم سلمان کے پاس پہنچیں گے تو میرے پاس آس پاس کے ساحلی مقامات، بالخصوص اس خلیج کا مکمل نقشہ ہو گا جہاں سے ڈان لوئی کے قلعے پر کامیاب حملہ ہو سکتا ہو، تاہم تمھیں مہم پر روانہ کرنے کا انحصار حالات پر ہے ـــــ اگر امیر البحر کمال رئیس نے وینشیا کے جنگی بیڑے کے ساتھ فوری

تصادم کی ضرورت محسوس نہ کی تو ہمیں بلنسیہ ایک چھوٹی سی مہم بھیجنے کی اجازت بہت جلد مل جائے گی، ورنہ ہمیں موزوں حالات کا انتظار کرنا پڑے گا "

○

شام کی خوشگوار فضا میں اسمأ جو اب سولہ سال کی تندرست اور صحت مند لڑکی بن چکی تھی، ایک کشادہ مکان کے صحن کے دروازے سے باہر جھانک رہی تھی۔ اُس کے پیچھے صحن کے درمیان بدریہ اور اُس کا شوہر سلمان کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کا چار سالہ بیٹا برآمدے میں توپ کی شکل کا ایک کھلونا گھسیٹ رہا تھا۔

یہ مکان خلیج کے کنارے ایک ٹیلے پر تھا اور اسمأ کی نگاہیں سمندر سے خلیج میں داخل ہونے والے جہازوں پر مرکوز تھیں۔

سلمان کی کنپٹیوں پر چند سفید بال دکھائی دیتے تھے تاہم اُس کا چہرہ تندرست اور بشاش تھا اور بدریہ پہلے سے زیادہ صحت مند اور زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ ان کے کمسن لڑکے کا نام خالد تھا ـــــــ وہ اچانک اپنا کھلونا چھوڑ کر والدین کے پاس آیا اور منہ بسورتے ہوئے سلمان سے مخاطب ہوا " ابا جان! باجی میرے ساتھ نہیں کھیلتی "

بدریہ نے کہا " بیٹا! اُس کے ساتھ باہر نکل کر سمندر کا نظارہ کرو۔ وہاں کئی جہاز کھڑے ہیں اور نئے جہاز بھی آرہے ہیں "

" باجی کہتی تھیں کہ بھائی منصور آج آئیں گے۔ میں کئی بار جاکر دیکھ چکا ہوں اور اب تھک گیا ہوں ـــــــ ابا جان! مجھے قلعے میں لے چلیں، میں وہاں بڑی بڑی توپیں دیکھنا چاہتا ہوں ـــــــ امی کہتی ہیں کہ جہازوں کی

توپیں قلعے کی توپوں سے بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔"

سلمان نے اسے پکڑ کر گود میں بٹھاتے ہوئے جواب دیا "جنگ سے واپس آکر میں تمھیں قلعے میں لے چلوں گا۔" پھر قدرے توقف کے بعد اُس نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے اسمأ کو آواز دی "بیٹی! اِدھر آؤ!"

اسمأ نے حکم کی تعمیل کی اور ماں کے اشارے سے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

سلمان نے کہا "بیٹی! اگر منصور کو ایک دوران گھر ٹھہرنے کی اجازت ملتی تو وہ دوپہر تک یہاں پہنچ چکا ہوتا۔ اب میرا خیال ہے کہ امیر البحر کھلے سمندر میں قیام کریں گے اور اسے رخصت نہیں مل سکے گی اور ایک یا دو دن کے اندر اندر ہمیں بھی کوچ کا حکم مل جائے گا ——— میں کل اپنے جہاز پر چلا جاؤں گا۔"

◯

کسی نے صحن کے دروازے پر دستک دی، پھر ایک ثانیے بعد جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا اور السلام علیکم کہہ کر آگے بڑھا۔

"عثمان! آؤ! ہم تمھارا انتظار کر رہے تھے۔ یوسف کہاں ہے؟"

"جناب! وہ مراکش میں اُتر گیا تھا۔"

"بیٹھ جاؤ عثمان! اس گھر میں تمھیں تکلف کرنے کی ضرورت نہیں۔"

عثمان ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا اور اُس نے کہا "خدا کا شکر ہے کہ میں وقت پر پہنچ گیا ہوں، ورنہ مجھے ساری عمر یہ ملال رہتا کہ میں ایک اہم بحری جنگ میں حصہ نہ لے سکا۔ منصور کہاں ہے؟"

"منصور کو امیر البحر نے اپنے ذاتی عملے میں شامل کر لیا ہے۔ وہ بہت خوش قسمت ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد ترقی کر جائے گا۔ امیر البحر اسے ایک بیٹے کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ تم بھی جلدی ترقی کر جاؤ گے۔ وینشیا کی مہم کے بعد میری یہ کوشش ہو گی کہ تمھیں جنگی جہاز کی کمان مل جائے۔"

بدریہ نے کہا "عثمان! ہم تمھارے سفر کے حالات سننے کے لیے بے چین ہیں۔ ابوالحسن کا کچھ پتا چلا؟"

"جی ہاں! وہ بدنصیب شادی کے دن گرفتار ہو گیا تھا اور اب بلنسیہ کے ساحل پر ایک کاؤنٹ کی جاگیر میں غلام کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ اُس کی شادی جس لڑکی سے ہوئی تھی، ہم اس سے مل چکے ہیں اور جس آدمی نے ابوالحسن کو قید کروانے کے بعد بلنسیہ پہنچایا تھا' ہم اسے بیوی اور دو بچوں سمیت پکڑ کر یہاں لے آئے ہیں۔"

سلمان اور بدریہ کے سوالات پر عثمان نے اپنی پوری سرگزشت سُنا دی۔ اختتام پر کچھ دیر سوچنے کے بعد سلمان نے کہا " تمھاری باتیں سن کر مجھے یہ اطمینان محسوس ہوتا ہے کہ ابو عامر پر اعتماد کیا جا سکتا ہے لیکن بلنسیہ کوئی مہم بھیجنے سے پہلے مجھے امیر البحر سے اجازت لینی پڑے گی۔ مجھے یقین ہے کہ وینشیا کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد وہ میری درخواست ردّ نہیں کریں گے ——— میں بذاتِ خود عبید اللہ کے بیٹے کی مدد کے لیے جانا چاہوں گا ——— ہماری کامیابی کا انحصار اس بات پر ہو گا کہ ابوالحسن کا قید خانہ ساحل سے زیادہ دُور نہ ہو۔"

عثمان نے کہا "ڈان لوئی کا قلعہ' قید خانہ اور پڑوس کی بستیاں ہمارے جہازوں کی توپوں کی زد میں ہوں گی۔ ابو عامر چھ ماہ وہاں ٹھیرا تھا اور میں سفر

کے دوران اُس سے اتنے سوالات پوچھ چکا ہوں کہ اس علاقے کے سارے خدوخال میرے ذہن میں محفوظ ہو گئے ہیں اور میں نے حملہ کرنے والے جہازوں کی رہنمائی کے لیے ایک تفصیلی نقشہ بھی تیار کر رکھا ہے۔"

"وہ جاسوس کہاں ہے؟"

"جناب! میں اسے جہاز کے کپتان کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔"

بدریہ نے کہا "تم اُس کی بیوی اور بچوں کو ہمارے پاس لے آؤ۔ پیچھے نوکروں کے دو تین کمرے خالی ہیں اور ہم انہیں وہاں جگہ دے سکتے ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوگا۔ ہم ابو عامر کو جو مہم سونپیں گے، اسے سرانجام دینے کے لیے شاید اسے اپنی جان پر کھیلنا پڑے، اس لیے اُس کے دل میں یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ ہم اسے حقیر سمجھتے ہیں یا کسی وجہ سے اس سے نفرت کرتے ہیں۔"

بدریہ نے کہا "میں اس کی بیوی کی دلجوئی کر سکوں گی اور اس کے بچے خالد کے ساتھ کھیلا کریں گے، اور نوکروں کو بھی ہدایت کر دی جائے گی کہ ابو عامر کو کوئی تکلیف نہ ہو۔"

عثمان نے کہا "میں ان سب باتوں کے باوجود یہ احتیاط ضروری سمجھتا ہوں کہ نوکروں میں سے ایک ہوشیار آدمی کو اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھنی چاہیے، ورنہ قلعے سے ایک آدمی یہاں بھیجا جا سکتا ہے۔"

سلمان بولا "میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں۔ نوکروں کو یہ حکم دے دیا جائے گا کہ وہ ابو عامر کو اس ٹیلے کی حدود سے باہر نہ جانے دیں۔"

اگلی صبح ابو عامر اپنی بیوی اور بچوں سمیت جہاز سے سلمان کے مکان کے پچھلے حصے میں منتقل ہو چکا تھا ——— تیسرے روز سلمان خلیج میں جمع

ہونے والے بیڑے کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا۔

○

چالیس دن بعد علی الصباح ایک خوش وضع نوجوان، ایک ترک بحری افسر کے لباس میں ہانپتا ہوا ٹیلے کے اوپر پہنچا اور دستک دینے کے بعد جواب کا انتظار کیے بغیر مکان کے اندر داخل ہو گیا:

"اسمأ! اسمأ!! اُس نے آواز دی۔

اسمأ کمرے سے نمودار ہوئی۔

نوجوان نے کہا" اسمأ! میں سب سے پہلے تمھیں یہ خبر سنانا چاہتا ہوں کہ اللہ نے ہمیں فتح دی ہے اور ہم نے وینشیا کا بیڑہ تباہ کر دیا ہے۔"

بدریہ دوسرے کمرے سے باہر نکلی اور اس نے آگے بڑھ کر پیار سے اُس نوجوان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا" منصور بیٹا! مبارک ہو...... اسمأ کے اباجان کہاں ہیں؟"

"وہ قلعے میں رُک گئے ہیں۔ عثمان بھی اُن کے ساتھ ہے۔ بس تھوڑی دیر تک وہ آجائیں گے۔"

بدریہ کمرے کے اندر جاکر دوبارہ قرآن مجید کھول کر بیٹھ گئی اور منصور نے اسمأ سے مخاطب ہو کر دبی زبان میں کہا" اسمأ! میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں ایک بہت بڑا جہاز راں بنوں گا، اور آج میں تمھیں یہ خوشخبری سنانا چاہتا ہوں کہ وینشیا کی جنگ میں میرے جہاز کی توپوں نے دشمن کے دو جہاز غرق کیے تھے اور امیر البحر مجھ سے بہت خوش تھے ...... انھوں نے کہا میں اعلیٰ تربیت کے لیے تمھیں مزید ایک سال کے لیے استنبول کی بحری درسگاہ میں بھیجنا چاہتا ہوں

——— وہاں کوئی ایسی بات تو نہیں ہوگی جو میں امیر البحر کے پاس رہ کر نہیں سیکھ سکتا، لیکن ان کا یہ خیال ہے کہ وہاں رہ کر مجھے حکومت کے طبقۂ اعلیٰ سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا اور یہ تعلقات مستقبل میں میرے کام آئیں گے۔"

"مبارک ہو!" اسمأ نے مُنہ پھیرتے ہوئے بجھی ہوئی آواز میں کہا: "بڑے خاندانوں سے تعلقات پیدا کرنا واقعی سُود مند ہوتا ہے، لیکن ..."

"لیکن کیا؟"

"کچھ نہیں!"

"دیکھو اسمأ! تمھیں کوئی بات اپنے دل میں نہیں رکھنی چاہیے۔ میں تمھارے چہرے پر غم و غصّے کی لہریں دیکھ چکا ہوں۔"

"تم جانتے ہو کہ مجھے تم پر غصہ نہیں آتا۔"

"تو پھر تم مغموم کیوں ہو گئیں؟"

"اگر تم استنبول میں کسی بڑے خاندان سے تعلقات پیدا کر لو تو مجھے خوشی ہوگی ——— اور مجھے اس بات کا قطعاً غم نہیں ہوگا کہ تم دُنیا کے ایک انتہائی خوبصورت شہر میں رہ کر ہمیں بھُول چکے ہو۔"

منصور نے پوچھا "اسمأ! تمھیں معلوم ہے کہ دنیا کی کونسی جگہ سب سے خوبصورت ہے؟"

اسمأ نے جواب دیا "پہلے غرناطہ بہت خوب صورت تھا۔ اب مجھے معلوم نہیں، لیکن ابّا جان کہتے ہیں کہ استنبول بہت خوب صورت ہے۔"

"میں بتا دوں؟"

"بتائیے!"

"تمھیں میری بات کا یقین آجائے گا؟" منصور مسکرا رہا تھا۔

"ہاں! ہاں!! کیوں نہیں!!!"

"اسمائ! اس وقت دنیا میں سب سے خوبصورت جگہ وہ ہے جہاں تم کھڑی ہو، اور مجھے یقین ہے کہ جس جگہ بھی میں تمھیں دیکھا کروں گا، وہ مجھے بہت خوبصورت نظر آیا کرے گی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جب ہم دونوں استنبول جائیں تو میں یہ محسوس کروں کہ استنبول پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو چکا ہے ——— اسمائ! تمھارے بغیر میں زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

اسمائ کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا ——— بدریہ برآمدے سے نمودار ہوئی:

"باتونی لڑکی!" اس نے کہا "تم نے منصور کو ابھی تک باہر کھڑا رکھا ہے اور ناشتے کے متعلق بھی نہیں پوچھا۔"

"خالہ جان! میں ناشتا کر کے آیا ہوں۔"

"تو اندر آکر آرام سے بیٹھو!"

وہ ایک کشادہ کمرے میں آکر بیٹھ گئے تو منصور نے کہا "خالہ جان! مجھے عثمان سے ابوالحسن کے متعلق معلوم ہوا ہے اور میری خواہش ہے کہ جب اس کی رہائی کے لیے کوئی مہم بھیجی جائے تو میں اس کے ساتھ جاؤں۔ میرے ماموں پر ان کے بہت احسانات تھے۔"

"بیٹا! ہم سب پر اُن کے احسانات تھے۔ میرا خیال ہے کہ اگر اجازت ملی تو اسمائ کے ابا جان بذاتِ خود اس مہم پر جانا پسند کریں گے اور ممکن ہے کہ وہ تمھیں بھی ساتھ لے جائیں۔"

عُثمان اور ابُوعامر کی مُہم

آدھی رات کے وقت ایک کشتی جس کے چپو چار ملاح کھینچ رہے تھے، کُھلے سمندر سے ایک تنگ کھاڑی میں داخل ہوئی اور تھوڑی دُور چلنے کے بعد گُھٹنے گُھٹنے پانی میں رُک گئی۔ عُثمان نے کشتی سے اُتر کر کنارے پر پہنچتے ہُوئے کہا "تم یہیں ٹھہرو! میں سامان چُھپانے کے لیے کوئی موزوں جگہ دیکھتا ہُوں۔"

ابوعامر نے اُٹھ کر کہا "میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"

"بہت اچھا، تم کچھ سامان اُٹھالو اور ایک کُدال بھی ساتھ لے آؤ!"

ابوعامر نے لکڑی کا ایک بیرل جس میں بارُود بھرا ہوا تھا، اُٹھا کر کندھے پر رکھ لیا اور ایک ہاتھ سے کُدال اٹھا کر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

عثمان نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ دوڑانے کے بعد کہا "یہاں آس پاس آبادی کے کوئی آثار نہیں اور نقشے کے مطابق یہ مقام اس خلیج سے چھ سات میل سے زیادہ دور نہیں ہونا چاہیے جو کاؤنٹ ڈان لوئی کے قلعے تک جاتی ہے۔ ہمیں اس ٹیلے سے نیچے کسی جگہ نرم مٹی دیکھ کر صُبح کی روشنی سے پہلے اپنا اسلحہ اور بارود چھپا دینا چاہیے۔ ضرورت کے وقت ہم اسے کسی موزوں جگہ لے جائیں گے۔"

ابوعامر نے ٹیلے سے اتر کر ایک جگہ رُک کر کہا " ہمیں زمین کھودنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ یہ دیکھیے، اس چھوٹے سے کھڈ میں ہم اپنا سامان رکھ سکتے ہیں۔ چھپانے کے لیے اوپر صرف پتھر اور ریت ڈالنے کی ضرورت ہوگی "

عثمان نے کھڈ کا معاینہ کرنے کے بعد کہا " تم یہیں ٹھہرو! میں ابھی آتا ہوں "

چند منٹ بعد ملّاح بارود کے چار اور بیرل، بندوقیں، طپنچے اور تلواریں کھڈ کے اندر ڈھیر کر رہے تھے اور ڈیڑھ گھنٹے کے اندر اندر اس سامان کو اچھی طرح ڈھانپا جا چکا تھا اور پھر ملّاح کشتی لے کر واپس جا رہے تھے اور عثمان اور ابوعامر کنارے پر کھڑے انھیں خدا حافظ کہہ رہے تھے ——— جب کشتی ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو وہ واپس آکر ٹیلے پر بیٹھ گئے۔

عثمان نے کہا " ابوعامر! اگر تمھیں نیند آرہی ہے تو سو جاؤ! ہم صبح کی روشنی سے پہلے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے "

ابوعامر نے کہا " ان حالات میں مجھے نیند کیسے آسکتی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ ہم کسی غلط جگہ پر نہ اُتر گئے ہوں اور ہمیں یہ سامان کو سوں پیچھے نہ چھوڑنا پڑے "

عثمان نے کہا " اگر تمھارے بیانات صحیح تھے تو صبح کی روشنی میں تم یقیناً ڈان لوئی کا محل دیکھ سکو گے۔ سلمان نے اپنے ہاتھ سے نقشے پر جو نشان لگائے تھے، وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتے۔ انشاء اللہ ہم صبح ہوتے ہی ڈان لوئی کی بستی میں ہوں گے۔ اس کے بعد ہماری مہم کی کامیابی یا ہماری گرفتاری اور اذیت ناک موت کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ تم کس قدر ہوشیاری

سے کام لیتے ہو۔"

ابو عامر بولا " آپ مطمئن رہیں۔ مجھے اپنی جان کم عزیز نہیں۔ میں آپ کو پھر ایک بار یہ تاکید کرتا ہوں کہ آپ کو کسی راہب کے ساتھ بحث میں نہیں اُلجھنا چاہیے۔ کسی مسلمان کو گرفتار کرنے کے لیے ان کا آسان ترین حربہ یہ ہوتا ہے کہ اسے گالیاں دے کر چڑایا جائے۔"

"یہ باتیں میں کئی بار سُن چکا ہوں۔"

"میں آپ کو یہ بھی بتا چکا ہوں کہ ڈان لوئی کے غلاموں میں چند یہودی بھی ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کو ہم پر شبہ ہو گیا تو وہ فوراً ڈان لوئی کے کارندے کو خبر کرے گا۔ وہ اچھا کام کرنے والے غلاموں کے کھانے پینے کا بہت خیال رکھتا ہے، لیکن حکم عدولی پر نہایت عبرت ناک سزا بھی دیتا ہے ——"

عثمان نے کہا "دوست! یہ بات بھی تم کئی بار کر چکے ہو۔"

ابو عامر نے عاجز ہو کر جواب دیا " اس مہم میں میرے ذہن میں کوئی نئی بات کیسے آسکتی ہے؟"

○

صبح کی روشنی میں عثمان اور اُس کا ساتھی شمال کی طرف بلند ٹیلے پر ڈان لوئی کے قلعے اور محل کا منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کے دائیں ہاتھ پر سمندر تھا اور ساحل کی چٹانوں سے ذرا ہٹ کر بائیں جانب ایک سرسبز وادی تھی —— مغرب کی طرف ایک میل دُور باغات کے درمیان ایک گاؤں دکھائی دیتا تھا۔

ابو عامر نے کہا "خدا کی قسم ہم ڈان لوئی کی جاگیر میں ہیں۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ رات کی تاریکی میں منزل سے اتنا قریب پہنچ جائیں گے —— ادھر دیکھیے! وہ ڈان لوئی کے مسلمان کسانوں کی بستی معلوم ہوتی

ہے۔ میرا مطلب ہے وہ مسلمان، جو پہلے اس علاقے کے مالک تھے اور اب عیسائی زمینداروں کے مزارع بن چکے ہیں ——— جب میں نے غرناطہ سے یہاں تک خشکی کے راستے سفر کیا تھا تو راستے میں کئی مقامات پر میں نے نارنگی کی مختلف اقسام اور زیتون کے باغات دیکھے تھے ——— ان باغات کے آس پاس قدیم بستیوں کی عمارات کے کھنڈر بھی یہ گواہی دیتے تھے کہ انھیں مسلمانوں نے آباد کیا تھا۔ اندلس میں شہتوت کے بےشمار درخت بھی مسلمانوں کی نشانیاں ہیں، کیوں کہ کسانوں کی عورتیں گھروں میں بےکار بیٹھنے کی بجائے ریشم کے کیڑے پالتی تھیں ——— چلیے! پہلے ہم اُس بستی میں چلتے ہیں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ وہاں ہمیں کھانے کو بہت کچھ مل جائے گا، لیکن اس بات کا خیال رکھیے کہ وہ لوگ کسی سے بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں ——— عام طور پر ہر اجنبی کو کلیسا کا جاسوس سمجھا جاتا ہے۔

○

بستی کے قریب پہنچ کر انھیں زیتون کے باغ کے اندر ایک مکان سے دُھواں اُٹھتا دکھائی دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ اس مکان کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ ایک عمر رسیدہ آدمی دروازہ کھول کر باہر نکلا اور پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ ابو عامر نے السلام علیکم کہا، لیکن عمر رسیدہ آدمی کچھ کہنے کی بجائے جواب طلب نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ابو عامر نے کہا "ہم غرناطہ سے آئے ہیں۔ آپ عربی جانتے ہیں؟"

بوڑھے نے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد عربی میں جواب دیا "ایک غلام کا کوئی وطن یا زبان نہیں ہوتی۔ اُس کو تو اُس زبان میں گفتگو کرنی پڑتی ہے، جو

اس کے آقا کو پسند ہو۔ تم کہتے ہو کہ تم غرناطہ سے آئے ہو لیکن موجودہ دَور میں جنوب کے مسافر شمال کا رُخ نہیں کرتے ـــــــــ راستے میں کئی ایسے مقام آتے ہیں کہ اگر کوئی مسافر خواب کی حالت میں بھی عربی کے چند الفاظ بول دے تو کلیسا کا کوئی جاسوس اسے پکڑ کر محکمۂ احتساب کے کسی اذیت خانے میں لے جائے گا۔"

ابو عامر نے جواب دیا "ہمارے آقا نے ہمیں ڈان لوئی کے پاس بھیجا ہے۔"

"تم اپنی منزل کے قریب پہنچ چکے ہو، لیکن اصل راستے سے کچھ دُور آ گئے ہو۔"

عثمان نے جواب دیا "ہم نے برشلونہ جانے والے جہاز پر سفر کیا تھا اور کپتان نے گزشتہ رات ہمیں ایک ویران جگہ اُتار دیا تھا ـــــــــ وہ کہتا تھا کہ کاؤنٹ ڈان لوئی کی بستی زیادہ دُور نہیں۔ میرا خیال ہے رات کے وقت اُس سے غلطی ہو گئی تھی ـــــــــ ہم پچھلے پہر وہاں سے ساحل کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔ صبح کی روشنی میں یہ سرسبز وادی دیکھی تو اس طرف آ گئے۔ خیال یہی تھا کہ شاید یہاں کوئی اپنا مسلمان بھائی مل جائے۔"

بُوڑھے نے عثمان کا ہاتھ پکڑ کر کہا "آؤ! تھوڑی دیر آرام کرو۔ تم بہت تھکے ہوئے ہو۔"

عثمان اور ابو عامر اس کے ساتھ صحن عبور کرنے کے بعد کونے کے ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوئے اور بوڑھے نے انھیں ایک پُرانے قالین پر بٹھاتے ہوئے کہا "میرا نام ابراہیم ہے۔"

یہ سُن کر ابو عامر بولا "میرا نام ابو عامر ہے اور یہ میرا بھائی عُثمان ہے۔"

"جمیلہ! جمیلہ!!" بوڑھے نے آواز دی تو ایک صحت مند عورت جس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی، اپنے چہرے کا نقاب درست کرتی ہوئی دروازے کے سامنے نمودار ہوئی۔

بوڑھے نے کہا "بیٹی! مہمانوں کے لیے کھانے کا انتظام کرو۔ یہ بہت دُور سے آئے ہیں۔"

عثمان نے کہا "معاف کیجیے! ہم آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتے۔"

بوڑھے نے کہا "ایک عرب کو اس وقت تکلیف ہوتی ہے جب کوئی مہمان اس کے گھر سے بھوکا چلا جائے کسی مصیبت میں ہم شاید آپ کی کوئی مدد نہ کر سکیں اور خطرے کے وقت شاید ہم اس بات سے بھی منکر ہو جائیں کہ ہم آپ سے متعارف ہو چکے ہیں، لیکن یہ مطالبہ ابھی تک ہم سے نصرانیوں نے بھی نہیں کیا کہ ہم اپنے بھائیوں کو کھانا نہ کھلائیں، جمیلہ بیٹی! جلدی کرو۔"

عثمان نے کہا "لیکن ہمیں اپنے دروازے پر دیکھ کر آپ کچھ پریشان ہو گئے تھے۔"

ابراہیم نے جواب دیا "ان دنوں ہر آدمی کسی اجنبی کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہے، محکمۂ احتساب نے ہمیں اس قدر خوف زدہ کر رکھا ہے کہ ہمیں اپنے سائے سے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔"

ابو عامر نے کہا "خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک بلنسیہ میں محکمۂ احتساب کا باقاعدہ دفتر قائم نہیں ہوا اور لوگ پُر امید ہیں کہ باقی علاقوں میں بھی مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں جیسا سلوک نہیں کیا جائے گا۔"

بوڑھے نے ابو عامر کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا "آپ یا تو بلنسیہ کے حالات سے واقف نہیں یا عمداً مجھ سے چھپا رہے ہیں۔ کیا آپ کو

یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ محکمۂ احتساب کی بے قاعدہ کارروائیاں باقاعدہ کارروائیوں سے زیادہ اذیت ناک ہوتی ہیں۔"

ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا "نانا جان! ہمیں یہ فیصلہ سزا پانے والوں پر چھوڑ دینا چاہیے کہ محکمۂ احتساب کی کون سی کارروائی کم یا زیادہ تکلیف دہ ہے۔ بہرحال ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ یہودیوں کے بعد اُندلس کے مسلمان محکمۂ احتساب کے نرغے میں آچکے ہیں اور جو لوگ انسانوں کا خون پینے کے عادی ہو جاتے ہیں، ان کی پیاس کبھی نہیں بجھتی۔"

بوڑھے نے کہا "عبید! تمھیں گفتگو کرتے ہوئے ذرا محتاط رہنا چاہیے۔"

عبید نے کہا "نانا جان! میں ساری رات کام کرنے کے بعد لیٹ کر ذرا اُونگھ رہا تھا کہ مہمانوں کی آوازیں سنائی دیں اور میں نے ایسا محسوس کیا کہ شاید ہمارے کوئی عزیز مراکش سے واپس آگئے ہیں۔"

"تم نے اپنا کام ختم کر لیا ہے؟"

"ہاں! اور میرا یہ کام دیکھ کر کاؤنٹس یقیناً خوش ہو جائے گی، اسے میں نے اپنے وعدے سے ایک دن پہلے ہی ختم کر لیا ہے ——— میں کھانا کھاتے ہی زین لے کر اُس کی طرف روانہ ہو جاؤں گا اور اب مجھے وہاں سے معاوضہ کے علاوہ معقول انعام بھی ملے گا!"

بوڑھے نے کہا "عبید میرا نواسہ ہے اس کا باپ بلنسیہ شہر میں زین سازی کا کام کرتا ہے۔ وہاں عبید نے ایک زین کاؤنٹ کے لیے بنائی تھی اس نے باپ کے کام سے بیٹے کے کام کو زیادہ پسند کیا اور اسے اپنی جاگیر پر ہی لے آیا۔ عبید کے دوسرے تین بھائیوں میں سے ایک پارچہ باف ہے۔ ایک قیمتی جوتے بنانے سیکھ چکا ہے اور تیسرا شہر میں اپنے باپ کے ساتھ

زین سازی کا کام کرتا ہے۔"

عثمان نے کہا "یہ بہت اچھی بات ہے! عبید اور اس کے بھائی ایسے کام سیکھ چکے ہیں کہ نصرانی ہمیشہ ان کی ضرورت محسوس کریں گے ــــــ لیکن آپ نے اپنے متعلق تو بتایا ہی نہیں کہ آپ کا ڈان لوئی کے ساتھ کیا تعلق ہے؟"

"میں اُس کا ملازم بھی ہوں اور مزارع بھی۔ یہ باغ جو مکان کے اِرد گرد آپ دیکھ رہے ہیں میرا ہے اور ڈان لوئی ایک جاگیر دار کی حیثیت سے اس پر سالانہ لگان وصول کرتا ہے۔ میرے تینوں بیٹے اس کی زمین پر ایک وسیع رقبے میں زیتون اور نارنجی کے باغات لگوا رہے ہیں اور ہمیں اس کام کی مزدوری کے علاوہ چند مراعات حاصل ہیں۔ میں زیتون اور نارنگی کے پودوں کی دیکھ بھال کا ماہر ہوں اور جب ڈان لوئی کے باغات میں کوئی خرابی ہوتی ہے تو مجھے بلا لیا جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جب تک عیسائیوں میں ہم جیسے کاشت کار یا صنعت کار پیدا نہیں ہو جاتے ہماری ضرورت باقی رہے گی۔"

عبید نے کہا "لیکن انکوی زیشن کے بھوکے بھیڑیے زیادہ دیر صبر نہیں کریں گے۔ عنقریب ہمارا یہ گناہ ہر جگہ ناقابلِ معافی سمجھا جائے گا کہ ہم زیادہ محنت کرتے ہیں اور زیادہ کماتے ہیں۔"

ابراہیم پریشان ہو کر اپنے مہمانوں کی طرف متوجہ ہوا "مجھے ڈر ہے کہ یہ لڑکا کسی دن مصیبت میں پھنس جائے گا اور کاؤنٹ یا اس کی بیوی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے ــــــ اس کے باپ نے شکر کیا تھا کہ یہ شہر سے یہاں آ گیا ہے، لیکن میں کوشش کے باوجود اسے یہ نہیں سمجھا سکا کہ اب زندہ رہنے کے لیے ہماری پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنی زبان بند رکھیں ــــــ کم از کم انکوی زیشن

کے متعلق ہمیں کوئی لفظ نہیں کہنا چاہیے۔

جب اس قسم کے بے وقوف گرفتار ہو کر انکوی زیشن کے اذیت خانوں میں پہنچتے ہیں، تو وہاں وہ کئی بے گناہوں کے خلاف بیان دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور پھر سینکڑوں خاندانوں کو تباہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ ڈان لوئی کی بستی کے گرجے کے پادری کے حکم پر کئی غلاموں کو سخت سزائیں دی جا چکی ہیں۔

بلنسیہ کے بشپ کا حکم تھا کہ کلیسا کے ہر مجرم کو وہاں بھیجا جائے مگر ڈان لوئی کی کوششوں سے ابھی تک اس حکم کی تعمیل نہیں ہو سکی ــــــ اور بشپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کاؤنٹ نے کلیسا کے مجرموں کے لیے گرجے کے قریب ایک قید خانہ بنوا دیا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ گرجے کا پادری انکوی زیشن کے لیے کام کرتا ہے۔ اس وقت بھی سات آٹھ آدمی اس قید خانے میں ہیں۔ یہ ڈان لوئی کے وہ غلام ہیں جنھیں گرجے کا پادری جبراً عیسائی بنا چکا ہے۔

اور ایک نوجوان یہ اعلان کرنے کے جرم میں کئی بار کوڑے کھا چکا ہے کہ میں مسلمان ہوں ــــــ میں نے اصطباغ نہیں لیا ــــــ اس کے بعد وہ کچھ عرصہ خاموش رہا۔ پھر کسی جاسوس نے پادری کو یہ اطلاع دی کہ اس نے دوبارہ چھپ چھپ کر نماز پڑھنی شروع کر دی ہے۔ اس لیے اب وہ قید خانے میں ہے اور بستی میں یہ مشہور ہے کہ اگر ان تمام قیدیوں کو نہیں تو کم از کم اس نوجوان کو تو ضرور انکوی زیشن کے سپرد کر دیا جائے گا۔

وہ اب تک اس لیے بچا ہوا تھا کہ ایک اچھا سوار ہونے اور گھوڑوں کی بیماریوں کے متعلق بہت کچھ جاننے کے باعث جاگیر کے منتظم کو بہت پسند

ہے۔ گھوڑوں کی خرید و فروخت کے لیے بھی وہ اسی کے مشوروں پر عمل کرتا ہے۔ میں نے اس نوجوان کو پہلی بار اُس وقت دیکھا تھا، جب اسے یہاں آئے صرف چند ہی مہینے ہوئے تھے ــــــ اسے ایک سرکش گھوڑے پر سواری کرتے دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ کسی بڑے گھرانے کا چشم و چراغ ہے ــــــ خدا کے لیے! آپ عبید کو یہ سمجھائیں کہ انکوی زیشن گرفتار ہونے والوں سے کیا سلوک کرتا ہے۔ خدا معلوم اس نوجوان کو کتنی اذیتیں دی گئی ہیں۔ عبید نے مجھ سے کئی بار یہ کہا ہے کہ اُس کا زندہ رہنا ایک معجزہ ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر کلیسا کے کسی جاسوس نے اس کی کوئی بات سن لی تو ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔"

عبید نے کہا "نانا جان! ہم اپنے گھر میں باتیں کر رہے ہیں اور ہمیں مہمانوں کو یہ تاثر نہیں دینا چاہیے کہ ہم ان پر شک کرتے ہیں۔"

"بٹیا! میں ان سے اتنی باتیں کر چکا ہوں کہ مجھے گرفتار کیا جا سکتا ہے اب میری زندگی گزر چکی ہے، لیکن تمھارے متعلق میں بہت پریشان ہوں۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر عثمان نے سوال کیا "آپ اس نوجوان کا نام جانتے ہیں؟"

"کون! وہ جو قید میں ہے؟ ہاں ــــــ اب اسے ڈان جان کے نام سے پکارتے ہیں، لیکن اصل نام اس کا کچھ اور تھا!"

عبیداللہ نے کہا "اُس کا اصلی نام ابوالحسن ہے اور بڑے ماموں اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔"

ابراہیم نے کہا "اس نالائق کو تو گھر بیٹھے ہر بات معلوم ہو جاتی ہے۔"

"نانا جان!" عبید نے شرارت آمیز تبسم کے ساتھ کہا "میں دو مرتبہ

کی باتیں غور سے سُنا کرتا ہوں۔"

ابراہیم بولا "تمھیں معلوم ہے کہ ہمارے لیے باتیں کرنا یا سُننا دونوں خطرناک ہیں۔"

عبید نے کہا "نانا جان! میرے متعلق آپ مطمئن رہیں۔ گھر سے باہر میں بھی اپنے سائے سے ڈرتا ہوں، لیکن ساتھ والے کمرے سے ان مہمانوں کی گفت گو سنتے ہی مجھے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ یقیناً عرب ہیں اور مسلمان ہیں۔ پھر انھیں قریب سے دیکھنے اور ان سے گفتگو کرنے کی خواہش مجھے اس کمرے میں لے آئی۔"

"اور اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"کچھ نہیں ـــــ اب میں یہ دعا کر رہا ہوں کہ کاش! یہ غرناطہ کی بجائے افریقہ کے کسی شہر سے آئے ہوں اور مجھے یہ مژدہ سُنائیں کہ اب تمھارے خوابوں کی تعبیر کا وقت آ گیا ہے ـــــ کسی دن کوئی کشتی ساحل کی کسی ویران جگہ سے روانہ ہو گی اور اس میں تمھارے لیے بھی جگہ ہو گی۔"

ابو عامر کا چہرہ اچانک زرد پڑ گیا اور چند ثانیے عثمان کے مُنہ سے بھی کوئی بات نہ نکل سکی۔

پھر عثمان نے سنبھل کر کہا "عبید! اگر تم یہاں سے ہجرت کا ارادہ کر ہی چکے ہو تو اللہ تمھاری مدد کرے گا ـــــ اور میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میرے بس میں ہوا تو تمھارے خواب ضرور پُورے ہوں گے۔"

عبید نے غور سے عثمان کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں "میری خواہش ہے کہ میں نصرانیوں کی بجائے ترک مجاہدوں کے لیے زینیں بنایا کروں۔ میں نے سنا ہے کہ جنوب کی بندرگاہوں سے مراکش کے جہاز راں مہاجرین کو لے جاتے ہیں۔ صرف بہت سا کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن

مجھے اس کی فکر نہیں۔ میں نے کافی رقم بچا رکھی ہے اور میں نے اپنے ابا جان سے بھی یہ اجازت لے لی تھی کہ اگر مجھے موقع ملے تو میں ہجرت کر جاؤں۔ میں انکوی زیشن سے بہت ڈرتا ہوں۔ کیا آپ جنوب کی کسی بندرگاہ سے میرے لیے جہاز کا انتظام کر دیں گے ؟ آپ کافی تجربہ کار معلوم ہوتے ہیں ۔"

عثمان نے غور سے پہلے عبید اور پھر اُس کے نانا کی طرف دیکھا اور اچانک اُس کے تمام خدشات دُور ہو گئے ______

اس نے کہا " عبید ! کیا قدرت سے یہ بعید ہے کہ تمھارے لیے یہیں سے جہاز کا انتظام ہو جائے ! "

دروازے کی اوٹ سے نسوانی آواز سُنائی دی " عبید ! کھانا لے جاؤ !"

عبید اُٹھ کر باہر نکل گیا ______

○

تھوڑی دیر بعد وہ دستر خوان پر بیٹھے ہوئے تھے ______ کھانا عربوں کی مہمان نوازی اور گھر کی خوش حالی کا آئینہ دار تھا۔

ابو عامر نے چند نوالے کھانے کے بعد ابراہیم سے پوچھا " آپ کو معلوم ہے کہ ڈان لوئی کہاں ہو گا ؟ "

ابراہیم نے عبید کی طرف دیکھا اور اُس نے جواب دیا " کاؤنٹ پرسوں گھر پہنچا تھا۔ کل میرے ماموں اسے گھوڑے پر سواری کرتے دیکھ چکے ہیں ۔"

" تم برنینڈو کو بھی تو جانتے ہو گے ؟ "

" وہ یہیں ہے ______ لیکن آپ اسے کب سے جانتے ہیں ؟ "

ابُو عامر نے جواب دیا " میں چند برس قبل یہاں آیا تھا اور چھ مہینے ڈان لوئی

کے ہاں ملازم رہا ہوں۔ میں اس علاقے سے اچھی طرح واقف ہوں اور شاید آپ کے بیٹوں میں سے مجھے کوئی جانتا ہو۔"

عبید نے کہا "میرے ماموں شام کو آجائیں گے۔ اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو آپ کو چند دن ہمارے ہاں مہمان رہنا چاہیے ـــــــ ڈان لوئی کی بستی کے متعلق آپ کو ساری معلومات یہیں سے مل جائیں گی۔"

"گرجے کے پادری کا نام فرانسس ہی ہے یا اس کی جگہ کوئی نیا آدمی آگیا ہے؟"

"نہیں! فرانسس اب تک یہیں ہے۔"

کھانا کھانے کے بعد ابو عامر نے کہا "میرے خیال میں اب ہمیں اجازت لینی چاہیے۔"

ابراہیم نے کہا "اگر کوئی ضروری بات ہے تو میں آپ کو روکنے کی کوشش نہیں کروں گا ـــــــ ورنہ آپ کو چند دن ہمارے پاس قیام کرنا چاہیے۔"

عثمان نے کہا "میرے ساتھی کے لیے برنینڈو سے مل کر یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ ڈان لوئی کے لیے کوئی پیغام لایا ہے ـــــــ اس کے بعد ہم آزادی کے ساتھ گھوم پھر سکیں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ کے ساتھ ہماری یہ ملاقات آخری ملاقات نہیں ہوگی۔"

عبید نے کہا "آپ جب بھی اس گھر کا رُخ کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ میں راستے میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں گا ـــــــ"

ابراہیم نے کہا "عبید! تم ان کے ساتھ جاؤ! اور انھیں سیدھے راستے پر چھوڑ آؤ! کاؤنٹس کی زین بعد میں لے جانا۔"

○

دو گھنٹے بعد عثمان اور عبیدہ باغات میں سے ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد اس راستے پر پہنچ گئے جو سیدھا بستی کی طرف جاتا تھا۔ قلعہ اور محل وہاں سے کوئی تین میل دُور تھے۔

عبیدہ نے کہا "آپ کو کسی سے یہ ذکر نہیں کرنا چاہیے کہ آپ بحری راستے سے یہاں پہنچے ہیں۔"

"کیوں؟" عثمان نے پوچھا۔

"اس لیے کہ جب باہر کا کوئی آدمی خصوصاً مسلمان ساحل پر اُتارا جاتا ہے تو جہاز والے پہلے پولیس کو اطلاع دیتے ہیں ——— اور پولیس پُوری تحقیق کیے بغیر اسے کسی بھی بستی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتی ——— نانا جان نے آپ کو یہ بات نہیں بتائی کہ جب آپ نے برشلونہ کے جہاز کا ذکر کیا تھا تو میری طرح انھیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ آپ باہر سے آئے ہیں کیونکہ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ جہاز کے کپتان کو یہ معلوم ہو کہ آپ ڈان لوئی کے پاس جا رہے ہیں اور وہ آپ کو اس کے قلعے سے دُور کسی ویران جگہ پر اُتار دیتا۔ اب بھی اگر برنینڈو آپ پر اعتماد نہ کرے تو آپ کی گرفتاری یقینی ہے، لیکن انشاء اللہ آپ کا بال بیکا نہیں ہوگا۔"

عثمان نے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"عبیدہ! اگر تمھارے نانا، تمھارے ماموں اور تمھارے بھائی تمھاری طرح سوچتے ہیں تو تم باری باری اُن کے کان میں کہہ سکتے ہو کہ عنقریب جہاز

آئیں گے جن میں افریقہ کا بلا معاوضہ سفر کرنے والے چار پانچ سو آدمیوں کے لیے جگہ ہوگی"___

عبید بے اختیار عثمان سے لپٹ گیا اور بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے بولا" وہ سب آپ کے اشارے پر جان دینے کے لیے تیار ہوں گے۔"

عثمان نے کچھ سوچ کر کہا :

" کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم آج کاؤنٹ کی زین پہنچانے کی بجائے کل وہاں جاؤ ؟"

" اگر یہاں کوئی کام ہے تو میں دو دن رُک سکتا ہوں "

عثمان نے کہا " نہیں ! تم کل آؤ ، پھر اگر حالات نے اجازت دی تو میں تمھارے ساتھ واپس آجاؤں گا' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں تمھارے ساتھ آجائیں۔ پھر رات کی تاریکی میں ہم کو اپنا کچھ سامان کسی محفوظ جگہ پہنچانا ہے اور اس مہم میں ہمیں تمھارے ماموؤں کی اعانت کی ضرورت پڑے گی۔ ہماری غیر حاضری کے دوران تمھیں اُن کے متعلق تسلی کر لینی چاہیے "

" آپ اُن کے متعلق مطمئن رہیں ، لیکن آپ کا سامان ہے کہاں ؟ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ میں وہاں پہرہ دے سکوں۔"

" سامان کے متعلق تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم کسی محفوظ جگہ چھپا آئے ہیں۔ تم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ تمھارے گھر کے آس پاس کون سی جگہ محفوظ ہوگی۔ اب تم جاؤ ! اور دیکھو ، گھر میں کسی چھوٹے بچے سے بھی کوئی ذکر نہ کرنا۔ خدا حافظ !"

"خدا حافظ!" عبید نے یکے بعد دیگرے ان سے مصافحہ کیا اور واپس
چل دیا۔

مورسکو

ابوعامر نے بستی میں داخل ہوتے ہی ایک آدمی سے برنینڈو کا پتا پوچھا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ ابھی گھوڑے پر غلاموں کی دیکھ بھال کے لیے نکلا ہے۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور عثمان سے کہا " ممکن ہے وہ شام سے پہلے واپس نہ آئے۔ شاید اسی میں ہماری کوئی بہتری ہو کہ کاؤنٹ سے ہماری ملاقات اس کی غیر حاضری میں ہو جائے۔ وہ شام سے کچھ دیر پہلے گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کے لیے نکلے گا۔ چلو! ہم اصطبل کے پاس بیٹھ کر اس کا انتظار کرتے ہیں۔"

عثمان بولا " میں کاؤنٹ کا انتظار کرنے کی بجائے آس پاس کا علاقہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر میری غیر حاضری میں تمہاری اُس سے ملاقات ہو جائے تو تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تمہارا بھائی کبھی الفجارہ سے باہر نہیں نکلا۔ اسے سمندر اور کشتیاں دیکھنے کا بہت شوق ہے۔"

ابوعامر نے کہا " خدا کے لیے! کہیں یہ نہ بھول جانا کہ میں تمہارا تعارف اپنی بیوی کے بھائی کی حیثیت سے کراؤں گا۔ تم اطمینان سے گھومنے کے بعد اصطبل کے دروازے کے سامنے پہنچ جاؤ۔ اگر کاؤنٹ آج باہر نہ نکلا تو برنینڈو

سے ہماری ملاقات بھی اصطبل کے دروازے پر ہی ہوگی۔ وہ باہر سے سیدھا اس طرف آئے گا۔ تمھیں معلوم ہے اصطبل کس طرف ہے؟"

"وہ سامنے" عثمان نے ایک کشادہ اور بلند چار دیواری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ابو عامر نے کہا "وہ تو غلاموں کی رہائش گاہ ہے اور اُس کے دائیں بائیں نوکروں کی قیام گاہیں ہیں۔ اگر تم دائیں ہاتھ سڑک پر چلتے رہو تو تمھیں سڑک کے بائیں کنارے سے مویشی خانے اور اصطبل دکھائی دیں گے اور دائیں طرف خشک گھاس کے بڑے بڑے انبار تم یہاں سے بھی دیکھ سکتے ہو۔ جب یہ سڑک اصطبل اور مویشی خانوں سے آگے بائیں طرف مڑے گی تو تمھیں کاؤنٹ کے قلعے کا دروازہ دکھائی دے گا، لیکن ابھی تمھیں اس طرف نہیں جانا چاہیے۔"

عثمان نے جواب دیا "آج میں صرف خلیج دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"خلیج قلعے کی مشرقی فصیل سے بالکل قریب ہے۔ تم کچھ دُور آگے کسی ٹیلے پر کھڑے ہوکر کھلے سمندر تک کے مناظر دیکھ سکتے ہو، لیکن تمھیں دروازے سے دُور رہنا چاہیے ــــــ پہرے دار کسی اجنبی کو دیکھیں تو کئی سوالات پوچھتے ہیں۔"

"تم فکر نہ کرو! میں پہرے داروں کی نگاہوں سے دُور رہوں گا۔" عثمان یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا۔

○

ایک ساعت بعد وہ قلعے سے ایک میل دُور خلیج کے دونوں طرف آٹھ دس کشتیاں دیکھ رہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ قلعے کی فصیل سے قریب ایک

چھوٹا سا جہاز تھا جس کی نفاست اور رنگ و روغن اُس کے مالک کی خوشحالی کا آئینہ دار تھا۔ باقی سب ملاحوں کی کشتیاں معلوم ہوتی تھیں۔ کنارے پر بھیگے ہوئے جال بچھے ہوئے تھے۔ کچھ دُور آگے جا کر عثمان نے ایک نوجوان کو جس کے ہاتھ میں ٹوکری تھی، ایک کشتی میں سوار ہوتے دیکھا تو آگے بڑھ کر اسپینی زبان میں پوچھا "تم تنہا شکار پر جا رہے ہو؟"

نوجوان نے ٹوٹی پھوٹی اسپینی میں جواب دیا "ہم شکار سے فارغ ہو چکے ہیں اور اب میں دوسرے کنارے سے یہ مچھلیاں دینے جا رہا ہوں۔"

عثمان نے عربی میں پوچھا "تم عرب ہو؟"

نوجوان نے صاف عربی میں جواب دیا "میں بربر ہوں لیکن اب ہمیں وہ مورسکو کہتا ہے اور عربوں کو بھی وہ اسی نام سے پکارتا ہے۔"

"کون؟" عثمان نے پوچھا۔

"پادری فرانسس، جنھوں نے ہمیں زبردستی اصطباغ دیا تھا۔ ان کا حکم ہے کہ عیسائی ہو جانے والے مسلمانوں کو مورسکو کے سوا کچھ اور نہ کہا جائے۔"

عثمان نے کہا "میرا خیال تھا کہ عیسائی اپنے نئے ہم مذہبوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔"

نوجوان نے جواب دیا "پادری فرانسس اور دوسرے راہب یہ بھولنے کے لیے تیار نہیں کہ ہم کبھی مسلمان تھے ــــــ کیا تم مورسکو نہیں ہو؟"

"نہیں! میں الفجارہ سے آیا ہوں اور ابھی تک اس لعنت سے بچا ہُوا ہوں۔"

نوجوان نے کشتی کا چپو سنبھالتے ہوئے کہا "تمھیں بات کرتے ہوئے محتاط رہنا چاہیے۔ کوئی مورسکو بھی پادری فرانسس کا جاسوس ہو سکتا ہے۔"

عثمان نے کہا "اس سے پہلے میں نے سمندر نہیں دیکھا تھا۔ ہمارا علاقہ پہاڑی ہے۔ میں راستے میں وادیٔ الکبیر عبور کرتے ہوئے کشتی پر سوار ہوا تھا لیکن سمندر کی میں نے اس سے قبل کبھی سیر نہیں کی۔"

نوجوان نے کہا "ارے! یہ تو تنگ سی خلیج ہے۔ سمندر کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہوتی۔ وہاں بڑی خوفناک لہریں اُٹھتی ہیں۔"

"وہاں مچھلیاں بھی بہت بڑی بڑی ہوتی ہوں گی؟"

"بہت بڑی بڑی اور آدم خور مچھلیاں تو آدمی کو نگل جاتی ہیں۔"

عثمان نے کہا "اگر یہاں آدم خور مچھلیوں کا خطرہ نہ ہو اور یہ کشتی دو آدمیوں کا بوجھ اُٹھا سکتی ہو تو مجھے دوسرے کنارے پر اُتار دیں۔ میں وہاں سے چکر لگاتا ہوا واپس چلا جاؤں گا۔"

"بیٹھ جاؤ! یہ کشتی چھ سات آدمیوں کا بوجھ اُٹھا سکتی ہے۔"

عثمان کشتی پر سوار ہو گیا تو نوجوان نے چپو چلاتے ہوئے پوچھا "تم کہاں رہتے ہو؟"

"میں اور میرا ساتھی آج ہی یہاں پہنچے ہیں۔ یہ کاؤنٹ اور اس کے اہلکاروں پر منحصر ہے کہ وہ ہمیں کہاں ٹھہراتے ہیں۔ اگر انھوں نے میرے بہنوئی کے ساتھ اپنے پرانے تعلقات کا لحاظ رکھا تو ہمیں کوئی اچھا سا مکان مل جائے گا، ورنہ شاید ہمیں عام نوکروں یا غلاموں کے ساتھ گزارہ کرنا پڑے۔ بہرحال ہم یہی ارادہ لے کر یہاں آئے ہیں کہ یہاں کوئی اچھی سی ملازمت مل گئی تو گھر کے کچھ اور لوگ بھی یہاں لے آئیں گے۔"

نوجوان نے کہا "مجھے یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اتنی دُور سے ملازمت کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔"

عثمان نے جواب دیا " ڈان لوئی نے میرے بہنوئی کو یہاں آنے کے لیے کہا تھا اور ہم حالات دیکھ کر ہی یہ فیصلہ کریں گے کہ ہم یہاں رہ سکتے ہیں یا نہیں ۔"

" اگر آپ کام کے آدمی ہیں تو ڈان لوئی آپ کو واپس بھیجنا پسند نہیں کرے گا۔ وہ کسی نہ کسی بہانے آپ کو روک لے گا ۔"

" مجھے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں۔ جب آقا کی اجازت سے ہم یہاں آئے ہیں، وہ کاؤنٹ کا دوست ہے اور میرا بہنوئی پہلے بھی چھ مہینے یہاں رہ کر گیا تھا ۔"

" تو پھر میں یہ دعا کروں گا کہ آپ خیریت سے واپس اپنے گھر پہنچ جائیں ـــــ اگر آپ مسلمان ہیں تو یہاں آپ کا کوئی مستقبل نہیں ۔"

" تمھارا نام کیا ہے ؟ "

" میرا نام ڈان کارلو ہے ، لیکن میں تمھیں اصلی نام نہیں بتا سکتا ۔"

" اصلی نام ؟ "

" ہاں ! شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ہر مورسکو کے دو نام ہوتے ہیں۔ ایک عیسائیوں والا اور دوسرا مسلمانوں والا۔ ایک نام سے اسے پکارا جاتا ہے اور دوسرا نام صرف اس کے دل پر نقش رہتا ہے۔"

" پادری فرانسس جیسے لوگوں کے خوف سے ؟ "

ڈان کارلو نے جواب دیا " ہاں ! پادری فرانسس بہت ظالم ہے، لیکن میں اس سے نہیں ڈرتا۔ وہ مجھ سے بہت خوش ہے۔ میں اپنے شکار سے اس کا حصہ ضرور نکالا کرتا ہوں اور آج بھی پار جانے کی وجہ یہ ہے کہ میں اسے ایک تازہ مچھلی پہنچانا چاہتا ہوں ۔"

"اگر پادری کا گھر زیادہ دور نہیں، تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

"اس کا گھر گرجے کے بالکل ساتھ ہے اور گرجا دوسرے کنارے کی بستی سے بہت قریب ہے، لیکن کسی مسلمان کا اس کے سامنے پیش ہونا بہت خطرناک ہو سکتا ہے ——— وہ ایک مسلمان سے بھی یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے ہاتھ کو بوسہ دے۔"

عثمان نے کہا "یہ کام مجھے آتا ہے اور میں اس سے کہوں گا کہ ڈان کارلو کے منہ سے آپ کی نیکی اور پارسائی کی تعریف سُن کر میں آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

"لیکن اگر اسے یہ معلوم ہو گیا کہ آپ مسلمان ہیں تو وہ آپ کو اصطباغ لینے پر مجبور کرے گا۔"

عثمان نے کہا "لیکن میرا خیال ہے کہ کاؤنٹ کی جاگیر پر کئی مزارع ابھی تک مسلمان ہیں۔"

"اس لیے کہ وہ پادری فرانسس سے دُور رہتے ہیں اور فرانسس بذاتِ خود اُن بستیوں میں جانے سے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب تک انکوی زیشن کا باقاعدہ دفتر یہاں نہیں کھُل جاتا اور اس کے پاس مسلح پہرے داروں کی معقول تعداد نہیں ہو جاتی، وہ احتیاط سے کام لیتا رہے گا۔ سرِدست تین آدمی قید خانے پر پہرا دیتے ہیں۔ ایک دن کو اور دو رات کے وقت۔ ایک پہرے دار پار کی بستی کا رہنے والا ہے۔ اسے ایک ماہ کے لیے یہ فریضہ ادا کرنا پڑے گا۔ پھر پادری کسی اور کو بیگار کے لیے بلا لے گا۔ دوسرے پہرے دار اسپینی عیسائی ہیں اور میں نے سُنا ہے کہ وہ بہت ظالم ہیں۔"

عثمان نے پوچھا "قید خانہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی پادری کی قیام گاہ کے ساتھ ہے۔ اگر پادری سے ملاقات کے بعد تم گرفتار نہ ہوگئے تو میں تمھیں اپنے ساتھ لے آؤں گا۔ کلارا مچھلی بہت اچھا پکاتی ہے۔"

"کلارا کون ہے؟"

"وہ میری بیوی ہے۔"

عثمان نے کہا "مجھے شام سے پہلے واپس پہنچنا ہے لیکن مجھے جس دن فرصت ملی، میں تمھارے گھر ضرور آؤں گا۔"

"ہم تمھیں کسی دن شکار کے لیے کھلے سمندر میں لے جائیں گے۔ ہم جس جگہ سے سوار ہوئے تھے، اس کے پاس ہی ٹیلے کے پیچھے ہمارا گاؤں ہے۔ میں واپسی پر تمھیں اپنا گھر دکھا دوں گا۔"

عثمان نے پوچھا "تمھاری بستی میں یہودی بھی رہتے ہیں؟"

"نہیں! ہم سب "مورسکو" ہیں۔ ایمریہ فتح کرنے کے بعد نصرانیوں نے ہمیں غلام بنا کر ہسپانوی امراء میں تقسیم کر دیا تھا۔ ماہی گیروں کے چند خاندانوں نے غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے عیسائیت قبول کر لی تھی اور یہاں آباد ہو گئے تھے۔ ہم اپنے کئی ساتھی مرسیہ چھوڑ آئے تھے اور کئی بلنسیہ کی بندرگاہ کے قریب آباد ہو گئے تھے۔"

○

کشتی کنارے پر لگی اور وہ کوئی دو سو قدم چلنے کے بعد ایک چھوٹی سی بستی میں داخل ہوئے۔ ڈان کارلو نے ٹوکری سے چھوٹی چھوٹی مچھلیاں نکال کر تین گھروں میں پہنچا دیں اور پھر ٹوکری اٹھا کر عثمان کے ساتھ گرجے کی طرف چل دیا۔

عثمان نے راستے میں کہا "تم کہتے تھے کہ قید خانے کا ایک پہرے دار

اس بستی کا آدمی ہے؟"

"ہاں! وہ صبح سے شام تک پہرا دیتا ہے۔"

"تم اسے اچھی طرح جانتے ہو؟"

ڈان کارلو نے مسکراتے ہوئے کہا "ہاں! وہ ہمارے خاندان کا آدمی ہے۔ اگر خدانخواستہ تم قید ہو جاؤ تو تمھیں مچھلی ضرور بھیجا کروں گا — وہاں دو اور آدمی جن میں سے ایک گرجے اور قید خانے کی صفائی رکھتا ہے اور دوسرا قیدیوں کا باورچی ہے، ہماری بستی کے ہیں اور وہ بھی بیگار پر کام کرتے ہیں۔ پادری فرانسس اپنا کھانا خود پکاتا ہے اور یہ مچھلی دیکھ کر باغ باغ ہو جائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ پادری کی قیام گاہ کے دروازے پر کھڑے تھے۔ ڈان کارلو نے ٹوکری نیچے رکھ کر کوئی تین سیر کی مچھلی نکالی اور دوسرے ہاتھ سے دروازے پر دستک دی۔ ایک بھاری بھر کم گنجا آدمی جس کے چہرے پر چیچک کے داغ تھے، باہر نکلا اور اس نے بلا توقف ڈان کارلو کے ہاتھ سے مچھلی پکڑ کر "شاباش بیٹا! یہ مچھلی تو اب بالکل نایاب ہو گئی ہے۔"

"جناب! یہ صرف ایک ہی ہمارے جال میں آئی تھی اور میرے ساتھیوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ یہ آپ کو پیش کر دی جائے۔"

"شکریہ! میں دعا کروں گا کہ خدا تمھارے شکار میں برکت دے۔" پادری یہ کہہ کر مچھلی کو غور سے دیکھتا ہوا اندر چلا گیا۔ ڈان کارلو نے خالی ٹوکری اٹھا کر مڑتے ہوئے عثمان سے کہا:

"پادری فرانسس اچھی مچھلی دیکھ کر سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ انھیں مرغ اور انڈے بھی بہت پسند ہیں۔ ماشاء اللہ خوب کھاتے ہیں، آؤ! اب چلیں!"

عثمان نے کہا" تم اپنے دوست سے ملنا پسند نہیں کرو گے ؟"
"کون سا دوست ؟"
"وہی جو قید خانے پر پہرا دیتا ہے ——— میں ایک نظر قید خانہ دیکھنا چاہتا ہوں "

" وہ کوئی دیکھنے کی جگہ نہیں، بہر حال چلو! لیکن وہاں تمہیں کسی سے بات نہیں کرنی ہوگی۔ ممکن ہے کہ اسپینی پہرے دار بھی کہیں آس پاس موجود ہوں "

وہ کوئی دو سو قدم دُور قید خانے کے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ بند تھا اور باہر ایک قوی ہیکل آدمی نیزہ اٹھائے کھڑا تھا۔ ڈان کارلو نے اسے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ پہرے دار نے سر کی جنبش سے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا" ارے تم یہاں کیا کر رہے ہو ؟"

"میں پادری کو مچھلی پہنچانے آیا تھا، پھر خیال آیا کہ جانے سے پہلے تمھارا حال ہی پوچھتا چلوں۔ تین چار دن سے ہماری ملاقات نہیں ہوئی تھی "

"پادری نے یہ نیا حکم دیا ہے کہ اب میں ایک دن چھوڑ کر گھر جایا کروں اور کچھ وقت اس کے لیے سبزیاں اگانے پر صرف کروں۔ میری بیگار کے صرف بیس دن باقی رہ گئے ہیں۔ پادری کہتا تھا کہ اس کے بعد شہر سے دو اور آدمی آرہے ہیں۔ شکار کا کیا حال ہے ؟"

ڈان کارلو نے جواب دیا " پچھلے مہینے ہمیں کسی دن اتنا شکار نہیں ملا۔ تاہم تمھارا حصہ باقاعدہ تمھارے گھر پہنچ جاتا ہے "

"یہ کون صاحب ہیں ؟" پہرے دار نے عثمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کاؤنٹ کے پاس کسی کام سے آئے ہیں ——— اچھا اب کسی دن

تمھارے گھر پر ملاقات ہوگی۔"

وہ وہاں سے چل دیے۔ تھوڑی دور جا کر عثمان نے کہا "ڈان کارلو! میں نے قلعے سے کوئی نصف میل دور خلیج کے کناروں پر آمنے سامنے دو برج دیکھے تھے۔ شاید وہاں کوئی پہرے دار بھی رہتے ہیں؟"

ڈان کارلو نے جواب دیا "جب تم غور سے دیکھو گے تو تمھیں دونوں برجوں کے اوپر توپیں دکھائی دیں گی اور ہر ایک برج پر تین یا چار آدمی ہر وقت موجود رہتے ہیں۔"

○

وہ دوبارہ خلیج عبور کرنے کے بعد دوسری بستی میں داخل ہوئے۔ ڈان کارلو عثمان کو ایک کچے مکان کے اندر لے گیا جس میں تنگ صحن کے آگے دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے اور ان کے ساتھ ایک چھپر باورچی خانے کا کام دیتا تھا۔

ایک نوجوان لڑکی آٹا گوندھ رہی تھی، انھیں دیکھتے ہی وہ جلدی سے ایک کٹورے میں ہاتھ دھونے کے بعد اُٹھ کھڑی ہوئی اور ذرا پریشان سی ہو کر عثمان کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے سانولے اور صحت مند چہرے میں کچھ ایسی جاذبیت تھی جسے محسوس کیا جا سکتا تھا لیکن بیان نہیں کیا جا سکتا۔ عثمان نے ایک نظر اسے دیکھا اور آنکھیں جھکا لیں۔

ڈان کارلو نے کہا "کلارا! یہ میرے دوست ہیں۔ اس وقت یہ یہاں نہیں ٹھہر سکتے، لیکن انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ یہ کسی دن تمھارے ہاتھ کی پکی ہوئی مچھلی ضرور کھانے آئیں گے۔ میں صرف انھیں اپنے گھر کا راستہ دکھانا چاہتا تھا۔"

کلارا نے کہا "مچھلی گھر میں بہت ہے۔ اگر یہ تھوڑی دیر ٹھہریں تو میں

ابھی تیار کر دیتی ہوں۔"

عثمان نے کہا "نہیں! انشاء اللہ میں پھر آؤں گا۔" پھر وہ ڈان کارلو کی طرف متوجہ ہوا "اب مجھے اجازت دیجیے!"

ڈان کارلو نے کہا "چلیے! میں تھوڑی دور آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

بستی سے باہر نکل کر ڈان کارلو نے کہا "اگر کوئی ایسی بات ہو جس میں میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں تو آپ بلا جھجک کہہ سکتے ہیں۔ مجھ سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید آپ کسی عزیز کے متلاشی ہیں ——— آپ نے کہا تھا کہ آپ نے پہلے سمندر نہیں دیکھا لیکن جب آپ کشتی پر سوار ہوئے تھے تو میں یہ سمجھ گیا تھا کہ سمندر اور کشتی آپ کے لیے نئے نہیں ——— پھر آپ نے جس اطمینان سے باتیں کی تھیں، اُس سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ آپ پیراک بھی ہیں کیونکہ جو لوگ تیرنا نہیں جانتے وہ پہلی بار کشتی پر پاؤں رکھتے ہوئے بہت خوف زدہ دکھائی دیتے ہیں ——— دیکھیے! میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ہمیں جبراً عیسائی بنایا گیا تھا لیکن ہم دل سے مسلمان ہیں ——— ہم گھروں میں چھپ کر قرآن پڑھتے ہیں۔ کلارا بلا ناغہ قرآن کی تلاوت کرتی ہے اور اگر میں اسے یہ بتا دیتا کہ آپ بھی مسلمان ہیں تو وہ باغ باغ ہو جاتی ——— یہ باتیں کہنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔"

عثمان نے کہا "اگر مجھے تم پر اعتماد نہ ہوتا تو میں تمھیں شاید یہ بھی نہ بتاتا کہ میں مسلمان ہوں اور اگر مجھے تم سے کوئی بات چھپانی ہے تو اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ میں تمھیں اُن مصیبتوں سے بچانا چاہتا ہوں جو بعض راز جاننے والوں کو پیش آتی ہیں ——— جب مجھے یہ یقین ہو جائے گا کہ تم کوئی خطرہ مول لیے بغیر میری ہر بات سے واقف ہو سکتے ہو، تو تمھیں یہ شکایت نہیں ہو گی کہ میں

تم پر اعتماد نہیں کرتا ــــــ اس وقت میں ایک بات کہنے سے پہلے یہ پوچھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آج قید خانے کا جو پہرے دار میں نے دیکھا تھا، تم اس پر کس حد تک بھروسہ کر سکتے ہو!"

"وہ میرا دوست ہے اور مورسکو کہلانے کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ اس کا ذہنی رشتہ کبھی بھی نہیں ٹوٹا۔ اگر تم کسی قیدی کے متعلق دریافت کرنا چاہتے ہو تو میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں۔"

عثمان نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "ایک قیدی کا نام ابوالحسن ہے اور میں تمھارے دوست کی وساطت سے اُسے صرف یہ پیغام پہنچانا چاہتا ہوں کہ ایک سرائے کا ملازم جس نے ایک زخمی اور بیمار آدمی کو گھاس کی گاڑی میں چھپا کر تمھارے گھر پہنچایا تھا، تمھیں سلام کہتا ہے اور تمھارے لیے یہ خبر لایا ہے کہ تمھاری مصیبت کے دن ختم ہونے والے ہیں! کیا تمھیں یہ الفاظ یاد رہیں گے؟"

"ہاں!"

"فی الحال پہرے دار کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ پیغام لانے والا کون ہے۔ قیدی خود بخود سمجھ جائے گا کہ میں کون ہوں۔"

"انشاء اللہ قیدی کو آپ کا یہ پیغام کل تک ضرور مل جائے گا۔"

"بہت اچھا! اب مجھے دیر ہو رہی ہے۔ کل شاید ہماری ملاقات نہ ہو سکے، لیکن اس کے بعد تم مجھے اکثر خلیج اور سمندر کے کنارے گھومتے دیکھا کرو گے، اور میں اس بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ اگر کبھی مجھے ضرورت پڑے تو میں تمھاری چھوٹی سی کشتی پر سیر کر لیا کروں۔"

"وہ چھوٹی سی کشتی گاؤں کی مشترکہ ملکیت ہے اور عام طور پر وہیں کھڑی رہتی ہے۔ تم جب چاہو اُس پر گھوم سکتے ہو ــــــ ویسے تم میری کشتی بھی

استعمال کر سکتے ہو، وہ کشتی کافی بڑی ہے۔ جب دوبارہ آؤ گے تو میں تمھیں دکھا دوں گا۔"

"اور وہ قلعے کے قریب چھوٹا سا جہاز کس کا ہے؟"

"وہ کاؤنٹ کا ہے۔ وہ اپنی بیوی اور مہمانوں کے ساتھ سمندر کی سیر کے لیے جایا کرتے ہیں۔"

○

عثمان خلیج کے کنارے جس راستے آیا تھا، اُسی راستے واپس جارہا تھا کہ اچانک ایک چھوٹا سا ٹیلہ عبور کرتے ہوئے اس کو ابو عامر دکھائی دیا۔ وہ تیز رفتار سے اسی جانب آرہا تھا اور جب اس کی نگاہ عثمان پر پڑی تو وہ آگے بڑھنے کی بجائے ایک پتھر پر بیٹھ کر خلیج کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابو عامر!" عثمان نے اس کے قریب پہنچ کر کہا "خیر تو ہے تم بہت پریشان دکھائی دیتے ہو۔"

ابو عامر نے جواب دیا "اگر تم مجھے اسی طرح خوار کرو گے تو میں پاگل ہو جاؤں گا! تم نے تو یہ کہا تھا کہ سہ پہر تک واپس آجاؤ گے اور اب دیکھو! سورج غروب ہو چکا ہے ـــــ میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ تم عبیداللہ کی طرح کسی اور کو بھی اپنا راز دار بنانے کی کوشش میں کہیں پھنس گئے ہو!"

عثمان نے جواب دیا "بچپن میں ایک سرائے کی نوکری کرنے سے مجھے یہ فائدہ ضرور ہوا ہے کہ میں اچھے اور بُرے آدمی میں تمیز کر سکتا ہوں ـــــ عبید کے چہرے پر یہ لکھا ہوا تھا کہ اُس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور آج دوسری بار یہ اتفاق ہوا ہے کہ مجھے ایک اور قابلِ اعتماد آدمی مل گیا ہے ـــــ میں نے وقت

ضائع نہیں کیا۔ میں نے اسلحہ اور بارُود چھپانے کے لیے موزوں جگہ دیکھ لی ہے۔ میں نے وہ گھر بھی دیکھ لیا ہے جہاں ہم ضرورت کے وقت ٹھہر سکتے ہیں۔ خلیج کے دوسرے کنارے پادری فرانسس کا گھر اور ابوالحسن کا قید خانہ بھی دیکھ آیا ہوں ـــــ اور میں اس بات کا انتظام بھی کر آیا ہوں کہ ابوالحسن کو میری آمد کی اطلاع مل جائے ـــــ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ تم میرا انتظار کرتے کرتے پریشان ہو گئے ہو گے، لیکن میں بہت مصرُوف تھا۔"

ابوعامر نے کہا " میں تم سے کم مصروف نہیں تھا۔ تمہاری رخصت سے ایک ساعت بعد برنینڈو واپس آ گیا تھا اور اُس نے مجھے کاؤنٹ کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ وہ کافی دیر مجھ سے باتیں کرتا رہا۔"

"میرے متعلق اُسے آپ نے کیا کچھ بتایا تھا؟"

میں نے تمہاری ہدایت کے مطابق اسے یہی بتایا تھا کہ میری بیوی کے بھائی نے ساری عمر سمندر نہیں دیکھا اور وہ یہاں پہنچتے ہی خلیج کی طرف نکل گیا ہے، لیکن اس گفتگو کی تفصیل میں بعد میں بیان کروں گا۔ پہلے تم بیٹھ کر اطمینان سے مجھے تمام واقعات بتاؤ!"

عثمان نے اسے اپنی سرگزشت سنانے کے بعد کہا "میں اپنا بہت سا کام ختم کر چکا ہوں۔ میں خلیج کے دونوں کناروں پر ایک دوسرے کے سامنے دو مورچے دیکھ آیا ہوں جہاں ایک ایک بڑی توپ نصب ہے۔ اپنے جہازوں کی آمد سے تھوڑی دیر قبل ان توپوں کو بے کار کر دینا ہمارے لیے مشکل نہیں ہو گا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدرت ہر قدم پر ہماری مدد کر رہی ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ جب وہ گھاس کے انبار اچانک جل اُٹھیں گے تو ہمارے ساتھی کوسوں دور سے یہ روشنی دیکھ سکیں گے۔ اب مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ ہم نے

گیارہ دن کی مہلت کیوں لی۔ پانچ یا چھ دن بعد ہم یہاں اپنا کام ختم کر چکے ہوں گے اور ہمیں اس جگہ اپنے جہازوں کے انتظار کے سوا کوئی کام نہیں ہوگا۔"

ابو عامر نے کہا :

"ہمیں خدا سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ تمھارے جہازوں سے پہلے ڈان لوئی کے جہاز یہاں نہ پہنچ جائیں۔"

"ڈان لوئی کے جہاز؟"

"اُس نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ ——— وہ جہاز کب اور کہاں سے آرہے ہیں، لیکن اس کی گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ بہرحال جہازوں کے پہنچنے میں زیادہ دن نہیں لگیں گے۔"

"تمھارا مطلب ہے کہ وہ کوئی جنگی بیڑہ اِس خلیج میں جمع کر رہا ہے؟"

"وہ اپنے غلاموں کو نئی دنیا بھیج رہا ہے، اسے وہاں وسیع زمین مل گئی ہے اور اس کی باتوں سے مجھے محسوس ہوا تھا کہ شاید وہ خود بھی وہاں جا رہا ہے ——— جب میں نے تمھارے متعلق یہ بتایا تھا کہ تم نے کبھی سمندر نہیں دیکھا تو اُس نے کہا "ہم اسے سمندروں کی اتنی سیر کرائیں گے کہ اُس کا جی بھر جائے گا۔ برنیلڈو اور کاؤنٹ دونوں مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ اُنھوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ ہم اس کی ملازمت اختیار کرنے آئے ہیں اور اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جب چاہے ہمیں نئی دُنیا بھیج دے۔"

"تمھارا مطلب ہے کہ اگر اس کے جہاز جلدی پہنچ گئے تو تمھیں مجبوراً سات سمندر پار جانا پڑے گا؟"

"ہاں! اس کا یہی ارادہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جائے گا اور میں نے تمہاری تعریف کرتے ہوئے اسے کہہ دیا تھا کہ ــــــ تم ایک بہت اچھے گاڑیبان بھی ہو تو اس نے کہا تھا کہ امریکہ میں ہمیں ایسے آدمیوں کی سخت ضرورت ہے۔

میں نے اسے یہ لالچ دینے کی کوشش بھی کی تھی کہ البجارہ میں کئی جفاکش کسان نئی دُنیا جانے کے لیے تیار ہیں اور مجھے حارث نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے ــــــ آپ کو غرناطہ کے مہاجرین میں سے کئی صنعت و حرفت کے ماہرین مل سکتے ہیں جو نئی دنیا میں نہایت قلیل معاوضے پر کام کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔

اور اُس نے جو جواب دیا تھا، میں اُس کا کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اس نے کہا تھا ــــــ اب غرناطہ کے مسلمان ہمارے تالاب کی مچھلیاں ہیں اور البجارہ میں بھی ایسے ہی حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ جب کبھی ہمیں وہاں کسی کام کے آدمی کی ضرورت پڑے گی، ہم رات کی بجائے دن کی روشنی میں اسے گرفتار کر سکیں گے۔

اور کاؤنٹ نے ابوالحسن کا ذکر بھی کیا تھا، وہ کہتا تھا کہ ــــــ ایک کام کا آدمی محض اپنی حماقت کے باعث جان گنوا بیٹھے گا۔

کاؤنٹ کے ساتھ ملاقات سے فارغ ہو کر میں نے برنینڈو سے علیحدگی میں باتیں کی تھیں۔ وہ کہتا تھا کہ جب جہاز پہنچ جائیں گے تو ہم سفر کی تیاری شروع کریں گے۔

برنینڈو کا خیال تھا کہ جہازوں کی آمد کے بعد بھی اناج، مویشی اور ضروری سامان لادنے کے لیے چند دن اور لگ جائیں گے اور ــــــ

بظاہر اس بات کا کوئی خدشہ نہیں کہ وہ ہمیں اچانک پکڑ کر نئی دنیا میں لے جائیں گے، لیکن کاش ہمارے ساتھی جلدی پہنچ جائیں ـــــــ مجھے یہ بھی خطرہ ہے کہ اگر نصرانیوں کا بیڑا جلدی پہنچ گیا تو خلیج پر اُن کا قبضہ ہو جائے گا اور پھر ہمارے ساتھیوں کے لیے خلیج میں داخل ہو کر کاؤنٹ کے قلعے پر گولہ باری کرنا بہت مشکل ہو جائے گا" ـــــــ

عثمان نے کہا "خدا کے لیے یہ دُعا کرو کہ سپین کے جہاز ہمارے حملے سے دو چار دن پہلے پہنچ جائیں اور مجھے جنگ کا پلان تیار کرنے کا موقع مل جائے، پھر تم وہ تماشا دیکھو گے جو اس وقت تمہارے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔"

"بھائی!" ابوعامر نے جواب دیا "میں کوئی تماشا دیکھنے کی بجائے صرف یہ دُعا کروں گا کہ میں خیریت سے اپنے گھر پہنچ جاؤں۔"

عثمان نے کہا "اب چلو! میں بہت تھک گیا ہوں اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں گھاس کے کسی انبار میں چھپ کر سو جاؤں۔ صُبح مجھے بہت کام کرنا ہے اور اگلی رات مجھے عبیداللہ کی بستی میں مصروف رہنا پڑے گا۔ ہمارے گھومنے پھرنے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے؟"

"نہیں! تم جہاں چاہو پھر سکو گے۔ کاونٹ کے تین سو غلاموں اور نوکروں میں تمہارا کوئی متلاشی نہیں ہو گا۔ تاہم یہ ضروری ہو گا کہ برنینڈو دن میں ایک دو بار تمہیں ضرور دیکھ لیا کرے۔ ہمیں برنینڈو کے مکان کے قریب ہی ایک کمرہ ملا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو! میں برنینڈو کو یہ احساس نہیں ہونے دوں گا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔"

ابوعامر نے مغموم لہجے میں کہا "اگر میں اپنی بیوی بچوں کو دوبارہ دیکھے بغیر نئی دُنیا بھیجا گیا تو میں راستے میں جہاز سے چھلانگ لگا دوں گا۔"

عثمان نے جواب دیا "مجھے یقین ہے کہ اللہ ہماری مدد کرے گا اور ہم ڈان لوئی کے غلاموں کے ساتھ نئی دنیا نہیں جائیں گے"

۲۱

پادری فرانسس

برنیڈو نے ابو عامر اور عثمان کو نوکروں کی رہائش گاہ کے قریب ہی ایک خالی مکان میں ٹھہرا دیا ـــــ پاس ہی وہ کشادہ چار دیواری تھی جس کے اندر غلام رہتے تھے۔ جب غلام کھیتوں میں کام کے لیے جاتے تو ابو عامر ان کے ساتھ چلا جاتا اور کبھی کبھی عثمان بھی ان کا ساتھ دیتا، لیکن عام طور پر عثمان علالت کے بہانے دن کے وقت سوتا اور رات بھر اپنی خفیہ سرگرمیوں میں مصروف رہتا۔

آٹھ دن بعد عثمان نے کمرے کا دروازہ بند کر کے صبح کی نماز ادا کی اور ابو عامر سے کہا "اگر میں شام تک واپس نہ آؤں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں ماہی گیروں کی بستی میں رک گیا ہوں اور وہیں رات گزاروں گا۔"

ابو عامر نے کہا "تم نے میرے ذمے کوئی کام نہیں لگایا؟"

عثمان نے جواب دیا "تمہاری سب سے بڑی ذمہ داری یہ تھی کہ تم یہاں کسی کو مجھ پر شک نہ ہونے دو اور غلاموں میں سے قابلِ اعتماد آدمیوں کو ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار کرو، اور یہ تم بہت اچھی طرح پوری کر رہے ہو ـــــ لیکن چونکہ تم تیرنا یا کشتی چلانا نہیں جانتے، اس لیے میں اب تمہیں اپنے ساتھ کسی مہم پر نہیں لے جا سکتا۔" ـــــ

ابو عامر نے کہا "خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک نئی دنیا جانے والے جہاز یہاں نہیں پہنچے۔ اب مجھے یہ اطمینان ہو رہا ہے کہ وہ ہمارے ساتھیوں کی آمد سے پہلے روانہ نہیں ہوں گے اور رات مجھے خیال آیا تھا کہ تم سے ابوالحسن کے متعلق پوچھوں، لیکن تم باتیں کرتے کرتے اچانک سو گئے تھے"

"ابوالحسن کو جسمانی اور روحانی اذیتوں نے بہت کمزور کر دیا ہے، لیکن میرے پیغام نے اُس پر بہت اچھا اثر کیا"

"تم نے اسے دیکھا تھا؟"

"نہیں! جب ایک پہرے دار ہمارے درمیان پیام رسانی کے فرائض سرانجام دے رہا ہے تو مجھے قید خانے کے قریب جانے کا خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔ ابوالحسن کو معلوم ہے کہ اُس کو کیا کرنا ہے"

اور یہ کہتے ہی عثمان کمرے سے باہر نکل گیا ——

کچھ دیر بعد جب وہ ماہی گیروں کی بستی کے قریب پہنچا تو اسے حدِ نگاہ پر سمندر کی طرف سے خلیج کا رُخ کرنے والے تین جہاز دکھائی دیے۔ ڈان کارلو اور اُس کی بیوی کے علاوہ بستی کے کوئی پچاس زن و مرد خلیج کے قریب ٹیلے پر کھڑے تھے ——

عثمان نے ان کے قریب پہنچ کر دیکھا تو وہ بہت مغموم نظر آتے تھے۔ بعض کی آنکھوں میں آنسو تھے اور کلارا کے علاوہ چند عورتیں سسکیاں لے رہی تھیں۔ ڈان کارلو نے آگے بڑھ کر عثمان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا:

"معلوم ہوتا ہے کہ مورسکو کہلانا اور مورسکو کی طرح رہنا ہمارا مقدر بن چکا ہے۔ وہ نصرانیوں کے جہاز آ رہے ہیں۔ آپ اُن پر صلیب کے پرچم دیکھ سکتے ہیں اور ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ اس بیڑے کے پیچھے اور کتنے جہاز آ رہے ہیں،

لیکن ایک بات واضح ہے کہ ہسپانوی بیڑے کی موجودگی میں باہر سے کوئی جہاز اب ساحل کے قریب نہیں آسکے گا۔"

عثمان نے کہا "اگر تمھاری پریشانی کی وجہ یہ ہے تو میری بات غور سے سنو! انشاء اللہ ہم تین چار دن کے اندر اندر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور دشمن کا کوئی جہاز ہمارا پیچھا کرنے کی جرأت نہیں کرے گا، لیکن تم نے ابھی بہت سا کام کرنا ہے۔ آیندہ دو دن کے بعد تمھیں ہر وقت سفر کے لیے تیار رہنا چاہیے ——— اب جاؤ! اور اپنے اپنے گھر میں ہماری ہدایات کا انتظار کرو۔"

وہ سب مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھر کی طرف چل دیے، لیکن ڈان کارلو اور آٹھ اور نوجوان وہیں کھڑے رہے ——— عثمان نے ڈان کارلو سے مخاطب ہو کر کہا "اب ہمیں کھلے سمندر کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ دو چھوٹی کشتیاں ہر وقت یہاں رہنی چاہییں اور دو کشتیاں تمھیں اس کنارے لے جانی چاہییں۔"

ڈان کارلو نے کہا "آپ کی ہدایت کے مطابق ہم نے بارود کے دو بیرل اس طرف اور دو دوسرے کنارے پر چھپا دیے ہیں۔ جو اسلحہ ہمیں ملا تھا، وہ میں نے اپنے آدمیوں میں تقسیم کر دیا ہے اور آج ابوالحسن کو بھی ایک خنجر قید خانے کے اندر پہنچ جائے گا۔"

عثمان نے کہا "میرے لیے اس جگہ تمھارے ساتھ کھڑا ہونا مناسب نہیں۔ ہم بستی میں کسی جگہ چھپ کر باتیں کریں گے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ ان جہازوں کو کس جگہ کھڑا کرتے ہیں۔ اس کے بعد تمھیں فرائض سونپ دیے جائیں گے اور پھر رات کے وقت تمھیں مشق کرائی جائے گی۔ اگر انھوں نے جہاز ساحلی توپ خانوں سے دور رکھے تو ہماری کوشش یہ ہو گی کہ جہاز

غرق کر دیے جائیں یا انھیں آگ لگا دی جائے اور اگر وہ جہازوں کو مورچوں کے پیچھے قلعے کی طرف سے گئے تو ہماری کوشش یہ ہو گی کہ ساحلی مورچوں کی توپوں کو تباہ کر دیا جائے اور یہ کام کچھ مشکل نہیں ہو گا ——— اس کے بعد ہمارے ساتھیوں کو روشنی دکھانے کا کام رہ جائے گا اور وہ جہازوں سے نپٹ لیں گے۔"

○

کاؤنٹ ڈان لوئی اور اس کی بیوی محل کی بالائی منزل کے ایک کمرے کے دریچوں سے خلیج کا منظر دیکھ رہے تھے ——— ان کے سامنے ایک جہاز پر بھیڑیں، گائیں گھوڑے اور اناج لادے جا رہے تھے اور چونکہ جہاز کناروں سے کچھ دُور گہرے پانی میں کھڑے تھے اس لیے جانوروں کو کشتیوں پر لاد کر جہازوں تک پہنچانا اور پھر رسّوں سے اُوپر کھینچ کر انھیں جہاز پر لادنا کافی مشکل کام تھا۔ مزدور اور ملاح بدحواس جانوروں کو تڑپتے دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے۔

کاؤنٹس نے کہا " پادری فرانسس کہتا تھا کہ بعض غلام اور مویشی سفر کے دَوران مر جائیں گے "

کاؤنٹ نے غصّے میں آ کر جواب دیا " اُس کی آواز بہت منحوس ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے غلام اور جانور بخیریت پہنچ جائیں گے ——— میں نے برنینڈو کو تاکید کی ہے کہ جو جانور کمزور یا بیمار ہو اسے جہاز پر نہ لادا جائے البتہ مجھے ان غلاموں کے متعلق شبہ ہے جنھیں پادری فرانسس نے قید خانے میں اذیتیں دے دے کر ادھ موا کر دیا ہے ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی راستے میں مر جائے "

کاؤنٹس نے کہا " لیکن برنینڈو کہتا تھا کہ پادری فرانسس اکثر قیدیوں

کو بلنسیہ میں انکوی زیشن کے سپرد کرنا چاہتا ہے۔ وہاں اذیت خانے میں اُن سے گناہوں کا اعتراف کروایا جائے گا اور پھر ان کے لیے مناسب سزائیں تجویز کی جائیں گی۔"

ڈان لوئی نے جواب دیا "یہ اُس صورت میں ہو سکتا ہے کہ میں انھیں قید خانے سے نکال کر ان جہازوں پر سوار نہ کر دوں۔"

"کیا پادری فرانسس یہ برداشت کر لے گا کہ آپ کلیسا کے مجرموں کو قید سے نکال کر جہاز پر سوار کرا دیں۔ برنینڈو کہتا تھا کہ وہ انکوی زیشن کے لیے کام کرتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے، لیکن پادری کو کسی نہ کسی طرح رضامند کر لیا جائے گا۔ اسے غلاموں کے ساتھ جہاز پر بھی سوار کرایا جا سکتا ہے اور انکوی زیشن کے اعلےٰ افسروں کو یہ پیغام بھیجا جا سکتا ہے کہ فرانسس سات سمندر پار بسنے والوں کی روحوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے بے تاب تھا۔"

ڈان لوئی کی بیوی ہنس پڑی۔

ایک نوکر نے کمرے میں داخل ہو کر بلنسیہ کے بشپ اور پادری فرانسس کی آمد کی اطلاع دی۔

"بلنسیہ کا بشپ؟" ڈان لوئی نے حیران ہو کر کہا "وہ یہاں کب پہنچے؟"

"جناب! وہ ابھی پہنچے ہیں اور میں نے انھیں نیچے ملاقات کے کمرے میں بٹھا دیا ہے۔"

"اور پادری فرانسس اس کے ساتھ آیا ہے؟"

"جی ہاں! وہ بھی بشپ کی بگھی پر آیا تھا۔"

"میں ابھی آتا ہوں۔"

نوکر واپس چلا گیا تو ڈان لوئی نے اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کہا "اس کا

مطلب یہ ہے کہ اگر پادری فرانسس، بشپ کو بذاتِ خود بلنسیہ سے لے کر نہیں آیا تو وہ راستے میں کسی جگہ اس کا ضرور انتظار کر رہا ہوگا۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ اسے بشپ کی آمد کا علم تھا اور اس نے عمداً مجھے اطلاع نہیں دی۔ آپ ان کے لیے کھانے کا انتظام کریں۔ میں ان کے پاس جاتا ہوں۔"

○

چند منٹ بعد ڈان لوئی ملاقات کے کمرے میں دو زانو ہو کر بشپ کے ہاتھ کو بوسہ دے رہا تھا۔

"مقدس باپ!" اس نے بشپ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا "آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اگر آپ کی آمد کی کوئی اطلاع ہوتی تو میں اپنے نوکروں اور غلاموں سمیت قلعے سے باہر آپ کا استقبال کرتا۔"

بشپ نے جواب دیا "پادری فرانسس نے مجھے اطلاع دی تھی کہ آپ نئی دنیا جا رہے ہیں، اس لیے میں نے آپ کو الوداع کہنا ضروری سمجھا۔"

کاؤنٹ نے جواب دیا "فی الحال میرے غلام اور چند نوکر جا رہے ہیں۔ میں زمین آباد ہونے اور رہائش کے لیے کوئی تسلی بخش انتظام ہونے کے بعد وہاں جانے کے متعلق سوچوں گا۔"

پادری فرانسس نے جواب دیا "اس بات کا بھی امکان ہے کہ آپ کو کسی علاقے کا گورنر بنا کر بھیج دیا جائے؟"

"یہ ہو سکتا ہے۔" کاؤنٹ نے بے پروائی سے جواب دیا۔

بشپ نے کہا "میرے یہاں آنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا —— ہمیں محتسبِ اعظم سے یہ ہدایت موصول ہوئی ہے کہ ایسے غلاموں کو نئی دنیا نہ بھیجا جائے

جو عیسائی ہونے کے بعد مرتد ہو گئے ہوں یا ان کا کوئی فعل انکوی زیشن کے ضابطوں کی زد میں آتا ہو ——— پادری فرانسس کو یہ شکایت ہے کہ آپ کے چند غلام ایسے ہیں جو دل سے عیسائی نہیں ہوئے۔ آپ انھیں امریکہ جانے سے روک لیں تاکہ مقدس انکوی زیشن کو ان کے متعلق تسلی کرنے کے لیے وقت مل جائے تو یہ آپ کا ایک قابلِ قدر اقدام ہو گا۔"

ڈان لوئی اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے فرانسس سے مخاطب ہوا " ایسے آدمیوں کی تعداد کتنی ہے جنھیں آپ مشکوک خیال کرتے ہیں؟"

"فی الحال ان کی تعداد سات ہے۔"

" ان کے دل کا حال آپ کیسے جانتے ہیں؟ کیا آپ ان سے مل چکے ہیں؟"

" مجھے کسی کے دل کا حال جاننے کے لیے اُس سے ملاقات کی ضرورت نہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مقدس انکوی زیشن کے جاسوس ہر جگہ موجود ہیں۔"

" لیکن ابھی تک میرے علاقے میں انکوی زیشن کا دفتر قائم نہیں ہوا۔"

"اس کا یہ مطلب نہیں کہ کلیسا کے دشمن کسی جگہ محفوظ ہیں۔ بلنسیہ میں محکمۂ احتساب کا قید خانہ بڑی تیزی سے بھر رہا ہے۔ جب ہم یہ محسوس کریں گے کہ مزید قیدیوں کے لیے گنجائش نکالنے کی ضرورت ہے تو نئے قید خانے تعمیر کیے جائیں گے ورنہ مسلمانوں کے دورِ حکومت کے پُرانے قلعوں کو قید خانوں میں تبدیل کیا جاسکے گا ——— یہاں سے جنوب کی طرف آٹھ دس میل کے فاصلے پر ایک پرانا قلعہ ہے۔ میں وہ دیکھ چکا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اگر اس کی مرمت کی جائے تو وہ چند سال کے لیے آپ کے علاقے کی ضرورت پورا کر سکے گا۔ پھر جب آپ کے غلاموں کی قیام گاہ خالی ہو جائے گی تو انکوی زیشن بوقت ضرورت اسے بھی استعمال

کر سکے گا۔"

"ڈان لوئی نے کہا" آپ کا مطلب ہے کہ اس علاقے کے کسانوں، چرواہوں اور ماہی گیروں کی اکثریت کو کسی دن انکوی زیشن کے قید خانوں میں جانا پڑے گا؟"

"مجھے اس بات سے کوئی خوشی نہیں ہوگی، لیکن مورسکو کسانوں اور ماہی گیروں کے متعلق میری اطلاعات یہ ہیں کہ ان میں سے بیشتر دل سے عیسائی نہیں ہوئے اور وہ موقع ملتے ہی کلیسا کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔"

"اور وہ جو ابھی تک مسلمان ہیں اور مسلمان رہنا چاہتے ہیں، ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

پادری نے جواب دینے کی بجائے بشپ کی طرف دیکھا اور اس نے جواب دیا "یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ اب کوئی غیر عیسائی سپین میں نہیں رہ سکے گا۔ یہودیوں کی طرح مسلمان بھی یا تو ملک چھوڑ جائیں گے یا انھیں اصطباغ لینا پڑے گا۔ وہ اس بات کو پسند کریں یا نہ کریں، انھیں ہر حال میں عیسائی سمجھا جائے گا اور یہ مقدس انکوی زیشن کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ ان کے دل کا حال معلوم کرتا رہے اور جن کے متعلق یہ شبہ ہو کہ وہ درپردہ اپنے سابقہ مذہب سے محبت کرتے ہیں، اُن کے وجود سے اس سرزمین کو پاک کرتا رہے۔"

ڈان لوئی نے کہا "آپ یہ خطرہ محسوس نہیں کرتے کہ انکوی زیشن کی جلد بازی سے پورے ملک میں بغاوت ہو جائے گی؟"

بشپ نے جواب دیا "آپ اس بات سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ انکوی زیشن کے کسی فعل پر نکتہ چینی کرنا گناہ ہے ـــــ اور آپ کے اطمینان کے لیے میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ انکوی زیشن مناسب وقت پر اپنا کام شروع کرے گا ـــــ اور فوری طور پر کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھائے گا جس سے

حکومت کو کسی قسم کے خطرے کا سامنا کرنا پڑے۔"

"لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ غرناطہ میں کلیسا کی جلد بازی سے ایسے حالات پیدا ہوگئے ہیں کہ کوہستانی علاقوں میں کسی وقت بھی بغاوت کی آگ بھڑک سکتی ہے اور پھر بحیرۂ روم میں ترکوں کا جنگی بیڑا ہمیں کافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"یہ آگ بہت جلد ٹھنڈی ہو جائے گی اور اس کے بعد پورے ہسپانیہ کے مسلمانوں کو مورسکو کے نام سے پکارا جائے گا۔"

ڈان لوئی نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا "مقدس باپ! میں آپ کے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔"

"کہیے!"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ پادری فرانسس کو میرے آدمیوں کے ساتھ نئی دنیا بھیج دیا جائے تاکہ یہ ان میں سے کسی کو گمراہ نہ ہونے دیں۔"

فرانسس نے کہا "اگر مجھے مقامی وحشیوں کو جبراً دینِ مسیح کے دامن میں پناہ دینے کی اجازت دی جائے تو میں خوشی سے جانے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے مقدس انکوی زیشن کی طرف سے بھی مرتد ہونے والوں کو سزائیں دینے کا اختیار ہونا چاہیے۔"

بشپ نے کہا "نئی دنیا کے متعلق اس قسم کے خواب پورے ہونے میں ابھی کافی عرصہ لگے گا ـــــ انکوی زیشن کا پہلا مقصد ہسپانیہ کو غیر عیسائیوں، مرتدین اور جادوگروں کے وجود سے پاک کرنا ہے ـــــ مجھے یقین تھا کہ اس جگہ کاؤنٹ ڈان لوئی اور ان کے ملازم آپ سے پورا تعاون کریں گے اور میں ان کا شکر گزار ہوں کہ میری توقعات غلط ثابت نہیں ہوئیں۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ بھی بلاوجہ انھیں پریشان نہ کریں اور محض شک کی بنا پر ان کے کسی غلام یا نوکر کو نئی

دنیا جانے سے نہ روکیں۔ نئی دنیا میں یہ لوگ ہمارے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہو سکتے۔"

فرانسس نے کہا "میرا مقصد کاؤنٹ کو بلاوجہ پریشان کرنا یا نقصان پہنچانا نہیں۔ میں اس کے لیے تیار ہوں کہ ——— جو مشتبہ لوگ انکوئی زیشن کے اہلکاروں کی آمد سے پہلے روانہ ہو جائیں، انھیں روکنے کی کوشش نہ کی جائے، لیکن ان آٹھ آدمیوں میں سے جو اس وقت قید خانے میں ہیں، صرف دو کو رہا کیا جا سکتا ہے۔ باقی چھ بہت خطرناک ہیں اور وہ جہاں جائیں گے، دینِ مسیحؑ کے خلاف نفرت پھیلائیں گے۔ ان میں سے ایک کو تین بار کوڑے لگ چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس کی حالت یہ ہے کہ وہ قید خانے کے اندر کھلے بندوں نمازیں ہی نہیں پڑھتا بلکہ اذانیں بھی دیتا ہے۔"

"اُس کا نام ابوالحسن ہے؟" کاؤنٹ نے پوچھا۔

"جی ہاں! یہی نام ہے اس کا، لیکن پچھلے پانچ چھ دن سے اس میں اچانک تبدیلی آگئی ہے۔ اب وہ اذان نہیں دیتا اور پہریداروں کی اطلاع ہے کہ وہ ان کے سامنے نماز بھی نہیں پڑھتا۔"

ڈان لوئی نے کہا "اگر آپ اس کے متعلق مطمئن ہو گئے ہیں تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اسے نئی دُنیا بھیج دوں، تین دن تک ہمارے جہاز یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس کے متعلق مجھے ذاتی طور پر بھی یہ علم ہے کہ وہ عیسائی نہیں ہوا تھا ——— آپ نے اس پر صرف پانی چھڑک کر یہ اعلان کر دیا تھا کہ تم عیسائی ہو گئے ہو۔" ———

"یہ ہمارا حق ہے کہ ہم اپنے غلاموں کی رُوح کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں ——— اس کے خلاف جو شکایات ہیں، وہ مُقدّس

انکوی زیشن کے دفتر میں پہنچ چکی ہیں۔ اسے بہر صورت بلنسیہ میں انکوی زیشن کی عدالت کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔ وہ بہت خطرناک ہے اور یہ بہتر ہوگا کہ آپ میرے ساتھ دو مسلح آدمی بھیجیں اور میں اسے بذاتِ خود بلنسیہ کے قید خانے میں پہنچا آؤں۔"

ڈان لوئی نے مایوس ہو کر کہا "میرے آدمی آپ کے کسی حکم سے انکار نہیں کر سکتے۔"

○

ایک گھنٹے بعد ڈان لوئی، بشپ اور پادری فرانسس کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انواع و اقسام کے کھانے لذیذ بھی تھے اور وافر بھی اور پادری فرانسس اس طرح کھا رہا تھا جیسے سات دن کا بھوکا ہو ـــــ

کھانے سے قبل وہ کاؤنٹ کے گھر کی برسوں پرانی شراب سے لطف اندوز ہو چکے تھے اور فرانسس اپنے تن و توش کے مطابق اس قیمتی شراب سے بھی دوسروں کی نسبت دوگنا حصہ وصول کر چکا تھا ـــــ

وہ کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ پھر فرانسس کی آنکھوں پر غنودگی طاری ہونے لگی اور اس نے بشپ سے کہا "جناب! آپ سفر سے آئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔"

ڈان لوئی نے اُٹھتے ہوئے کہا "آیئے! میں آپ کو سونے کے کمرے میں چھوڑ آتا ہوں۔ فادر فرانسس! میرے خیال میں آپ بھی یہیں سو جائیں!!"

"نہیں! شکریہ!! میں رات کے وقت قید خانے کے قریب رہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ویسے بھی اتنا نفیس کھانا کھانے کے بعد میں تھوڑی دیر باہر

ہوا میں گھومنا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے بشپ اور کاؤنٹ سے مصافحہ کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

بشپ نے قدرے توقف کے بعد کاؤنٹ سے مخاطب ہو کر کہا :

"آپ کو اس آدمی سے محتاط رہنا چاہیے ——— اس وقت تو ایسے لوگ شاید آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں، لیکن وہ وقت دُور نہیں جب اندلس کا ہر انسان انکوی زیشن کے ہاتھ کی گرفت اپنی شاہ رگ پر محسُوس کرے گا ——— تورکمیڈا کلیسا کے اندر ایک ایسی طاقت کو جنم دے گیا ہے جس کی ہولناکیوں کے تصوّر سے نہ صرف ہسپانیہ کے عوام اور امراء بلکہ خداوندانِ کلیسا بھی کانپا کریں گے اور انکوی زیشن میں پادری فرانسس کے اثر و رسُوخ کا آپ اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ محتسبِ اعظم نے مجھے اس کی شکایات پر یہاں آنے کا حکم دیا تھا۔ مجھے اس بات کا خدشہ تھا کہ آپ کہیں قیدیوں کو زبردستی نئی دُنیا نہ بھیج دیں۔"

کاؤنٹ نے جواب دیا" اگر آپ نہ آتے تو شاید مجھ سے ایسی غلطی ہو جاتی، میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ تشریف لائیے!"

بشپ اُس کے ساتھ چل دیا۔

○

پادری فرانسس کو پہرے داروں نے صدر دروازے کی بجائے شمال کے چھوٹے دروازے سے باہر نکال دیا اور وہ جلد ہی بستی سے نکل کر خلیج کے کنارے چلنے لگا ——— خلیج میں اسے نئی دنیا جانے والے جہاز دکھائی دیتے تھے اور اسے اس بات سے ایک روحانی تسکین محسوس ہوتی تھی کہ وہ قیدی جنہیں وہ روکنا چاہتا تھا، ان جہازوں میں سے کسی پر سوار

نہیں ہو سکیں گے۔

ڈان لوئی کے دستر خوان پر اس نے حسبِ معمول جی بھر کر کھانا کھایا تھا اور شراب کے دو پیالے بھی اس کی ضرورت سے بہت زیادہ تھے اس لیے باہر تر و تازہ ہوا کے باوجود اس کی طبیعت بوجھل ہو رہی تھی تاہم وہ اس بات پر خوش تھا کہ کاؤنٹ کو پہلی بار اس کی قوت کا احساس ہوا ہے۔

ایک جگہ رُک کر وہ کچھ دیر پانی میں چاند کا عکس دیکھتا رہا پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور انتہائی عاجزی سے دُعا کی "آسمانی باپ! مجھے ہمت دے کہ میں اس ملک میں دینِ مسیحؑ کے ظاہری اور خفیہ دشمنوں کو ملیامیٹ کر دوں۔ میں ان مورسکو اور موراثو کو زندہ جلتے دیکھوں جو دن کے وقت ہمارے گرجوں میں عبادت کے لیے آتے ہیں اور رات کے وقت اپنے گھروں میں چھپ کر دینِ مسیحؑ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اے خدا! میرا دل ان کے لیے پتھر بنا دے اور اے مقدس باپ! مجھے تورکیڈا اور زمینس کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہمت دے۔"

پیچھے سے آواز آئی "تم ان سے زیادہ ملعون ہو۔"

اس نے مڑ کر دیکھا۔ عثمان کے ساتھ چار آدمی اسے گھیرے میں لے چکے تھے اور عثمان کی تلوار کی نوک اس کی گردن کو چھو رہی تھی۔

"تم کون ہو؟" اس نے بڑی مشکل سے کہا۔

"تمھیں ابھی معلوم ہو جائے گا ـــــ اور یہ اچھی طرح دیکھ لو، میرے ساتھی تلواروں اور خنجروں کے علاوہ طپنچوں سے بھی مسلح ہیں۔ اگر تم نے شور مچانے کی ذرا بھی کوشش کی تو تمھاری پہلی چیخ آخری ہو گی!"

"دیکھیے!" اُس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "دیکھیے! میں ایک پادری ہوں۔ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

عثمان نے کہا "ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں" اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا "اسے باندھ لو اور کشتیوں کی طرف لے جاؤ!"

عثمان کے ساتھیوں نے اس کے بازو مروڑ کر پیچھے کی طرف باندھ دیے اور پھر اس کی قبا سے کپڑے کے دو ٹکڑے پھاڑ کر ایک اس کے حلق میں ٹھونس دیا اور دوسرا کس کر اس کے منہ پر باندھ دیا۔

عثمان نے ایک آدمی سے کہا "تم اسے لے جاؤ! ہمارے پاس بہت تھوڑا وقت ہے ـــــ قیدی کا رستا مضبوطی سے پکڑے رکھو اور اگر راستے میں وہ کوئی مزاحمت کرے تو اسے گولی مار کر سمندر میں پھینک دو اور دیکھو! اپنے ساتھیوں کو تاکید کر دو کہ وہ میری ہدایات پر عمل کریں اور اس پادری کو دوسرے کنارے پہنچا دیں۔"

فرانسس کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کی آواز حلق سے باہر نہیں آسکتی تھی ـــــ اس نے بے بسی کی حالت میں چند قدم اٹھائے اور مڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کے نگہبان نے اسے طپنچہ دکھاتے ہوئے کہا "تیز چلو! ورنہ مجھے اپنا قیمتی بارود ضائع کرنا پڑے گا۔"

فرانسس نے رفتار ذرا تیز کر دی، لیکن محافظ نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا "بے وقوف! اگر اپنی جان عزیز ہے تو میرے ساتھ بھاگتے رہو ـــــ"

فرانسس نے تیز بھاگنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ ایک گھوڑے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ تاہم موت کے خوف سے وہ اپنے محافظ کے ساتھ بھاگتا رہا اور کوئی دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اُسے تین کشتیاں دکھائی دیں۔ اس کے ساتھ ہی چند آدمی پتھروں کی اوٹ سے نمودار ہوئے اور ایک آدمی نے

آگے بڑھ کر کہا "مونٹانو! تم اتنی جلدی آ گئے؟"

"ہمیں توقع سے پہلے یہ شکار مل گیا تھا۔"

"ارے! یہ تو پادری فرانسس معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں! اسے دوسرے کنارے پہنچا دو اور اس کے متعلق بہت چوکس رہو!"

"تمھارے ساتھی کہاں ہیں؟"

"وہ قید خانے کی طرف گئے تھے اور اب تک قیدیوں کو آزاد کرا چکے ہوں گے۔"

"اور پادری کو تم اتنی جلدی کہاں سے لے آئے؟"

"یہ ہمیں خلیج کے کنارے سیر کرتا ہوا مل گیا تھا ـــــــ تم اس کا منہ کھول کر اطمینان سے باتیں کر سکتے ہو، لیکن اگر کوئی خطرہ محسوس کرو تو اسے فوراً قتل کر دو۔ ابھی تک سمندر کی طرف سے کوئی روشنی تو دکھائی نہیں دی؟"

"اگر روشنی دکھائی دیتی تو ہمارے ساتھی ساحل پر دو الاؤ جلا چکے ہوتے اور ہمیں معلوم ہے کہ اس کے بعد ہمیں کیا کرنا ہے۔ تم اطمینان سے اپنا کام کرو!"

مونٹانو وہاں سے چل دیا۔

کچھ دیر بعد پادری فرانسس خلیج کے دوسرے کنارے مردوں، عورتوں اور بچوں کے ہجوم کے سامنے کھڑا تھا ـــــــ وہ انتہائی نفرت کے باوجود خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور پادری زیادہ دیر یہ پُر اسرار خاموشی برداشت نہ کر سکا۔ کہنے لگا "میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ مجھے ایک قیدی کی طرح یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ اگر تم کسی قیدی کو رہا کروانا چاہتے ہو

تو میں تمھارے ساتھ حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں واپس جاتے ہی اسے آزاد کردوں گا۔ میں تمام قیدیوں کو آزاد کرنے کے لیے تیار ہوں ——— انھیں قید کرنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں تاکہ ان کی روحیں دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔"

ایک عمر رسیدہ آدمی نے کہا "ہم بھی تمھاری رُوح کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے یہاں لائے ہیں۔"

"آخر تمھیں کیا ہوگیا ہے ——؟ کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایک عیسائی کلیسا کے کسی خادم کے ساتھ اس طرح پیش آ سکتا ہے۔"

"ہم صرف مورسکو ہیں اور تمھیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ مورسکو کیا ہوتا ہے؟"

"خدا کی قسم! میں کلیسا سے یہ مطالبہ کروں گا کہ تمھیں مورسکو نہ کہا جائے!"

"اور کلیسا تمھارا کہا مان لے گا؟"

"جب کلیسا کو اس بات کا احساس دلاؤں گا کہ تم مورسکو کے لفظ سے نفرت کرتے ہو اور تمھاری نفرت ایک عام بغاوت میں تبدیل ہو رہی ہے تو میری بات یقیناً سُنی جائے گی۔"

"تم جھُوٹ کہتے ہو۔ تم انکوی زیشن کے جاسوس ہو اور بیگناہ قیدیوں کو انکوی زیشن کے سپُرد کرنا چاہتے ہو۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں انھیں واپس جاتے ہی آزاد کر دوں گا۔ میں یہ تحریر لکھ کر دوں گا کہ وہ سب بے گناہ ہیں۔ تم مجھے واپس لے چلو! اور اگر میں اپنے وعدے سے انحراف کروں تو تم مجھے قتل کر سکتے ہو ——— میں اپنے عہدے سے بھی استعفیٰ دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"تم واپس نہیں جاؤ گے!"

"تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو اور میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟"

"جب تم گھر سے نکلے تھے تو کیا تمہارے ذہن میں یہ بات آسکتی تھی کہ ہمارے ساتھی تمھیں یہاں لے آئیں گے؟"

"میں یہ کیسے سوچ سکتا تھا کہ جن لوگوں کے ایمان کی میں کئی سال سے حفاظت کر رہا ہوں اور جنھیں دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے میں رو رو کر دعائیں کیا کرتا ہوں، ان میں سے کوئی میرا دشمن ہو سکتا ہے! تمھیں یقیناً کاؤنٹ کے مسلمان مزارعین میں سے کسی نے بہکایا ہے۔"

ایک نوجوان نے ڈانٹ کر کہا "تم خاموش رہو! ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔ میں مسلمانوں کے خلاف تمہاری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ——"

"تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟" پادری نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نہیں! تمہارے متعلق وہ قیدی فیصلہ کرے گا جس نے تمہارے ہاتھوں زیادہ تکلیف اٹھائی ہے۔"

پادری سکتے کی حالت میں ان کی طرف دیکھنے لگا۔

○

ابوالحسن کو پادری فرانسس کی مسلسل اذیتوں نے زندگی اور موت سے بے نیاز کر دیا تھا —— جب مورسکو پہرے دار نے اسے عثمان کا پہلا پیغام دیا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ ایک خواب دیکھ رہا ہے۔ کچھ دیر اس کے دل

کی دھڑکن کبھی تیز اور کبھی سُست ہوتی رہی پھر یکایک اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے ——— وہ کئی سوال پوچھنا چاہتا تھا مگر پہرے دار نے اُسے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر خاموش کر دیا۔

عثمان کا دوسرا پیغام اسے ایک دن پہلے ملا تھا اور وہ یہ تھا کہ کل رات تم آزاد ہو جاؤ گے اور اسے صبح سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ دن بہت طویل ہو گیا ہے۔ پھر جب رات ہو گئی تو وہ یاس و امید کی کش مکش میں ایک دیوانے کی طرح اپنی تنگ کوٹھڑی میں چکر لگا رہا تھا اور آخر نڈھال ہو کر سجدے میں گر پڑا "میرے اللہ! مجھ پر رحم فرما! میں مرنے سے پہلے سعاد کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اسے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی یاد سے غافل نہیں تھا ——— میرے اللہ! اگر قیدی کی حیثیت سے گمنامی کی موت میرا مقدر بن چکی ہے تو مجھے ہمت دے کہ میں اپنے دین پر قائم رہوں اور آگ کے الاؤ کے سامنے کھڑا ہو کر بھی کلمۂ شہادت پڑھوں ——— مجھ پر رحم کر!! تو ایک عاجز اور کمزور انسان کا آخری سہارا ہے۔"

وہ دیر تک اپنی دُعا دہراتا رہا۔

پھر اسے قید خانے کے دروازے سے باہر ایک ہلکی سی چیخ سُنائی دی اور اس کے ساتھ ہی دوسرے آدمی کے حلق سے نکلنے والی مبہم آوازوں سے اس نے یہ محسوس کیا کہ اُس کا گلا گھونٹا جا رہا ہے ——— اور چند ثانیے بعد اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ باہر کا دروازہ کھُل رہا ہے ——— اس کے بعد اسے چند آدمیوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پھر اس کی کوٹھڑی کا دروازہ کھُلا، لیکن وہ بدستور سجدے میں پڑا کہہ رہا تھا "میرے اللہ! تو کریم ہے! تو رحیم ہے!"

"ابوالحسن! ابوالحسن! میں عثمان ہوں۔ جلدی نکلو!"

ابوالحسن لڑکھڑاتا ہوا کوٹھڑی سے باہر نکلا اور عثمان اس کا بازو پکڑ کر کوٹھڑی سے باہر لے آیا۔ قید خانے کے دروازے کے قریب دو پہرے داروں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ابوالحسن نے چاند کی روشنی میں غور سے عثمان کی طرف دیکھا اور بے اختیار اس سے لپٹ کر کہا "اگر تم وہی عثمان ہو جو حامد بن زہرا کے بیٹے کو ہمارے گھر لائے تھے تو تمھارا یہاں پہنچنا ایک معجزہ ہے۔"

"میں وہی ہوں ابوالحسن! میں یقیناً وہی ہوں اور تمھیں یہ خبر سنانے آیا ہوں کہ تم بہت جلد اپنی بیوی کو دیکھ سکو گے۔"

"آپ کو یقین ہے؟" ابوالحسن نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "آپ کو یقین ہے کہ ہم یہاں سے نکل جائیں گے؟"

"ابوالحسن! تمھیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ انشاء اللہ! تھوڑی دیر تک یہ خلیج ہمارے قبضے میں ہوگی اور پھر تم نائب امیر البحر کے جہاز میں سفر کرو گے۔ اگر تم اسے بھول نہیں گئے تو اس کا نام سلمان ہے۔"

"سلمان! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں پھر ایک خواب دیکھ رہا ہوں ـــــ انھیں کیسے معلوم ہوا کہ ..... میں ..."

ابوالحسن اپنا فقرہ پورا نہ کر سکا ـــــ اس کی آواز ڈوب گئی۔ اُس کی ٹانگیں لڑکھڑائیں اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں زمین پر بیٹھ گیا ـــــ اُس تھکے ہارے مسافر کی طرح، جسے منزل کے قریب پہنچ کر اچانک یہ محسوس ہو کہ اس کی ہمت اور توانائی نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے ـــــ

اتنی دیر میں باقی آدمی تمام قیدیوں کو باہر لا چکے تھے۔ عثمان نے کہا:

"ارڈر یگو! اسے اُٹھا کر لے جاؤ! اور کشتی پر ڈال کر دوسرے کنارے پہنچا دو۔ جو

قیدی ہماری پناہ لینا چاہتے ہوں، انھیں بھی دوسرے کنارے پہنچا دو۔"

ابوالحسن نے اٹھتے ہوئے کہا" مجھے چکر آ گیا تھا۔ کل سے میں بالکل نہیں سویا ـــــ اب میں ٹھیک ہوں ـــــ میں چل سکتا ہوں۔"

"بہت اچھا! تم ارڈریگو کے ساتھ جاؤ اور جہازوں کی آمد کا انتظار کرو۔"

"میں آپ سے پوچھ رہا تھا کہ آپ کو میرے متعلق کیسے معلوم ہوا؟"

عثمان نے جواب دیا" جب اللہ کسی کی مدد کرنا چاہتا ہے تو اسباب خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔"

"اب تم جاؤ! اور دوسرے کنارے پہنچ کر آرام سے لیٹ جاؤ!"

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"اس کنارے ابھی میرا کچھ کام باقی ہے۔ انشاء اللہ! میں بہت جلد تمھارے پاس پہنچ جاؤں گا اور اس کے بعد تم کئی ناقابلِ یقین باتیں دیکھو گے۔"

ابوالحسن نے کہا" اگر کوئی لڑائی ہونے والی ہے تو میں تمھارے ساتھ رہنا پسند کروں گا۔"

" مجھے اب کسی لڑائی کی توقع نہیں۔ تم ان کے ساتھ جاؤ اور اس اطمینان کے ساتھ دوسرے کنارے جا کر لیٹ جاؤ کہ تم آزاد ہو۔"

" اگر میں آزاد ہوں اور آپ کو جنگ کے لیے میری ضرورت بھی نہیں تو میری پہلی یہ خواہش ہے کہ میں نہا دھو کر یہ غلیظ لباس تبدیل کر لوں ـــــ دنیا میں اس قید خانے سے زیادہ بدبودار جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

عثمان نے راڈریگو سے مخاطب ہو کر کہا" میں ابوالحسن کی میزبانی کے فرائض تمھیں سونپتا ہوں۔ انھیں نہانے کے علاوہ ایک حجام کی خدمات اور صاف کپڑوں کی ضرورت ہوگی۔ جہاز سے ہم انھیں بہترین لباس دے سکیں

گئے۔ فی الحال ڈان کارلو سے کہنا کہ ان کے لیے دو صاف چادروں کا انتظام کر دے۔"

○

کچھ دیر بعد عثمان اور اس کے دو ساتھی خلیج کے کنارے اس بُرج کا رُخ کر رہے تھے جس پر توپ نصب تھی ۔۔۔۔۔

عبید پتھر کی اوٹ سے نمودار ہُوا اور اس نے کہا : "اس مورچے میں دشمن کے تین آدمیوں میں سے دو قتل کر دیے گئے ہیں اور ایک کو زندہ پکڑ کر باندھ دیا گیا ہے ۔۔۔۔ دوسرے کنارے کی توپ پر بھی ہمارا قبضہ ہو چکا ہے اور ۔۔۔۔ جہازوں کے ملاح سو رہے ہیں ، کاش! یہ توپیں اتنی بھاری نہ ہوتیں اور ۔۔۔۔ ہم اُن کا رُخ دشمن کے جہازوں کی طرف پھیر سکتے !"

مورچے کے قریب عبید کے چار ساتھی جن میں سے تین اپنے قیدیوں کے طپنچوں اور تلواروں سے مسلح ہو چکے تھے، عثمان کا انتظار کر رہے تھے۔

ایک نے آگے بڑھ کر کہا " میں نے سمندر کی طرف روشنی دیکھی ہے، لیکن میرے ساتھی کہتے ہیں کہ تمھارا وہم ہے ۔"

عثمان بھاگ کر بُرج پر چڑھا اور جائزہ لیتے ہی واپس آ کر کہا " تمھاری نظر بہت اچھی ہے ۔۔۔۔ ہمارے ساتھی آ رہے ہیں، لیکن تمھاری طرف سے کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں ہونا چاہیے ۔۔۔۔ تم اطمینان سے انتظا

کرو اور تمھیں یہاں بچھے ہوئے بارود کو اس وقت آگ لگانی چاہیے جب دوسرے کنارے پر دھماکا ہو چکا ہو۔"

حملہ اور آزادی

ڈان لوئی اور اُس کی بیوی گہری نیند سو رہے تھے ـــــ اچانک یکے بعد دیگرے دو زبردست دھماکے سُنائی دیے۔ کاؤنٹس نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا۔

"کیا ہوا؟" اس نے ہڑبڑا کر کہا۔

"باہر توپیں چل رہی ہیں۔ مجھے تو ایسا محسُوس ہوا تھا کہ سارا محل ہل رہا ہے۔"

"تمھارے خواب ہمیشہ خوفناک ہوتے ہیں۔" کاؤنٹ نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

"آپ پہرے داروں سے پوچھ لیجیے! مجھے یقین ہے کہ اس وقت سب جاگ رہے ہوں گے۔ ایسے زبردست دھماکوں میں صرف آپ ہی سو سکتے ہیں ـــــ"

باہر سے کسی نے دستک دینے کے بعد آواز دی "جناب والا! بشپ آپ کو بلاتے ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ آپ آرام کر رہے ہیں اور میں آپ کو اس وقت جگانے کی جرأت نہیں کر سکتا، لیکن توپوں کی آواز اتنی زیادہ تھی

کہ وہ بہت پریشان ہیں۔ ایک پہرے دار نے انھیں یہ کہہ کر بہت مضطرب کر دیا ہے کہ توپوں کے شعلے ان بُرجوں پر دکھائی دیے تھے جہاں ہماری توپیں نصب ہیں۔"

"بے وقوف! تم نے بشپ کو یہ نہیں سمجھایا کہ جب توپ چلتی ہے تو آگ کا شعلہ بھی دکھائی دیتا ہے۔"

"لیکن جناب! پہرے دار کہتا ہے کہ اُن شعلوں کا رُخ کسی اُفق کی بجائے سیدھا آسمان کی طرف تھا۔ قلعے کے محافظ پتہ لگانے گئے ہیں۔ صدر دروازے کے بُرج سے دو پہرے دار شور مچا رہے تھے اور بشپ آپ کو بلانے کے لیے کہہ کر ان کی طرف بھاگ گئے ہیں۔"

"چلو! میں آتا ہوں!" کاؤنٹ نے جلدی سے جُوتے پہنے اور سونے کے لباس میں باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دروازے سے برج میں بشپ اور چند سپاہیوں کے ساتھ ایک ناقابلِ یقین منظر دیکھ رہا تھا۔

خلیج کے دونوں کناروں پر حدِ نگاہ تک الاؤ جل رہے تھے اور ایک جہاز تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

کاؤنٹ نے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ یہ جہاز نئی دنیا کے سفر میں ہمارا ساتھ دینا چاہتا ہے، لیکن اس کے لیے روشنیاں کرنے کی کیا ضرورت تھی ـــــ کوئی جہاز ران اس خلیج سے ناواقف نہیں ہو سکتا۔"

ایک سپاہی نے کہا "جناب! ہمیں معلوم نہیں کہ وہ روشنیاں کس نے کی ہیں اور اس سے پہلے توپیں کس نے چلائی تھیں۔" ـــــ

ایک سپاہی ہانپتا ہوا بُرج میں نمودار ہوا اور اس نے کہا "جناب! اس کنارے کا مورچہ تباہ ہو چکا ہے اور توپ ملبے کے ڈھیر میں دکھائی نہیں

دیتی اور مجھے ڈر ہے کہ دوسری طرف بھی یہی حالت ہے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ آج یہ کیا ہو رہا ہے اور خلیج کے دونوں طرف یہ الاؤ کون جلا گیا ہے "

ایک پہرے دار جنوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چلایا " جناب! اُدھر دیکھیے!! "

کاؤنٹ اور بشپ دم بخود ہو کر جنوب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انھیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آگ کے شعلے زمین کے نشیب و فراز پر بل کھاتے ہوئے گھاس کے ڈھیروں کی طرف بھاگ رہے ہیں، پھر چند لمحات کے اندر اندر یہ آگ سوکھی گھاس تک پہنچ چکی تھی اور چار انبار جو کوئی پندرہ بیس فٹ اُونچے تھے، تیزی سے آگ کی لپیٹ میں آ رہے تھے۔ کاؤنٹ اور اس کے ساتھی سکتے کے عالم میں بتدریج بلند ہوتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہے تھے۔ آس پاس کا سارا علاقہ چکا چوند ہو چکا تھا۔

بشپ نے کاؤنٹ سے مخاطب ہو کر کہا " آپ نے دیکھا کہ آگ کے سانپ بھاگ رہے تھے؟ "

" مقدس باپ! یہ سانپ نہیں تھے کسی نے قریب سے گھاس کو آگ لگانے کی بجائے دور تک بارود بچھا دیا تھا۔ اب مجھے یقین ہے کہ ہمارے مورچے بھی بارود سے اُڑا دیے گئے ہیں "

برنینڈ ہانپتا ہوا برج پر پہنچا اور اُس نے کہا " جناب! میں نے تمام نوکروں اور غلاموں کو آگ بجھانے کے لیے بھیج دیا ہے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ اس آگ پر قابو پانا ممکن نہیں، لیکن وہ کچھ گھاس ضرور بچا لیں گے "

کاؤنٹ نے غصے سے لرزتے ہوئے کہا " بے وقوف! اگر تم نے دھماکے سُنے تھے تو تمھیں آگ بجھانے کی بجائے غلاموں کو زنجیریں ڈالنے

کی فکر کرنی چاہیے تھی، لیکن تم بالکل گدھے ہو۔ ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکے کہ ہمیں کوئی بہت بڑا حادثہ پیش آنے والا ہے۔"

ایک پہرے دار چلایا "جناب! وہ جہاز سیدھا اس طرف آرہا ہے۔ ابھی تک اس کے بادبان کھلے ہیں۔ اتنی روشنی کے باوجود اس کے ملاح یہ نہیں دیکھ سکتے کہ وہ ہمارے جہازوں کے قریب پہنچ چکے ہیں ——— اگر انھوں نے فوراً رُخ نہ بدل لیا تو ہمارے جہازوں کے لیے آگے سے ایک طرف ہٹ جانا ممکن نہیں ہوگا۔ وہ اب بادبان کھول سکتے ہیں نہ لنگر اُٹھا سکتے ہیں ———"

کاؤنٹ چنڈانیے پھٹی پھٹی آنکھوں سے آنے والے جہاز کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر جب جہاز نے اچانک اپنا رُخ بدل لیا تو اس نے کہا "ان گدھوں کو آخر وقت ہوش آیا ہے، لیکن میں اس جہاز کے کپتان کی کھال اُتروا دوں گا۔ اس کے بادبان ابھی تک کھلے ہیں۔ ہمارے جہازوں کے کپتانوں کو بھی عبرتناک سزا ملنی چاہیے۔ انھوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ دو جہاز ایک ہی ٹکر سے تباہ ہو سکتے ہیں۔"

بشپ نے کہا "لیکن ٹکر لگانے والا جہاز بھی تو تباہ ہو جاتا اور وہ بھی آخر ہسپانیہ ہی کا نقصان ہوتا۔"

کاؤنٹ نے کہا "ابھی اس جہاز کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔ ذرا ادھر دیکھیے! وہ ایک جہاز نہیں۔ اس کے پیچھے ایک اور نہیں، شاید دو اور جہاز آرہے ہیں۔ شاید اس سے بھی زیادہ ہوں اور اس کا جھنڈا تو اب صاف نظر آرہا ہے ——— مقدس باپ! آپ نے کبھی ترکوں کا جھنڈا دیکھا ہے؟"

"نہیں! لیکن آپ کا مطلب؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے جہاز، یہ قلعہ اور اس کے ساتھ شاید آپ بھی ترکوں کے ان جہازوں کی زد میں آچکے ہیں اور آپ نے شاید جنگی بیڑے کی توپوں کو آگ اگلتے نہیں دیکھا ہوگا؟"

بشپ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اچانک اگلے جہاز کی توپوں کے دہانے کھل گئے اور وہ گولے برساتا ہوا نصف دائرے میں چکر لگا کر دوسرے کنارے کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا ـــــــ اس کے بعد یکے بعد دیگرے تین اور جہاز قلعے کے سامنے سے گزرے اور قریباً ایک ساعت شدت کی گولہ باری ہوتی رہی۔ تین بڑے جہازوں کے علاوہ کاؤنٹ کا ذاتی جہاز بھی غرق ہو چکا تھا۔ پانی میں ملاحوں اور زخمی جانوروں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ قلعے اور محل کے کئی حصے بھی مسمار ہو چکے تھے۔

کاؤنٹ ڈان لوئی ایک سحر زدہ انسان کی طرح یہ مناظر دیکھ رہا تھا۔ اچانک برج کے قریب ایک گولہ لگا اور فصیل کا کچھ حصہ اڑ گیا۔ وہ جلدی سے نیچے اترتے ہوئے چلایا "مقدس باپ! نیچے چلیے!! اس طرف فصیل کا کوئی حصہ محفوظ نہیں۔"

بشپ زینے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اچانک ایک گولے سے برج کی چھت کا کچھ حصہ اڑ گیا۔ تین آدمی بری طرح زخمی ہو گئے۔ ایک اینٹ بشپ کے سر پر لگی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

○

جب بشپ کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ محل کے کسی اور کمرے میں پڑا ہوا ہے اور کھلے دریچوں سے روشنی آرہی ہے۔ اچانک اسے

رات کے واقعات یاد آئے اور اس نے اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی، لیکن سر میں درد کی ٹیسیں اٹھیں اور وہ دوبارہ لیٹ کر اپنے سر پر بندھی ہوئی پٹیاں ٹٹولنے لگا۔

اس نے اپنے دل میں کہا : خدا کا شکر ہے کہ میں زندہ ہوں، لیکن پادری فرانسس کو میں عمر بھر معاف نہیں کروں گا۔ اس نے ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ مجھے یہاں آکر اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔

ڈان لوئی کمرے میں داخل ہوا تو اس سے مخاطب ہوا " جناب ! خدا کا شکر ہے کہ آپ بخیریت ہیں ! "

" لیکن، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کہاں ہوں ؟ "

کاؤنٹ نے جواب دیا " ہم آپ کو محل کی دوسری طرف لے آئے تھے۔ خلیج کی طرف محل کا کوئی حصّہ محفوظ نہیں تھا۔"

" کاؤنٹس اور آپ کے بچے ؟ "

" وہ سب ٹھیک ٹھاک ہیں ــــــ ہم بھی اس طرف آ گئے تھے اور اگر کاؤنٹس چند منٹ اور اپنے کمرے سے نہ نکلتی تو وہ ملبے کے ڈھیر میں دب چکی ہوتی۔ "

" آپ کا مطلب ہے محل کے مشرقی حصّے کو بہت نقصان پہنچا ہے۔"

" ہاں ! وہ تقریباً تباہ ہو چکا ہے۔ جس کمرے میں آپ ٹھہرے تھے اس کی چھت بھی اُڑ گئی ہے۔ اگر آپ بے ہوش نہ ہو گئے ہوتے تو اپنی آنکھوں سے وہ مناظر دیکھتے جو آپ کو ساری زندگی نہ بھولتے ــــــ "

بشپ نے کہا " میں حیران ہوں کہ ترکوں کے جہاز یہاں کیسے پہنچ گئے اور انھیں آپ کے قلعے پر حملے کی جرأت کیونکر ہوئی ؟ "

ڈان لوئی نے جواب دیا " مقدس باپ ! انھوں نے صرف یہاں تک

آنے، ہمارے جہاز تباہ کرنے اور قلعے پر گولہ باری کرنے کی ہمت ہی نہیں کی بلکہ وہ قریباً چار گھنٹے اس علاقے پر قابض رہے ہیں اور وہ ان غلاموں کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں جنھیں میں نئی دنیا بھیجنا چاہتا تھا ——— وہ میرے چند بہترین کاشت کاروں کو بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں اور یہاں سے تھوڑی دور ان نئے عیسائیوں کی وہ بستیاں بھی خالی ہو چکی ہیں جنھیں آپ حقارت سے مورسکو کہا کرتے ہیں ——— آپ اس بات پر حیران ہیں کہ وہ یہاں کیسے پہنچ گئے اور مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ انھوں نے ہمارے محل پر قبضہ کر کے ہماری تلاشی کیوں نہیں لی ——— یہاں سے فرار ہونے کے لیے ہمارے گھوڑے تیار تھے اور اگر گولہ باری کے دوران آپ کی بگھی تباہ نہ ہو چکی ہوتی تو ہم آپ کو بے ہوشی کی حالت میں ہی روانہ کر دیتے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ لوٹ مار کے لیے نہیں آئے تھے ورنہ آپ کا انجام پادری فرانسس سے مختلف نہ ہوتا۔"

"پادری فرانسس کو کیا ہوا؟"

"ابھی تک وہ لاپتا ہیں۔ خدا کرے کہ وہ پہلا دھماکا سنتے ہی کہیں دور بھاگ گئے ہوں ——— ہمیں وہاں قید خانے کے دو پہرے داروں کے علاوہ کسی اور کی لاش نہیں ملی۔ قیدی غالباً حملہ کرنے والوں کے ساتھ فرار ہو گئے ہیں اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ وہ پادری فرانسس کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے ہیں، کیونکہ اگر وہ کہیں چھپے ہوتے تو اب تک انھیں لوٹ آنا چاہیے تھا ———"

"ہمارے سب جہاز تباہ ہو چکے ہیں؟"

"جی ہاں! ان کے ساتھ وہ چھوٹا سا خوب صورت جہاز بھی غرق ہو چکا ہے جو میں نے سیر کے لیے خریدا تھا ———"

"میرا خیال ہے کہ شاید حملہ کرنے والے جہازوں کی تعداد تین یا چار تھی۔"

"مقدس باپ! وہ آٹھ تھے۔ اگر آپ ہوش میں ہوتے تو دیکھتے کہ وہ کس طرح یکے بعد دیگرے آتے اور بمباری کرتے ہوئے سامنے سے گزر جاتے تھے۔"

"ان کا پہلا حملہ کسی بہت بڑے خطرے کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔"

کاؤنٹ نے جواب دیا "مقدس باپ! بڑا حملہ کسی بڑے شہر یا ایسی بندرگاہ پر ہو سکتا ہے جہاں وہ ہمارے بیڑے کو بے خبری کی حالت میں تباہ کر سکتے ہیں ــــــ ایسی جگہ حملہ کرنے سے ان کا مقصد تو محض میرے غلاموں اور کلیسا کے قیدیوں کو آزاد کرنا تھا اور اُن کا یہ مقصد پورا ہو چکا ہے۔ بلکہ وہ اُن کے علاوہ کئی اور آدمی بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔"

"ہمارے ملاحوں کا کیا بنا؟"

"ان میں سے اکثر ڈوبتے ہوئے جہازوں سے کود کر کنارے پہنچ گئے تھے۔ باقی ملاحوں کی لاشیں تلاش کی جا رہی ہیں۔ مجھے اپنے قیمتی گھوڑوں کی ہلاکت کا بہت صدمہ ہے۔"

"میرے خیال میں ہمارے جہازوں نے ایک بھی جوابی فائر نہیں کیا!"

"ہمارے ملاح یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ترکوں کے جنگی جہاز یہاں پہنچ جائیں گے ــــــ اور اب اگر میں ایک دو دن کے اندر اندر یہ سنوں کہ اسی طرح کے چند اور جنگی بیڑوں نے مشرقی ساحل کی بہترین بندرگاہیں تباہ کر دی ہیں تو مجھے تعجب نہیں ہوگا۔ باہر کے مسلمانوں کی طرف سے غرناطہ کے حالات کا ردِ عمل اس سے مختلف نہیں ہو سکتا۔"

ابوالحسن گہری نیند سے بیدار ہوا۔ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں صاف ستھرے بستر پر لیٹا ہوا تھا "میں کہاں ہوں؟" اس نے اپنے دل سے سوال کیا۔ چند ثانیے وہ حیرت کے عالم میں چھت کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر گزری ہوئی رات کے واقعات یکے بعد دیگرے اس کے ذہن میں آنے لگے:

عثمان اسے قید خانے سے نکالا تھا ـــــ خلیج کے دوسرے کنارے پہنچ کر اس نے غسل کیا تھا ـــــ اسے صاف کپڑے پہنائے گئے تھے اور مورسکو ماہی گیر اس سے بڑی محبت سے پیش آئے تھے۔ ایک نوجوان نے اسے طشت میں مچھلی پیش کرتے ہوئے کہا تھا "یہ میری بیوی نے پکائی ہے۔ اندلس میں اس سے بہتر کھانا کوئی نہیں پکا سکتا ـــــ آپ یہ ساری مچھلی کھا جائیں! ـــــ ایک کسان نے اپنی گٹھری سے اُسے پنیر اور خشک انجیر نکال کر پیش کیے تھے ـــــ ایک بوڑھے آدمی نے کہا تھا "بیٹا! تم بہت خوش قسمت ہو ـــــ آج تمہاری وجہ سے سینکڑوں آدمیوں کو نصرانیوں کی غلامی سے نجات ملنے والی ہے۔"

اس نے رات مدت کے بعد جی بھر کر کھانا کھایا تھا اور پھر شکرانے کے نفل پڑھتے ہی گہری نیند سو گیا تھا۔

اس کے بعد عثمان نے اسے جھنجھوڑ کر جگاتے ہوئے کہا تھا:

"ابوالحسن! اٹھو!! اب صبح ہو رہی ہے اور ہم جا رہے ہیں۔"

جہاز پر سوار ہوتے ہی اس کی ملاقات سلمان سے ہوئی تھی اور اس نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا "ابوالحسن! اب تمہاری مصیبت کے دن ختم ہو چکے ہیں ـــــ! پھر ایک چاق و چوبند افسر نے اس کے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا تھا "میں منصور ہوں۔

آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں، لیکن اس وقت اپنے جہاز پر جا رہا ہوں۔"

ابوالحسن کو یہ باتیں ایک خواب معلوم ہوتی ہیں۔

ایک آدمی نے اسے دروازے سے جھانک کر دیکھا اور واپس چلا گیا۔

ابوالحسن کا پہلا احساس یہ تھا کہ اس نے اسے کہیں دیکھا ہے ـــــ شاید وہ ان کسانوں میں سے کوئی ہو جن کے ساتھ کاؤنٹ کے غلام کام کیا کرتے تھے۔

عثمان کیبن میں داخل ہوا اور اس نے بستر کی ایک طرف چند کپڑے رکھتے ہوئے کہا "یلیجیے! یہ لباس پہن لیجیے۔ وہ کپڑے آپ کو اچھے نہیں لگتے۔ مجھ سے آپ کا قد بڑا ہے اس لیے میں ایک اور افسر کا فالتو لباس لے آیا ہوں۔ نائب امیر البحر اپنا بالکل نیا لباس دینا چاہتے تھے، لیکن وہ آپ کے لیے بہت کھلا ہوتا ـــــ میں نے شاید آپ کو یہ نہیں بتایا کہ سلمان ہمارے نائب امیر البحر ہیں۔"

"میں نے انھیں دیکھتے ہی پہچان لیا تھا، لیکن ایک آدمی ابھی یہاں جھانک کر گیا ہے اور مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ میں اسے جانتا ہوں ـــــ وہ جہاز کا کوئی ملازم ہے یا یہاں سے سوار ہوا تھا؟"

عثمان نے جواب دیا "اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ تم جاگ رہے ہو تو وہ کبھی تمھارے سامنے نہ آتا۔"

"لیکن وہ کون ہے؟"

"وہ تمھارا دشمن بھی ہے اور دوست بھی ـــــ وہ پہلے دشمن کا جاسوس تھا، اب اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے تمھاری تلاش میں آیا تھا۔"

ابوالحسن نے پے در پے کئی سوالات کر دیے اور عثمان نے مختصراً اسے ابوعامر کی سرگزشت سنا دی۔

ابوالحسن نے مضطرب ہو کر کہا "خدا کے لیے! اس کو بلاؤ!! وہ تنہا میرے مصائب کا ذمہ دار نہیں اور اب اس نے مجھے ایک جہنم سے نکالا ہے"۔

عثمان نے آواز دی "ابوعامر! اِدھر آؤ!!"

ابوعامر کیبن کے اندر داخل ہوا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

ابوالحسن نے اُٹھ کر کہا "ابوعامر! میں تمھارا شکر گزار ہوں"۔

ابوعامر آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے بولا "اگر آپ نے میرا گناہ معاف کر دیا ہے تو میں اسے بہت بڑا احسان سمجھتا ہوں"۔

عثمان نے کہا "نائب امیرالبحر نے تمھارے متعلق پوچھا تھا، لیکن تم سو رہے تھے۔ اب تم یہ کپڑے پہن کر ان سے ملاقات کے لیے تیار ہو جاؤ! میں تمھارے لیے کھانا بھیجتا ہوں۔ آؤ، ابوعامر!"

ابوعامر اور عثمان باہر نکل گئے۔

○

ابوالحسن کھانا کھا رہا تھا اور ابوعامر اسے اپنی سرگزشت سنا رہا تھا۔

بحری حملے کی تفصیلات سننے کے بعد ابوالحسن نے پوچھا "تمھارا خیال ہے کہ تمام مورسکو اب مسلمان ہو جائیں گے؟"

"وہ کبھی بھی عیسائی نہیں ہوئے تھے۔ تم ان کے جذبات کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہو کہ وہ مورسکو بھی، جو تمھارے قید خانے کا پہریدار تھا آج ہمارے ساتھ سفر کر رہا ہے۔"

"اور وہ مسلمان کسان جنھوں نے پہلے دن تمھاری دعوت کی تھی؟"

"اس کا سارا خاندان اور بستی کے کئی اور لوگ بھی ایک جہاز پر سفر کر رہے

ہیں ۔ دو جہاز مورسکو ماہی گیروں سے بھرے ہوئے ہیں، انھیں پہلے روانہ کر دیا گیا تھا۔ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ میں آپ کے ساتھ نائب امیر البحر کے شاندار جہاز پر سفر کروں گا ـــــ عثمان کہتا تھا کہ وہ آپ کے مہمان رہ چکے ہیں "

ابو الحسن نے کہا " یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ انھوں نے چند دن ہمارے ہاں قیام کیا تھا "

"عثمان کہتا تھا کہ مہاجرین کو یونان کے ساحل پر پہنچا دیا جائے گا اور وہاں سے انھیں مشرقی یورپ کے مفتوحہ ممالک تک پھیلا دیا جائے گا "

"تمھارا مطلب یہ ہے کہ ہم یونان کی طرف جا رہے ہیں؟"

"مجھے یہ معلوم نہیں "

ابو الحسن نے اُٹھ کر باہر نکلتے ہوئے کہا " تم یہیں بیٹھو! میں امیر البحر سے ملاقات کر کے آتا ہوں "

تھوڑی دیر بعد ابو الحسن سلمان کے سامنے ایک کشادہ کمرے میں کھڑا تھا جہاں دیواروں پر جگہ جگہ نقشے آویزاں تھے۔

" بیٹھ جاؤ ابو الحسن! " سلمان نے اپنے سامنے خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

ابو الحسن نے بیٹھتے ہوئے کہا " کیا یہ درست ہے کہ آپ کے جہاز یونان کا رُخ کر رہے ہیں؟ "

سلمان نے اطمینان سے جواب دیا " فی الحال ہمارا رُخ افریقہ کے ساحل کی طرف ہے ـــــ وہاں سے ان مہاجرین کو یونان پہنچانے کے لیے کوئی دوسرا انتظام کیا جائے گا "

" میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں "

"کہو! تم پریشان کیوں ہو گئے ؟"

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ دوبارہ اندلس کے ساحل کے قریب جانے کا خطرہ مول لے سکتے ہیں تو آپ مجھے المیریہ کے قریب کسی جگہ اُتار دیں ——— وہاں سے میں پیدل آگے جا سکوں گا۔"

سلمان کچھ دیر شفقت سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے کہا:

"ابوالحسن! امیر البحر نے میری ذاتی درخواست پر ہمیں اس مہم پر روانہ ہونے کی اجازت دی تھی اور یہ مہم اس دن ختم ہوگی، جب مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ تم دوبارہ زندوں کی دُنیا میں آگئے ہو ——— میں تمھاری تمام سرگزشت سُن چکا ہوں اور تمھیں یہ تسلی دینا چاہتا ہوں کہ عنقریب ہمارے جنگی جہاز اس جگہ سے قریب ترین ساحلی علاقے میں لنگر انداز ہوں گے جہاں تمھاری بیوی تمھارا انتظار کر رہی ہے ———

جب میں روانہ ہوا تھا تو الفجارہ اور دوسرے کوہستانی علاقوں کے متعلق بڑی تشویش ناک خبریں آرہی تھیں ——— اس لیے میں نے یوسف کو یہ پیغام دیا تھا کہ وہ الفجارہ میں کسی ہوشیار آدمی کو بھیج کر وہاں کے حالات معلوم کرے۔ اب وہ مراکش کے ساحل پر میرا انتظار کر رہا ہو گا ——— اور ہم اس سے مُلاقات کے بعد ہی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ ہمارا آئندہ اقدام کیا ہونا چاہیے! ———

ممکن ہے کہ تمھارے عزیز ساحل پر کسی جگہ چُھپ کر ہمارا انتظار کر رہے ہوں اور ہمارا کام بہت آسان ہو جائے، ورنہ سمندر کے ساحل سے آگے خشکی کی مہم کے لیے ہمیں کئی اور انتظامات کرنے پڑیں گے ——— اس مرتبہ میں کسی ایسی کوتاہی سے کام لینا نہیں چاہتا، جو مجھ سے حامد بن زہرا، سعید اور عاتکہ کے بارے میں ہوئی تھی اور میں کسی کو یہ سوچنے کا موقع بھی نہیں دوں گا

کہ تمھارے عزیز بے یار و مددگار رہیں "۔

ابوالحسن نے کہا "جناب! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی مہم ساحل سے آگے اُن کے گھر تک جائے اور میں اُن کے ساتھ نہ ہوں "۔

"تمھاری صحت ایسی نہیں کہ تم کسی کٹھن کام میں حصّہ لے سکو "۔

ابوالحسن نے جواب دیا "جناب! جب آپ مراکش کے ساحل پر لنگر انداز ہوں گے تو آپ کو یہ شکایت نہیں ہوگی کہ میری صحت خراب ہے ——— میں کئی دنوں کے بعد جی بھر کر سویا ہوں "۔

"اگر تم اس مہم میں حصّہ لینے کے قابل ہو جاؤ گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ اب ہمیں اللہ سے یہ دُعا کرنی چاہیے کہ البجارہ کے حالات زیادہ مخدوش نہ ہو جائیں اور ہم بروقت ان کی مدد کے لیے پہنچ جائیں ——— عثمان نے تمھیں یہ بتایا ہو گا کہ ہمارے گھر میں کتنی بے چینی سے تمھارا اور تمھاری بیوی کا انتظار ہو رہا ہے ؟"

ابوالحسن نے جواب دیا ——— "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ وہ مجھے نہیں بھولے ورنہ ہم ایسے دَور سے گزر چکے ہیں جب بھائی اپنے بھائی کو بھول جاتا ہے ——— کتنے لوگ تھے جن کی صورتیں ایک ثانیہ کے لیے ذہن میں آتی ہیں اور پھر دھوئیں کی طرح غائب ہو جاتی ہیں۔ جب میں البجارہ پہنچا تھا تو مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ غرناطہ ایک خواب تھا اور پھر ڈان لوئی کا غلام بننے کے بعد میں یہ محسوس کرتا تھا کہ شاید البجارہ بھی ایک خواب تھا "———

سلمان نے جواب دیا "ہماری اس سے زیادہ بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کی صدیوں کی پُرشکوہ تاریخ کو ایک خواب بنا دیا ہے۔ میں اکثر یہ سوچا کرتا ہوں کہ گزشتہ صدیوں میں کتنے ابوعبداللہ اور ابوالقاسم پیدا ہوئے تھے جن کی بے حسی اور غداری نے بتدریج ہمارے مستقبل کے چراغ گُل کیے ہیں اور ہمیں دائمی ذلت کی گہرائیوں میں دھکیل دیا ہے "۔

زمینس اور ڈان لوئی شاہی دربار میں

چند ماہ قبل جب ——— یوسف اور عثمان الفجارہ آئے تھے تو سعاد کے لیے اپنے پیغام میں امید کی ایک کرن چھوڑ گئے تھے۔

اُس کا ملازم ——— ابو یعقوب، اُس سے کئی کئی بار ابو عامر کی گرفتاری کے واقعات بھی بیان کر چکا تھا اور ——— کئی مرتبہ اُن کی گفتگو اور سعاد کے نام اُن کا پیغام دہرا چکا تھا، لیکن اسے کسی طرح یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس لیے مزید اطمینان کے لیے اس کی خالہ نے ایک کسان کی بیوی کو ابو عامر کی بستی بھیجا اور اس نے واپس آکر بتایا کہ ابو عامر کے بال بچے بھی کہیں غائب ہو گئے ہیں۔

وہ افق کے پار دیکھتی رہتی

اس کا دل کہتا: ابوالحسن زندہ ہے اور وہ اس کے لیے زندہ رہے گی!

وہ اس کے دوستوں کی کامیابی کیلیے دعائیں مانگا کرتی تھی اور گھر والوں

نے ایک مدت بعد اس کے چہرے پر مسرت کی مسکراہٹیں اور امید کی کرنیں پھوٹتی دیکھی تھیں۔

لیکن جب دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہونے لگے تو اس کے دل میں بے چینی کا طوفان اٹھنے لگا ـــــ کبھی کبھی اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید یوسف اور عثمان کی آمد بھی ایک دل کش خواب تھا ـــــ شاید وہ اسے رسمی طور پر تسلی تشفی دے گئے تھے۔ شاید ابو عامر نے انھیں دھوکا دیا ہو اور وہ ابوالحسن کو رہا کرانے کی کوشش میں خود کسی مصیبت میں پھنس گئے ہوں لیکن جب وہ بے چارگی اور بے بسی کے عالم میں سربسجود ہو کر دعا کرتی تو اسے محسوس ہوتا کہ ابوالحسن کہیں دور سے اسے آواز دے رہا ہے "سعاد! میری سعاد!! میں زندہ ہوں! میں آزاد ہو چکا ہوں!! ـــــ میں آرہا ہوں!!!"

پھر وہ ہر صبح نئے حوصلوں کے ساتھ آنے والی شام کا اور ہر شام نئی صبح کا انتظار کیا کرتی۔

○

غرناطہ کے تازہ حالات کے متعلق جو اطلاعات مل رہی تھیں، ان کے باعث کوہستان کے قبائل اپنے مستقبل پر ظلم و وحشت کی نئی آندھی کے آثار دیکھ رہے تھے ـــــ ابتدا میں البجارہ کے لوگ یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے کہ کیتھولک حکمران فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے اہلِ غرناطہ پر بغاوت کا الزام دے کر تمام معاہدے منسوخ کر دیے ہیں اور کلیسا کو انھیں جبراً عیسائی بنانے کا اختیار دے دیا ہے لیکن اب انھیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ ان پر عزت کی موت یا ہجرت کے سوا تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں کو میدان

میں لانے کے لیے کسی آواز دینے والے کی ضرورت تھی اور البجارہ میں وہ لوگ موجود تھے جن کی آواز موثر ہو سکتی تھی۔

اس کی ابتدا کوہستان کے شمالی نشیب سے ہوئی اور غیور قبائل نے کئی چوکیوں سے نصرانی لشکر کو شکست دے کر بھگا دیا۔

فرڈی نینڈ اپنی سلطنت کی توسیع کے لیے نیپلس پر حملے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ وہ اس صورت حالات سے قطعاً خوش نہیں تھا جو غرناطہ میں زیمینس نے پیدا کر دی تھی اور اب البجارہ کے متعلق جو اطلاعات اسے موصول ہو رہی تھیں وہ انتہائی پریشان کن تھیں۔

نیپلس کی جنگ سے فارغ ہونے تک گھریلو محاذ پر اس کو کوئی بدامنی پسند نہ تھی ـــــ چنانچہ اس نے قبائل کے سرداروں کے پاس ایلچی بھیجے اور حلفاً یہ قول دیا کہ ان میں سے کسی مقامی یا مہاجر کو جبراً عیسائی نہیں بنایا جائے گا۔ یہ ایلچی عام طور پر ان غدار خاندانوں سے منتخب کیے جاتے تھے جو ایک مدت سے اپنا مستقبل نصرانیوں سے وابستہ کر چکے تھے۔ وہ البجارہ کے شیوخ کے پاس جاتے اور انھیں یہ سمجھاتے کہ اب تک غرناطہ میں جو کچھ ہوا ہے وہ ایک جنونی راہب کی جلدبازی کا نتیجہ ہے۔ اب زیمینس کے اصرار پر حکومت جو قدم اٹھا چکی ہے وہ پیچھے نہیں جا سکتا، لیکن فرڈی نینڈ کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ آیندہ اس قسم کی کارروائی کسی اور علاقے میں نہیں کی جائے گی۔ اُس نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ نئے عیسائیوں کے وہ تمام جرائم معاف کر دیے گئے ہیں جو اصطباغ پانے سے قبل ان سے سرزد ہوئے تھے ـــــ غرناطہ سے جو مسلمان جبراً اصطباغ دیے جانے کے باعث پہاڑوں کی طرف بھاگ آئے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ بدستور مسلمان ہیں، ان کے خلاف کوئی کارروائی

نہیں کی جائے گی۔

یہ غدار، مسلمانوں کو یہ بھی سمجھاتے تھے کہ نیپلس پر حملہ کرنے کے لیے فرڈی نینڈ، کلیسا کا دستِ نگر ہے، اس لیے وہ زمینس کی بداعتدالیوں کے خلاف ابھی کوئی موثر قدم نہیں اُٹھا سکتا، لیکن جنگ سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ پورے اطمینان سے گھریلو محاذ پر توجہ دے سکے گا تو اس کی کوشش یہ ہوگی کہ جو معاہدہ سقوطِ غرناطہ سے قبل ہو چکا ہے، اس پر مسلمانوں کا کھویا ہوا اعتماد بحال کیا جائے اور وہ تمام کارروائی کالعدم سمجھی جائے جو اس معاہدے کی شرائط کے خلاف ہوئی ہے ——

لیکن قبائل اور ان کے سردار فرڈی نینڈ کے وعدوں کی حقیقت خوب سمجھتے تھے۔ غرناطہ میں جو کچھ ہو رہا تھا، اس کے پیشِ نظر ایک معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی اپنے آپ کو فریب دینے کے لیے تیار نہ تھا —— چنانچہ قبائل کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے فرڈی نینڈ کو اپنا محفوظ لشکر میدان میں بھیجنا پڑا —— اس لشکر کی کمان ایک تجربہ کار جرنیل الونجو ڈی ایگیوار کے ہاتھ میں تھی۔

۱۵۰۰ء کے موسم گرما کے آغاز تک یہ حالت تھی کہ نصرانی لشکر جب کسی علاقے میں تباہی مچاتا تو مرد لڑتے ہوئے شہید ہو جاتے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاتا ——

ایک دن کلیسا کے راہب کسی علاقے میں الونجو کی کامیابی پر خوشیاں مناتے لیکن چند دن بعد کسی اور علاقے سے بغاوت کی اطلاع مل جاتی۔

○

ایک دن الحمرا کے ایک کشادہ کمرے میں بادشاہ اور ملکہ بیٹھے ہوئے

تھے۔ ایک فوجی افسر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے شاہی آداب بجالانے کے بعد ایک مراسلہ پیش کیا ——— فرڈی نینڈ نے مراسلہ کھول کر پڑھا اور ملکہ کو پیش کرنے کے بعد فوجی افسر سے مخاطب ہو کر کہا " تم جاؤ اور فادر زیمینس کو یہاں بھیج دو "

افسر دوبارہ آداب بجالانے کے بعد کمرے سے باہر نکل گیا اور تھوڑی دیر بعد زیمینس کمرے میں داخل ہوا اور کسی تمہید کے بغیر بولا " شہنشاہِ معظم! ملکۂ عالیہ!! کلیسا کے ایک خادم کی حیثیت سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ محاذِ جنگ سے جب کوئی خوشی کی خبر آئے تو مجھے سب سے پہلے آپ کو مبارک باد پیش کرنی چاہیے ——— اور یہ کتنی مبارک خبر ہے، کہ البجارہ میں جمع ہونے والے باغی لشکر کو شکست دینے کے بعد ہم بلفیق، نجار اور گوبجار بھی فتح کر چکے ہیں "

فرڈی نینڈ نے ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ ملکہ کی طرف دیکھا اور کہا " مقدس باپ! ہم نے حکمرانوں کی حیثیت سے فتح حاصل کرنے کی بجائے آپ کی خواہشات پوری کی ہیں اور چند آبادیاں بالکل اُجاڑ دی ہیں۔ بلفیق پر قبضہ کرنے کے بعد ہماری فوج نے تمام مردوں کو قتل کر دیا ہے اور عورتوں کو کنیزیں بنایا ہے۔ اندراش کی بڑی مسجد میں عورتوں اور بچوں نے پناہ لی تھی، اسے بارود سے اُڑا دیا گیا ہے اور آپ کی سب سے بڑی یہ خواہش تھی کہ ہماری فوج جس علاقہ میں فتح حاصل کرے وہاں گیارہ سال سے کم عمر کے بچوں کو ان کے مسلمان والدین سے چھین کر نیک دل عیسائیوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ ان کی روحیں دوزخ کی آگ سے بچ جائیں ——— ہم نے ہزاروں بچوں کو ان کے والدین سے چھین لیا ہے۔ اب ان کی پرورش کے لیے نیک دل عیسائیوں کو تلاش کرنا

آپ کی ذمہ داری ہے ــــــ مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ کو مسلمانوں کی رُوحوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی اسی طرح فکر رہی تو اسپین کا ہر شہر لاوارث بچوں سے بھر جائے گا۔"

زینیس نے کہا "آپ فکر نہ کریں۔ یہ بچے باقاعدہ عیسائیت کی تعلیم حاصل کریں گے۔ یہ عربی زبان اور مسلمانوں کی عادتیں بھول جائیں گے، پھر یہ کلیسا کے لیے ایک سرمایہ بن جائیں گے۔ میں اس وقت کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں جب آپ مجھے الفجارہ جا کر باقاعدہ اپنا کام شروع کرنے کی اجازت دیں گے۔"

"آپ کو میری اجازت کی ضرورت نہیں لیکن آپ عربی نہیں جانتے اور الفجارہ کے لوگ آپ کی زبان نہیں سمجھیں گے۔"

عربی جاننے والے چند پادری ہم نے بیس دن قبل روانہ کر دیے تھے۔ میرا کام وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو صرف اصطباغ دینا ہوگا۔"

فرڈی نینڈ نے جواب دیا "آپ کا کام اتنا آسان نہیں ہوگا۔ آپ نے جو عربی دان پادری وہاں بھیجے تھے، ان میں سے بیشتر فوج کی حفاظت کے باوجود قتل کر دیے گئے ہیں۔ اب ان پر فوج کا پہرا زیادہ سخت کر دیا گیا ہے ــــــ لیکن فوج کا کام لڑنا ہے پادریوں پر پہرا دینا نہیں، اور میں آپ کی یہ خوش فہمی دور کر دینا چاہتا ہوں کہ اب تک ہم کوئی بڑی کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ سپہ سالار کا تازہ ترین خط یہ ہے کہ سیرا ڈی میجا اور سیرا رندہ میں بغاوت کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے ــــــ مشرق کی طرف بھی کسی دن یہ آگ بھڑک اُٹھے گی۔ اگر آپ الفجارہ تشریف لے جائیں تو ہمیں اپنے لشکر کو کئی محاذوں سے ہٹا کر آپ کی حفاظت کے لیے جمع کرنا پڑے گا ــــــ"

زمینس نے کہا "میں موت سے نہیں ڈرتا۔"

ملکہ بولی "مقدس باپ! آپ کی جان بہت قیمتی ہے۔ ہم آپ کو کوئی خطرہ مول نہیں لینے دیں گے ——— ہمیں کوہستانی علاقوں کو ایک ایک کر کے قبضے میں لانا پڑے گا، اور پھر ہمیں یہ اطمینان ہو جائے گا کہ وہ بھی اہلِ غرناطہ کی طرح اب سر اُٹھانے کے قابل نہیں رہے تو آپ ایک ایک دن میں ہزاروں آدمیوں کو اصطباغ دے سکیں گے ——— کاش میں خود وہاں جا کر آپ کا استقبال کر سکتی!"

فرڈی نینڈ نے کہا "ملکہ! پہلے فوج کو اپنا کام ختم کر لینے دیجیے ——— اور فادر زمینس کو سمجھائیے کہ البفجارہ جانے کا خیال دل سے نکال دیں ——— ان کی جان اس لیے بھی بہت قیمتی ہے کہ ہم نے ان کی خوشنودی کے لیے نیپلس پر قبضہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر کے اپنے لیے ایک اندرونی مسئلہ پیدا کر لیا ہے ——— اب خدا معلوم یہ بغاوت کہاں تک پھیلے گی اور ہمارے لشکر کو کتنا عرصہ مصروف رہنا پڑے گا۔"

فوجی افسر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے آداب بجا لانے کے بعد کہا "عالیجاہ! کاؤنٹ ڈان لوئی آیا ہے اور اس نے درخواست کی ہے کہ میں فوری طور پر قدمبوسی کی اجازت چاہتا ہوں۔"

فرڈی نینڈ نے کہا "وہ تو نئی دنیا میں اپنے غلام اور مویشی بھیجنے کے لیے جہازوں کا انتظام کرنے گیا تھا ——— یہاں کیسے آ گیا؟ ——— بلاؤ اُسے!!"

افسر باہر نکل گیا۔

زمینس نے اُٹھ کر کہا "میں اجازت چاہتا ہوں۔"

فرڈی نینڈ نے کہا " نہیں! آپ تشریف رکھیں ———— میں ڈان لوئی سے فارغ ہو کر آپ سے مزید گفتگو کرنا چاہتا ہوں ۔"

ملکہ بولی " ہاں! مقدس باپ!! آپ تشریف رکھیں!!! ہم ڈان لوئی کو جلد ہی فارغ کر دیں گے ۔"

زمینیس بیٹھ گیا ———— چند منٹ بعد ڈان لوئی کمرے میں داخل ہوا۔ اُس نے بادشاہ اور ملکہ کو آداب بجا لانے کے بعد جھک کر زمینیس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور ملکہ کے ہاتھ کا اشارہ پا کر زمینیس کے قریب بیٹھ گیا۔

فرڈی نینڈ نے کہا " تمھارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم تھکاوٹ سے نڈھال ہو چکے ہو؟"

" عالیجاہ! میں نے راستے میں بہت کم آرام کیا ہے ۔"

فرڈی نینڈ نے کہا " تمھارا چہرہ یہ بھی بتا رہا ہے کہ تم کوئی اچھی خبر نہیں لائے ———— کیا کوئی جہاز ڈوب گیا ہے ؟"

ڈان لوئی نے جواب دیا " حضور! اگر ایک جہاز کی بات ہوتی تو آپ مجھے اس قدر پریشان نہ دیکھتے ۔"

ملکہ نے پوچھا " تمھارے گھر میں تو خیریت ہے ؟"

"جناب! اگر کوئی حادثہ میرے گھر تک محدود ہوتا تو میں یہاں مخل ہونے کی جرأت نہ کرتا ————"

" کیسا حادثہ ؟" فرڈی نینڈ نے چونک کر سوال کیا۔

" حضور! تین جہاز جو میں نے غلاموں کو نئی دنیا بھیجنے کے لیے منگوائے تھے، تباہ ہو چکے ہیں۔ میرا ایک چھوٹا سا ذاتی جہاز بھی غرق ہو چکا ہے ۔"

" یہ جہاز غلاموں سمیت غرق ہو چکے ہیں ؟"

"حضور! جہاز غلاموں کے سوار ہونے سے پہلے ہی تباہ ہو گئے تھے۔
صرف چند ملّاح ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں یا ان گھوڑوں، گایوں، بیلوں اور
بھیڑوں کو نقصان پہنچا ہے جنھیں جہازوں پر لادا جاچکا تھا ـــــــ میرے
محل کا کچھ حصّہ بھی تباہ ہو چکا ہے، لیکن میں اپنے ذاتی نقصانات کی اطلاع
دینے کے لیے یہاں حاضر نہیں ہوا۔ میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنے
آیا ہوں کہ یہ ترکوں کے ایک جنگی بیڑے کا کارنامہ ہے ـــــــ انھوں
نے قریباً چار گھنٹے میرے قلعے کے سامنے خلیج پر قبضہ کر رکھا تھا ـــــــ
وہ میرے تمام غلاموں، مورسکو ماہی گیروں اور چند بہترین کاشت کاروں
کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں ـــــــ انھوں نے ہمارے گرجے کے پادری
کو بھی کہیں غائب کر دیا ہے اور اُن آٹھ قیدیوں کو بھی چھڑا کر لے گئے ہیں
جنھیں وہ انکوی زیشن کے سپرد کرنے پر مُصر تھا۔"

فرڈی نینڈ نے کہا "تم نے کیا کہا؟ انھوں نے پادری کو کہیں
غائب کر دیا ہے ـــــــ ہم تمھارا مطلب نہیں سمجھے!"

"حضور! میرا مطلب ہے کہ وہ پادری فرانسس کو بھی پکڑ کر لے
گئے ہیں، کیونکہ ہم اسے آس پاس کہیں تلاش نہیں کر سکے اور سمندر سے
اس کی لاش بھی نہیں ملی۔ یہ بلنسیہ کے بشپ کی خوش قسمتی تھی کہ وہ کھانا کھانے
کے بعد پادری فرانسس کے ساتھ نہیں چلے گئے، ورنہ وہ بھی اس وقت
ترکوں کی قید میں ہوتے ـــــــ"

زمینس نے سوال کیا "تمھیں یقین ہے کہ ترکوں نے اسے قتل نہیں
کر دیا ہوگا؟"

ڈان لوئی نے جواب دیا "جناب! مجھے یقین ہے کہ وہ قیدی اور

غلام جنھیں ترک اپنے ساتھ لے گئے ہیں، اس بات کی ہر ممکن کوشش کریں گے کہ اسے قتل نہ کیا جائے!"

"لیکن آپ ابھی کہہ رہے تھے کہ پادری فرانسس قیدیوں کو انکوی زیشن کے سپرد کرنے پر مُصر تھا ____ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی جان بچانے کی کوشش کریں؟"

"جناب! اگر ان کا بس چلا تو وہ اسے بدترین اذیتوں کے لیے قیامت تک زندہ رکھنے کی کوشش کریں گے۔"

ملکہ نے پوچھا "کیا اصطباغ لینے والوں کو بھی اُس کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہوگی؟"

"نہیں حضور! اصطباغ لینے والے یہ جانتے تھے کہ وہ انکوی زیشن کا دفتر کھولنے کے لیے بے چین ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کسی ترک کو اس پر رحم آجائے، لیکن مورسکوز کو اس کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہوگی ____"

زمینیس نے بڑی مشکل سے اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے کہا "اگر آپ کے علاقے میں انکوی زیشن نے اب تک آٹھ دس آدمیوں کو زندہ جلا دیا ہوتا تو کسی مورسکو یا مسلمان کو سر اُٹھانے کی جُرأت نہ ہوتی۔"

ڈان لوئی نے کہا "جناب! انھوں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ فقط ترکوں کا کارنامہ ہے اور ہمیں خدا کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے اپنی طاقت کا ثبوت دینے کے لیے میرا قلعہ منتخب کیا تھا، ورنہ وہ کسی بڑی بندرگاہ پر بھی حملہ کر سکتے تھے ____ آپ ہر جگہ انکوی زیشن کے دفتر قائم کر سکتے ہیں لیکن ترکوں کے بیڑے کو ساحلی علاقوں میں تباہی مچانے سے نہیں روک سکتے ____"

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مقدس انکوی زیشن کو اپنے فرائض سے آنکھیں بند کر لینی چاہییں؟" زمینیس کا زرد چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"ڈان لوئی نے جواب دیا "جناب! میں یہ نہیں کہتا۔"

ملکہ نے پوچھا "تو پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ ترکوں کے جاسوس ملک کے اندر پھیلے ہوئے ہیں اور انھیں تمام واقعات کی خبر مل رہی ہے۔ انھیں یہ معلوم تھا کہ میرے قلعے کے قریب کتنے جہاز کھڑے ہیں۔ انھیں دو برجوں کے متعلق بھی علم تھا جو میں نے قلعے سے کچھ دور توپیں نصب کرنے کے لیے تعمیر کروائے تھے۔ حملے سے قبل یہ مورچے بارود سے اڑا دیے گئے تھے ——— انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ خشک گھاس کے انبار کس جگہ ہیں۔ چنانچہ وہاں حملے کے وقت آگ بھڑک اٹھی تھی ——— وہ یہ بھی جانتے تھے کہ پادری فرانسس اور اس کا چھوٹا سا قید خانہ کہاں ہے۔"

زمینیس نے کہا "بیرونی حملہ آوروں اور ان کے جاسوسوں کی سرگرمیاں اس وقت ختم ہوں گی جب اندلس سے تمام مسلمان ختم ہو جائیں گے ——— اور یہ کام انکوی زیشن کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔"

فرڈی نینڈ نے کہا "مقدس باپ! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ترکوں کی بری افواج کی توجہ مشرقی یورپ پر مبذول رہی ہے اور جنوب مغرب کے ممالک کو دہشت زدہ رکھنے کے لیے وہ بحیرۂ روم میں اپنے جنگی بیڑے کی اکا دکا فتوحات کو کافی سمجھتے ہیں، ورنہ اگر وہ سیدھا خشکی کے راستے اسپین کا رخ کرتے تو شاید اس وقت ہم یہاں موجود نہ ہوتے۔"

ازابیلا نے کہا "یہ خطرہ تو اس صورت میں ہو سکتا تھا جب کہ غرناطہ

میں مسلمانوں کی سلطنت قائم رہتی، لیکن ہمیں خدا کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ الفجارہ میں بھی ابو عبداللہ کی چھوٹی سی ریاست باقی نہیں رہی۔"

زیمینس نے کہا " ہماری صحیح کامیابی یہ ہوگی کہ پورے اندلس میں ایک بھی غیر عیسائی باقی نہ رہے اور جن لوگوں نے نیک نیتی سے دینِ مسیح قبول نہیں کیا وہ انکوی زیشن کی آگ کا ایندھن بن چکے ہوں۔"

فرڈی نینڈ نے ڈان لوئی سے پوچھا " اب تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے علاقے کی حفاظت کے لیے فوج اور بحری جہازوں کا انتظام کیا جائے۔"

" نہیں عالیجاہ! میرے علاقے میں وہ جس مقصد سے آئے تھے وہ پورا ہو چکا ہے اور اب وہ دوبارہ حملہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے ——— میں اس امید کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ اگر الفجارہ میں ہمارے لشکر کا سپہ سالار میرے ساتھ تعاون کرے تو شاید میں اُن جاسوسوں کو گرفتار کر سکوں جن کے متعلق یہ باور کرنے کی معقول وجوہات ہیں کہ انھوں نے میرے قلعے پر حملہ کرنے والے ترکوں کی رہنمائی کی تھی اور انھیں گرفتار کرنے کے بعد ہمیں انتہائی مفید معلومات حاصل ہو سکیں گی۔"

زیمینس نے کہا " مجھے یقین ہے کہ بادشاہ اور ملکہ اس سلسلے میں آپ کی پوری اعانت کریں گے۔ اگر آپ نے ایک جاسوس کو بھی پکڑ لیا، تو انکوی زیشن اس سے ہزاروں غداروں کے راز اگلوا سکے گا۔"

فرڈی نینڈ نے کہا " انکوی زیشن کی آگ کو الفجارہ تک لے جانے کے لیے آپ کو کافی عرصہ صبر کرنا پڑے گا، لیکن اگر دشمن کا کوئی جاسوس گرفتار ہو گیا تو ہم اسے انکوی زیشن کے اذیت خانے میں بھیجے بغیر بھی اس سے کافی

کام لے سکیں گے۔ ممکن ہے کہ اس کے تبادلے میں ہم ترکوں سے پادری فرانسس یا کسی اور قیدی کو رہا کروالیں۔ ڈان لوئی! الفجارہ سے کسی آدمی کو گرفتار کرنے میں تمھیں کوئی دِقت پیش نہیں آئے گی۔ وہاں چند قبائل ہتھیار ڈال چکے ہیں اور باقی قبائل کے سرداروں سے صلح کی شرائط کے متعلق ہماری گفتگو ہو رہی ہے۔"

"عالیجاہ!" ڈان لوئی نے کہا "میں بھاگتے ہوئے شکار کا پیچھا کر رہا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ اگر میں تاخیر سے الفجارہ پہنچا تو وہ نکل جائے گا ——— میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہاں پہنچ کر مجھے سو سپاہی مل جائیں!"

"تم بہت تھکے ہوئے ہو، جاکر کھانا کھاؤ اور سو جاؤ ——— ! اب رات ہونے والی ہے اور سفر کرنا ٹھیک نہیں ——— علی الصُبح تمھیں النجو کے نام ہمارا خط بھی مل جائے گا اور راستے کی چوکیوں کو یہ اطلاع بھی دے دی جائے گی کہ وہ تمھارے لیے تازہ دم گھوڑے تیار رکھیں اور تمھاری سہولت کے لیے ایک ذمہ دار افسر بھی تمھارے ساتھ روانہ کر دیا جائے گا، لیکن ———" فرڈی نینڈ نے اسے گھورتے ہوئے کہا ——— "موجودہ حالات میں سپہ سالار کسی پُر امن علاقے کے باشندوں سے چھیڑ چھاڑ کرنا پسند نہیں کریں گے!"

ڈان لوئی نے کہا "عالیجاہ! آپ مطمئن رہیں ——— میں جس علاقے سے دشمن کے جاسوسوں کو گرفتار کرنے جا رہا ہوں، وہاں بدامنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ——— وہاں

باغیوں کے مقابلے میں حکومت کے طرفداروں کی تعداد زیادہ ہے۔"

حارث کا فریب

دو سو مسلح سوار مصعب کی قیام گاہ کے دروازے پر رُکے اور اُن میں سے پانچ سرکردہ آدمی گھوڑوں سے اُتر کر اندر داخل ہوئے۔

خادموں نے انھیں مہمان خانے میں بٹھادیا اور بالائی منزل پر مصعب کو اطلاع دی۔

تھوڑی دیر بعد مصعب کمرے میں داخل ہوا اور باری باری گرمجوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد ان کے سامنے بیٹھ گیا —— ان پانچ آدمیوں میں سے دو عرب اور تین بربر قبائل کے سردار تھے۔ ایک عمر رسیدہ عرب سردار نے کہا "ہمیں یہ معلوم ہے کہ حارث آپ کے لیے ایک خطرناک پڑوسی ہے اور آپ کو نصرانی حکومت کے شکوک و شبہات سے بچنے کے لیے بہت احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ عام حالات میں ہم شاید اس طرف آنا پسند نہ کرتے لیکن اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ جس آگ کے شعلے سنجار، گوبجار، اندارش اور بلقیق میں دیکھے گئے ہیں، اس سے اب الفجارہ کی کوئی بستی محفوظ نہیں۔ جن رؤسا سے ہمیں آخر دم تک لڑنے کی توقع تھی، اُنھوں نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ ہم میں جو تھوڑی بہت قوتِ مدافعت رہ گئی ہے، وہ سختی سے کچل دی جائے گی۔

فرڈی ننڈ کے تازہ حکم کے مطابق ہمارے لیے جان بچانے کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے کہ ہم عیسائی ہو جائیں ۔۔۔۔ لیکن ہم ایسی زندگی سے شہیدوں کی طرح مر جانے کو ترجیح دیں گے ۔۔۔۔ البجارہ پر نصرانی لشکر کا دباؤ بہت زیادہ ہے اس دباؤ کو کم کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ بغاوت کو پورے کوہستان میں پھیلا دیا جائے ۔۔۔۔ اگر ہم ایک جگہ سے پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں تو کئی اور مقامات پر بغاوت شروع ہو چکی ہو ۔۔۔۔ ہمیں سیرا دمیجا اور رُنڈہ کے پہاڑی قبائل سے حوصلہ افزا پیغامات آئے ہیں۔ انھوں نے چند چوکیوں سے نصرانیوں کو مار کر بھگا دیا ہے اور ہمیں اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی ہے' اس لیے ہم وہاں جا رہے ہیں۔ سات ہزار آدمی ہم میں سے آگے جا چکے ہیں ۔۔۔۔ اور ہمارے یہاں آنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ سعاد کا باپ ایک مجاہد تھا اور ہمارا دوست بھی۔ اور میں آپ کو یہ مشورہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ اگر اپنے لیے نہیں تو اس لڑکی کے لیے کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے کوچ کر جائیں۔ ابھی سمندر کا راستہ کھلا ہے اور ساحل پر آپ کو کوئی جہاز بھی مل جائے گا' لیکن یہ صورت زیادہ عرصہ نہیں رہے گی ۔۔۔۔ جب فرڈی ننڈ کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ اب کوہستان کے کسی علاقے کے لوگ بھی سر اٹھانے کے قابل نہیں رہے تو اندلس ہمارے لیے ایک قید خانہ بن جائے گا۔ آپ کو یہ توقع ہرگز نہیں رکھنی چاہیے کہ حارث کی ہمسائیگی یا دوستی کے باعث آپ کے ساتھ کوئی رعایت برتی جائے گی ۔۔۔۔"

مصعب نے جواب دیا "ہمیں اس قسم کی کوئی خوش فہمی نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ سعاد کا شوہر شادی کے دن حارث کی وجہ سے گرفتار ہوا ہے۔ قرب و جوار کے جن لوگوں کو سعاد سے ہمدردی ہے' وہ یہ چاہتے تھے کہ حارث سے انتقام

لیا جائے، لیکن سعاد کو اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر حارث کو کوئی حادثہ پیش آیا یا اس کے قلعے پر حملہ ہوا تو ہم ایک دن کے لیے بھی یہاں نہیں رہ سکیں گے۔"

"میں حارث کے ساتھ سعاد کی ہمدردی کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔"

"سعاد کو اس غدّار کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں۔ وہ مجھ سے کہیں زیادہ یہ سمجھتی ہے کہ وہ ہمارا بدترین دشمن ہے۔ شاید وہ الفجارہ میں عیسائیوں کا سب سے بڑا جاسوس ہے، لیکن سعاد یہاں رہنا چاہتی ہے۔ اسے یقین ہے کہ کسی نہ کسی دن ابوالحسن اُس کی تلاش میں یہاں ضرور آئے گا اور اس کی آمد پر یہ گھر خالی نہیں ہونا چاہیے۔"

"کیا آپ نے اسے یہ نہیں سمجھایا کہ موجودہ حالات میں اس کا یہاں رہنا کتنا خطرناک ہے؟"

"میں اس سے سینکڑوں بار یہ بات کر چکا ہوں۔ آپ کی آمد سے قبل بھی میں اسے یہی سمجھا رہا تھا۔ وہ بذاتِ خود بھی موجودہ حالات اور مستقبل کے خطرات کو مجھ سے زیادہ سمجھتی ہے مگر میں اس کا یہ یقین تبدیل نہیں کر سکا کہ ابوالحسن یہاں ضرور آئے گا۔"

"اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں۔"

"اگر آپ اس سے گفتگو کریں تو آپ اس کی ذہنی حالت پر شبہ نہیں کریں گے۔ میں شاید اسے افریقہ جانے پر آمادہ کر لیتا، لیکن اس نے اپنی خالہ کے ذہن میں بھی یہ بات ڈال دی ہے کہ ہمیں ابوالحسن کا انتظار کرنا چاہیے ——— ہمارے نوکروں میں سے کوئی ایسا نہیں جسے سعاد کی باتوں کا یقین نہ ہو۔ وہ سب ابوالحسن کا انتظار کر رہے ہیں ——— اور اگرچہ موجودہ حالات انتہائی اضطراب انگیز ہیں، لیکن سعاد کی یہ حالت ہے کہ پہلے

تو وہ بہت مضطرب رہا کرتی تھی، لیکن اب اس کا اضطراب دُور ہو چکا ہے۔ وہ صبح و شام اس کے پیغام کا انتظار کرتی ہے اور اس کا راستہ دیکھتی رہتی ہے۔ یہی حال اس کی خالہ کا ہے ——— کسان عورتوں کو اُس پر اس قدر اعتقاد ہے کہ وہ اپنے بیمار بچوں کے لیے اس سے دُعائیں کرواتی ہیں اور علاقے میں یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ اس کی دعائیں اکثر قبول ہوتی ہیں ۔"

بوڑھے سردار نے کہا "اگر سعاد کو اس حد تک اپنے شوہر کے واپس آنے کا یقین ہے تو میں اس مسئلے پر بحث نہیں کروں گا ——— آپ کو بھی یہیں رہنا چاہیے۔ آج کے بعد ہماری یہی کوشش ہوگی کہ آپ کی خاطر حارث کی قیام گاہ پر کوئی حملہ نہ کیا جائے ——— اللہ اس معصوم لڑکی کی امیدیں پوری کرے ——— آپ اب ہمیں اجازت دیں! ہمارے ساتھی باہر انتظار کر رہے ہیں ۔"

عمر رسیدہ سردار اُٹھے مصعب کے ساتھ باہر نکل آئے۔ تھوڑی دیر بعد مصعب دروازے پر کھڑا سواروں کے گھوڑوں کا گرد و غبار دیکھ رہا تھا۔

○

ایک صبح سعاد اپنے کمرے کے دریچے میں کھڑی باہر جھانک رہی تھی۔ ایک خادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا "ایک دیہاتی عورت آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ میں نے اسے آپ کی خالہ سے ملاقات کے لیے کہا تھا لیکن وہ مصر تھی کہ میں صرف سعاد سے بات کروں گی ۔"

"وہ کہاں ہے؟" سعاد نے پوچھا۔

"وہ برآمدے میں کھڑی ہے۔"

سعاد جلدی سے باہر نکلی اور برآمدے میں ایک اجنبی عورت سے مخاطب ہو کر بولی "میں سعاد ہوں۔ تم کہاں سے آئی ہو؟"

عورت نے سعاد کے پیچھے خادمہ کو دیکھ کر کہا "میں علیحدگی میں کوئی بات کرنا چاہتی ہوں!"

سعاد اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے کے اندر لے گئی "کہو! کیا بات ہے؟ تم کیا پیغام لائی ہو؟ تمھیں کس نے بھیجا ہے؟"

"مجھے عمارہ نے بھیجا ہے۔"

کچھ دیر سعاد کے مُنہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ پھر اس نے کہا:

"ابو عامر کی بیوی نے؟"

"جی ہاں!"

"تم نے ابو عامر کو دیکھا تھا؟"

"جی نہیں!"

"عمارہ کے گھر میں کوئی اور تھا؟"

"جی! میں اس کے گھر نہیں گئی۔ وہ لوگ ایک مدّت سے کہیں غائب تھے۔ آج علی الصباح وہ ہمارے گھر آئی اور اس نے اصرار کیا کہ میں کسی بہانے آپ کے پاس پہنچوں اور آپ کو یہ پیغام دوں کہ اگر آپ ایک خوش خبری سُننا چاہتی ہیں تو تنہا میرے گھر پہنچ جائیں۔ اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ رات کے وقت گاؤں پہنچی تھی اور ہمارے گھر کے سوا کہیں اور نہیں گئی۔ اُس نے مُجھے یہ بھی تاکید کی تھی کہ میں گاؤں میں کسی سے اس کی آمد کا ذکر نہ کروں۔ وہ کچھ خوف زدہ سی دکھائی دیتی تھی۔ میں اس سے بہت کچھ پوچھنا

چاہتی تھی، لیکن وہ یہ کہہ کر اپنے گھر کی طرف بھاگ گئی تھی کہ اگر دوسروں نے اسے دیکھ لیا تو یہ اچھا نہیں ہوگا ـــــــ وہ میری پرانی سہیلی ہے اور اسے دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ اسی لیے میں گھر کے کاموں سے فارغ ہوتے ہی اس طرف چل پڑی۔ اگر آپ نہیں جانا چاہتیں تو میں اسے اطلاع دے دوں گی۔"

سعاد بھاگ کر برابر کے کمرے میں گئی اور واپس آ کر سونے کا ایک سکہ عورت کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولی "میں تمہاری شکر گزار ہوں۔ تمہارا کیا نام ہے؟"

"میرا نام سمیہ ہے ـــــــ اگر آپ وہاں جانا مناسب نہ سمجھیں تو میں عمارہ سے کہوں گی کہ وہ خود یہاں رات کے وقت پہنچ جائے۔"

سعاد نے جواب دیا "نہیں! اگر عمارہ یہاں نہیں آئی تو اس کی لازماً کوئی وجہ ہوگی۔ میں اس کے گھر چل رہی ہوں۔"

"کب؟"

"ممکن ہے کہ میں تم سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں!"

دیہاتی عورت سلام کرنے کے بعد کمرے سے نکل گئی۔

سعاد نے خادمہ کو آواز دے کر بلایا اور کہا "ابو یعقوب سے کہو وہ دو گھوڑے تیار کرے۔"

خادمہ چلی گئی۔ سعاد نے جلدی سے لباس تبدیل کیا اور اپنی خالہ کے کمرے میں داخل ہوئی:

"خالہ جان! میں ذرا باہر جا رہی ہوں ـــــــ مجھے ابھی اطلاع ملی ہے کہ عمارہ ابو عامر کی بیوی میرے لیے کوئی پیغام لائی ہے۔ اسے یہاں آنے میں

خطرہ ہے، اس لیے میں اس کے گھر جا رہی ہوں۔ جب خالو جان آئیں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ میں تھوڑی دیر تک آجاؤں گی۔ ورنہ ابو یعقوب آپ کو واپس آکر بتا دے گا کہ میں کب آؤں گی۔"

سعیدہ نے کہا "بیٹی! مجھے ڈر ہے کہ یہ کوئی سازش نہ ہو۔"

"خالہ جان! اس علاقے میں حارث سے زیادہ ہمارا دشمن اور کون ہو سکتا ہے۔ اب اسے ہم پر ہاتھ ڈالنے کے لیے کسی بہانے کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ آج ہم اُن ایام سے کہیں زیادہ بے بس ہیں جب وہ ابوالحسن کو پکڑ کر لے گیا تھا ——— پہلے ہماری یہ حالت تھی کہ ایک آتش فشاں پہاڑ ہم سے بہت قریب تھا اور اب میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ وہ پھٹ رہا ہے اور ہم اس کے دہانے پر کھڑے ہیں ——— خالہ جان! آپ ہجرت کے لیے تیار رہیں۔"

"بیٹی! اگر تم کہو گی تو ہم اسی وقت روانہ ہو جائیں گے۔ تمہارے خالو کو صرف تمہارے جذبات کا شدید احساس ہے۔"

"خالہ جان! جب میں واپس آؤں گی تو ہمیں روانہ ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔"

"اللہ کا شکر ہے کہ آخر یہ بات تمہارے دماغ میں آگئی ہے۔"

"خالہ جان! میرے دماغ میں یہ کوئی نئی بات نہیں آئی۔ میں نے پرسوں آپ کو اپنا خواب سنایا تھا اور اس خواب کے بعد میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ میری آزمائش کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ابوالحسن آزاد ہو چکا ہے اور آس پاس کسی جگہ موجود ہے۔ ممکن ہے کہ وہ زخمی ہو اور ابو عامر کے گھر میں میرا انتظار کر رہا ہو۔ عمارہ نے اس عورت کو اس کے سوا کوئی

بات نہیں بتائی کہ وہ مجھے کوئی خوش خبری سنانا چاہتی ہے۔ خالہ جان! مجھے اجازت دیجیے!!"

سعیدہ نے کہا "بیٹی! میں تمھیں کیسے منع کر سکتی ہوں۔"

○

تھوڑی دیر بعد سعاد اور ابو یعقوب گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعے سے باہر نکل رہے تھے۔ ابو یعقوب نے کچھ دُور جا کر کہا "ٹھہریے! میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

سعاد نے گھوڑا روک لیا اور ابو یعقوب نے قریب ہو کر کہا "آپ نے پہلے کبھی اس عورت کو دیکھا ہے؟"

"نہیں! لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"میں اُسے غور سے نہیں دیکھ سکا۔ تاہم مجھے یہ خیال آیا تھا کہ وہ ابو عامر کی بستی کی عورت نہیں ہو سکتی۔ اس کا لباس دیہاتی تھا، لیکن چال ڈھال دیہاتی عورتوں سے مختلف تھی۔ دیہات کے لوگ کسی مجبوری کے بغیر اپنی عورتوں کو تنہا نہیں بھیجتے۔"

"ابو یعقوب! اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ تنہا میرے پاس آئے۔"

ابو یعقوب نے کہا "ممکن ہے کہ یہ میرا وہم ہو، لیکن آج میں اس گاؤں کا رُخ کرتے ہوئے اپنے دل میں ایک خطرہ محسوس کر رہا ہوں ـــــ اس لیے میری درخواست ہے کہ آپ بستی سے باہر گھوڑے سے اُتر جائیں اور اسے گھر کی طرف ہانک دیں۔ اس گاؤں کے ایک کسان کا نام یحییٰ ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں اس کے گھر اپنا گھوڑا چھوڑ دوں گا اور ابو عامر کے گھر کے

آس پاس کسی جگہ چھُپ کر دیکھتا رہوں گا ـــــــ اگر آپ کو کوئی خطرہ درپیش ہوا تو کم از کم میں گھر والوں کو یا آس پاس آپ کے ساتھ ہمدردی رکھنے والے لوگوں کو اطلاع دے سکوں گا۔ ورنہ ابو عامر کی بیوی سے ملاقات کرنے کے بعد آپ میرے گھوڑے پر واپس گھر جا سکیں گی۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

"اب آپ سیدھے راستے سے جائیں اور میں قلعے کے عقب سے چکر لگا کر وہاں پہنچوں گا۔"

"یہ بھی مناسب ہے!" سعاد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے کہا۔

جب وہ راستے کی پہاڑی عبور کر رہی تھی تو تھوڑی دُور آگے عمارہ کا پیغام لانے والی عورت جا رہی تھی۔ وہ تیز رفتار گھوڑے کی ٹاپ سے بدحواس ہو کر راستے سے ایک طرف ہٹ گئی۔ پھر جب سعاد اس کے قریب سے گزُر رہی تھی تو اس نے دونوں ہاتھ بلند کر دیے، لیکن سعاد اسے دیکھے بغیر آگے نکل گئی۔

وہ چلّائی "ٹھہرو! ٹھہرو!! عمارہ گھر پر نہیں ہے ـــــ میں نے جھُوٹ کہا تھا ـــــ خدا کے لیے رُک جاؤ!" مگر اس کی آواز تیز رفتار گھوڑے کی ٹاپ میں تحلیل ہو کر رہ گئی ـــــ

حارث کی قیام گاہ کے سامنے کچھ فاصلے سے گزرتے ہوئے اُسے صدر دروازے سے باہر کھُلے میدان میں چند خیمے دکھائی دیے۔ ایک طرف گھوڑے بھی بندھے ہوتے تھے۔ یہ ایک نئی بات تھی۔ عام حالات میں شاید وہ اسے بہت اہمیت دیتی، لیکن عمارہ کا پیغام ملنے کے بعد اس کے دل کی کیفیت یہ تھی کہ وہ

ابوالحسن کے سوا کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتی تھی ــــــ اُس نے گھوڑے کی رفتار کم کرنے کی بجائے اسے ایڑ لگا کر اور تیز کر دیا۔

○

گاؤں سے باہر ایک باغ کے قریب پہنچ کر سعاد گھوڑے سے اُتر پڑی۔ اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد لگام کا سرا گھوڑے کی گردن کے گرد لپیٹ دیا اور اسے تھپکی دے کر گھر کی طرف ہانک دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ عمارہ کے مکان کے دروازے پر دستک دے رہی تھی ــــــ کسی نے اندر سے کنڈی کھول دی۔

سعاد جلدی سے صحن میں داخل ہوئی اور عمارہ کی بجائے ایک عمر رسیدہ آدمی کو دیکھ کر بولی "عمارہ کہاں ہے؟ اور تم کون ہو؟"

عمر رسیدہ آدمی نے جواب دیا "عمارہ کو ہم نے احتیاطاً کہیں چھپا دیا ہے اور میں ابوعامر کا دوست ہوں ــــــ اگر آپ کا نام سعاد ہے تو آپ اندر تشریف رکھیں۔ میں عمارہ کو ابھی بُلا لاتا ہوں۔"

"ابوعامر کہاں ہے؟"

"وہ بھی اُس کے ساتھ ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ ہم نے انھیں اس لیے چھپا لیا تھا کہ گاؤں میں سے کوئی غدار حارث کو خبردار نہ کر دے۔"

"اُن کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

"ہاں! لیکن مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون ہے؟"

سعاد کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے کہا "خدا کے لیے مجھے ان کے پاس لے چلو!"

"نہیں! میں انھیں یہیں بلاتا ہوں۔"

عمر رسیدہ آدمی دروازے کی طرف بڑھا، لیکن اس نے باہر نکلنے کی بجائے اندر سے کنڈی لگا دی۔ سعاد نے کسی غیر متوقع خطرے کے پیشِ نظر جلدی سے اپنا خنجر نکالا اور بھاگ کر اُس کے پیٹ کی طرف بڑھاتے ہوئے چلائی "تم حارث کے جاسوس ہو! خدا معلوم اندلس کے مسلمان کب تک اپنے غداروں کے جرائم کی سزا بھگتتے رہیں گے، لیکن تم اپنے آقاؤں سے انعام حاصل کرنے کے لیے زندہ نہیں رہو گے ——— بتاؤ وہ کہاں ہیں اور تم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟"

پیچھے سے کسی نے کہا "تمھیں ایک بوڑھے آدمی کے قتل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

سعاد نے مڑ کر دیکھا۔ حارث کمرے سے نکل رہا تھا اور اس کے ساتھ چار مسلح آدمی تھے۔

"تم ——— !" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

حارث نے جواب دیا "ہاں! مَیں! اور یہ بوڑھا آدمی میرا ایک ادنیٰ ملازم ہے۔"

"اور وہ عورت بھی تمھاری ایک ادنیٰ ملازمہ تھی جسے تم نے ہمارے گھر بھیجا تھا؟"

"ہاں! یہ ایک مجبوری تھی ——— مجھے بہت پہلے سے شبہ تھا کہ ابو عامر اور اس کے بال بچوں کے اچانک غائب ہو جانے کا ابوالحسن کی قید سے گہرا تعلق ہے ——— اور جب ابو عامر کچھ عرصہ کے لیے کہیں گیا تھا تو تمھارا نوکر بستی کے لوگوں سے پوچھا کرتا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کب آئے گا، پھر جب وہ واپس آ گیا تو تمھاری اور عمارہ کی ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں ———

بالآخر جب ایک مدت کے بعد ابو عامر اور اس کے بال بچے کہیں غائب ہو گئے تو بھی میرے جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق تمھارا نوکر یہاں آ کر ان کے متعلق پوچھا کرتا۔ شاید تم اسے اپنے شوہر کے متعلق کوئی خبر ملنے کی امید پر یہاں بھیجا کرتی تھیں ـــــ اور ـــــ اب تمھارے یہاں آجانے سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اس بارے میں تم بہت کچھ جانتی ہو!"

سعاد غصّے سے بیتاب ہو کر آگے بڑھی اور پھر آنکھ جھپکنے کی دیر میں حارث اس کے خنجر کی زد میں تھا، لیکن ایک مسلح آدمی نے آگے بڑھ کر سعاد کو ایک طرف دھکیل دیا اور خنجر نے حارث کے سینے میں اترنے کی بجائے اس کا بازو زخمی کر دیا ـــــ دوسرے آدمی نے اس کی کلائی پکڑ کر مروڑی اور خنجر گر پڑا۔ تیسرے نے سعاد پر وار کرنے کے لیے تلوار اُٹھائی، مگر حارث چلّایا:

"ٹھہرو! اسے کچھ نہ کہو اسے وہ سب راز معلوم ہیں جن کے لیے بلنسیہ سے ہمارے معزز مہمان تشریف لائے ہیں۔"

ایک سپاہی نے حارث کے بازو سے خون بند کرنے کے لیے بوڑھے آدمی کا پٹکا اتار کر پٹی باندھ دی اور وہ کچھ سوچ کر سعاد سے مخاطب ہُوا:

"بے وقوف لڑکی! مجھے معلوم نہیں کہ ڈان لوئی تمھارے لیے کیا سزا تجویز کرے گا ـــــ لیکن میں تمھیں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگر تم نے صاف گوئی سے کام لیا اور اس علاقے میں ابوالحسن کے تمام ساتھیوں اور مددگاروں کے نام بتا دیے تو ممکن ہے کہ تم ایک اذیت ناک موت سے بچ جاؤ ـــــ میں تمھیں اُس سوال کا جواب دے سکتا ہوں جو تم عمارہ سے پوچھنے آئی تھیں۔ ابوالحسن آزاد ہو گیا ہے ـــــ ابو عامر، جس کی وفاداری تم نے خرید لی تھی، وہ

اپنی مہم میں مکمل طور پر کامیاب ہو چکا ہے اور اب تم سے یہ معلوم کرنا میرا یا ڈان لوئی کا مسئلہ نہیں بلکہ اسپین کی حکومت اور کلیسا کا ایک اہم فرض ہے کہ اس سازش کے سرغنہ کون تھے ــــــ اور اگر تم نے سیدھی طرح بات نہ کی اور ڈان لوئی کے سوالات کا تسلی بخش جواب نہ دیا تو وہ تمھیں انکوی زیشن کے ایسے اذیت خانوں میں بھیج سکتا ہے جہاں آہنی عزائم کے انسان بھی اپنے دل میں کوئی راز نہیں چھپا سکتے ــــــ میں یہ مشورہ اس لیے دے رہا ہوں کہ مصعب میرا دوست ہے اور میں اسے مکمل تباہی سے بچانا چاہتا ہوں۔"

سعاد چند ثانیے سر جھکائے کھڑی رہی۔ پھر اس نے حارث کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر ملال کی بجائے امید کی روشنی تھی اور آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک۔ وہ کہہ رہی تھی "میرے خالو جانتے ہیں کہ تم کس قسم کے دوست ہو ــــــ ہم صرف تمھارے مزید شر سے بچنے کے لیے خاموش تھے ــــــ لیکن ہر راستے کی ایک آخری منزل ہوتی ہے ــــــ اگر ابوالحسن زندہ ہے اور وہ آزاد ہو چکا ہے تو میں تمھیں بھی ایک راز بتا سکتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ ــــــ اس کی تلوار لمحہ بہ لمحہ تمھاری شاہ رگ کے قریب پہنچ رہی ہے۔ اس وقت تم میرے وار سے تو بچ گئے ہو لیکن اس کی ضرب سے کبھی جانبر نہ ہو سکو گے۔"

حارث نے ایک کھوکھلا قہقہہ بلند کرتے ہوئے کہا "وہ سمندر پار جا چکا ہے۔ وہ ترکوں کی پناہ میں ہے اور شاید اب وہ تمھارا نام بھی بھول چکا ہوگا۔ آج کے بعد تمھیں صرف اپنے خاندان کے مستقبل کی فکر کرنی چاہیے ــــــ"

"میں اللہ کے سوا کسی سے مدد نہیں مانگوں گی۔"

حارث اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا "تم میں سے کوئی باہر جا کر

سواروں کو میری طرف سے یہ حکم دے کہ وہ اس مکان کے سامنے جمع ہوجائیں اور تمھارے گھوڑے بھی لے آئیں۔ گاؤں کے لوگوں کو اس طرف نہ آنے دیں۔ ایک گھوڑے پر اس لڑکی کو بٹھا کر قلعے میں لے چلو! میرا زخم معمولی ہے، کسی سے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ——— اگر اس لڑکی کو یہ معلوم ہوتا کہ قلعے کے اندر اسے کیا پیش آنے والا ہے تو اس کی گفتگو کا انداز یقیناً اس سے مختلف ہوتا۔"

○

ابو یعقوب نے گاؤں کی سب سے آخری گلی میں تیجنے کے دروازے پر دستک دی تو اس کی بیوی نے دروازہ کھول کر کہا "وہ باہر گئے ہیں، ابھی آجائیں گے ——— خیریت تو ہے نا؟ تم بہت پریشان دکھائی دیتے ہو؟"

ابو یعقوب نے جواب دینے کی بجائے صحن میں داخل ہو کر گھوڑے کو ایک طرف باندھ دیا اور کہا "وہ آئیں تو انھیں مسجد میں بھیج دیجیے۔ میں وہاں انتظار کروں گا۔"

"تم یہاں کیوں نہیں بیٹھ جاتے؟"

"مجھے ایک بہت ضروری کام ہے۔"

"ابو یعقوب! تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ تم بہت پریشان معلوم ہوتے ہو؟"

"میری بہن! میں واپس آکر آپ کے ہر سوال کا جواب دے سکوں گا۔ ممکن ہے کہ مجھے کسی کام میں آپ کی مدد کی ضرورت بھی پڑجائے۔"

ابو یعقوب یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ مسجد میں داخل ہوا جس کے صحن سے وہ گاؤں کی پہلی دو گلیاں اور باہر کے باغ اور اس راستے کا کچھ حصّہ دیکھ سکتا تھا جو شمال سے جنوب کی طرف جاتا تھا۔

ابو عامر کے گھر کا دروازہ بند تھا اور گلی میں اسے کوئی بات تشویش ناک نظر نہ آئی، مگر اس نے باغ کی طرف دیکھا تو اسے درختوں کی اوٹ میں چند گھوڑے دکھائی دیئے۔ وہ صحن سے نکل کر سڑک کے دُوسرے کنارے درختوں کی آڑ لیتا ہوا مسجد کی دائیں طرف بڑھا تو اس نے دیکھا کہ چند آدمی گھوڑوں کی لگامیں تھامے کھڑے تھے اور ان کے پیچھے آٹھ دس سوار باغ میں پھیلے ہوئے تھے ——— پھر اچانک اسے باغ کے سامنے سے گزرنے والے راستے پر سعاد دکھائی دی اور اس کا دل بیٹھ گیا۔

سعاد اِدھر اُدھر دیکھے بغیر کونے کے مکان کی طرف چلی گئی۔ ابویعقوب بھاگ کر واپس مسجد کے قریب پہنچا تو سعاد عمارہ کے گھر میں داخل ہو رہی تھی۔ پھر وہ بے بسی کی حالت میں، مسجد کے صحن میں کھڑا سعاد کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ فطرتاً نڈر تھا، لیکن زندگی میں پہلی بار یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی ذہنی اور جسمانی قوتیں جواب دے چکی ہیں۔ کبھی کبھی اسے انتظار کے لمحات انتہائی صبر آزما محسوس ہوتے اور اس کے جی میں آتا کہ وہ بھاگ کر مکان کے اندر داخل ہو جائے، لیکن مصلحتیں اس کی بے چینی پر غالب آجاتیں۔

بالآخر سوار باغ سے نکل کر ابو عامر کے گھر کے سامنے جمع ہونے لگے۔ سعاد، حارث اور اُس کے ساتھی مکان سے نکلے۔ ملازم ایک سفید

گھوڑا دروازے پر لے آئے اور حارث اس کی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ دوسرا گھوڑا سعاد کے سامنے پیش کیا گیا اور وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد اس پر سوار ہو گئی۔

اس عرصے میں ابو یعقوب کے دل میں بار ہا یہ خیال آیا کہ وہ بھاگ کر اپنا خنجر حارث کے سینے میں گھونپ دے، مگر اس خیال نے اس کے پاؤں جکڑ دیے تھے کہ وہ ایک دیوانے کی طرح جان تو دے سکتا ہے، لیکن سعاد کی کوئی مدد نہیں کر سکتا اور ــــــ جب یہ چھوٹا سا قافلہ روانہ ہوا تو ابو یعقوب کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے

وہ راستے سے کچھ دُور ہٹ کر کھیتوں میں سے ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا، پھر جب وہ سڑک سے قلعے کی طرف جانے والے راستے کی طرف مڑے تو رک گیا ــــــ کچھ دیر ایک درخت کے پیچھے کھڑا رہا اور جب وہ قلعے کے اندر داخل ہو گئے تو اس نے سوچا کہ وہ جلدی سے پیدل چل کر اپنے قلعے میں مصعب کو خبردار کرے، لیکن پھر اسے خیال آیا کہ کیوں نہ وہ گاؤں سے اپنا گھوڑا لے لے تاکہ جلدی سے گھر پہنچ جائے۔ چنانچہ وہ واپس گاؤں کی طرف بھاگنے لگا۔

لیکن ــــــ اچانک اسے اپنے عقب میں گھوڑوں کی ٹاپ سُنائی دی تو اُس نے مُڑ کر دیکھا ــــــ حارث کے قلعے کی سمت خیموں کی اوٹ سے پندرہ بیس سرپٹ سوار نمودار ہوئے اور گرد کے بادل اُڑاتے ہوئے اس پہاڑی کی طرف نکل گئے جس کے عقب میں مصعب کی قیام گاہ تھی۔

○

ابو یعقوب کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا رہا اور پھر اچانک ایک نئی امید اور ولولے کے ساتھ گاؤں کی طرف چل دیا ——— ہر قدم پر اُس کی رفتار تیز سے تیز تر ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ بھاگنے لگا۔

"میرے اللہ!" وہ بلند آواز سے بار بار یہ الفاظ دہرا رہا تھا "مجھے ہمت دے کہ میں ان کی مدد کر سکوں ——— سعاد اور اس کی خالہ کی عزت و ناموس کی خاطر اپنی جان قربان کر سکوں! میرے اللہ! تو رحیم ہے!! تو جبار ہے!!! میں اُن بے بس انسانوں کے لیے تیرے کرم اور تیری پناہ کا طلبگار ہوں جن کے لیے ظالموں نے عزت کی زندگی کے سارے راستے بند کر دیے ہیں۔ میرے اللہ! سعاد کو مرتے وقت بھی یہ امید ہو گی کہ ابوالحسن واپس آئے گا ——— اگر تیرا کرم ہو تو اس کی امیدیں پوری ہو سکتی ہیں۔ میرے اللہ! وہ بے بس خاتون کسی معجزے کی امید پر زندہ تھی اور مرنے سے پہلے میں وہ معجزہ دیکھنا چاہتا ہوں ——— غفور الرحیم! ان پر رحم فرما!!!"

○

سعاد ننگے سر چار مسلح پہرے داروں کے درمیان، ڈان لوئی کے سامنے کھڑی تھی۔ حارث اور نصرانی فوج کا ایک افسر اُس کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے ——— کمرے کے دروازے پر دو سپاہی نیزے تانے کھڑے تھے۔

ڈان لوئی کچھ دیر سعاد کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا "یہ عجیب اتفاق ہے کہ تمہارا شوہر بھی اسی کمرے میں میرے سامنے پیش ہوا تھا!" پھر وہ حارث سے مخاطب ہوا "حارث! تم نے اسے مصعب اور اُس

کی بیوی کے متعلق بتا دیا ہے؟"

"جی ہاں! میں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے اور یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ اب اسے آپ کے سامنے غلط بیانی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

ڈان لوئی نے سعاد کی طرف متوجہ ہو کر کہا "ابوالحسن کی جان صرف اس لیے بچ گئی تھی کہ وہ میرے سامنے سچ بولا تھا ـــــــ مجھے ایک بہادر اور خوب صورت نوجوان کی موت پسند نہ تھی! میں تمھاری ہلاکت بھی پسند نہیں کروں گا ـــــــ تم بہت خوب صورت ہو اور تمھیں ضرور زندہ رہنا چاہیے! اگر تم مجھے یہ بتا دو کہ ابو عامر کے علاوہ اس علاقے میں ابوالحسن کے مددگار اور کون کون لوگ ہیں اور وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں تو میں تمھاری جان بچانے کی ذمہ داری لیتا ہوں ـــــــ

تمھارے شوہر کی جان بچانا تو میرے بس کی بات نہیں، لیکن اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں نئی دنیا بھیج دیا جائے گا اور وہاں تمھیں کوئی ایسا آدمی مل جائے گا جس کی رفاقت میں تم ابوالحسن کو بھول جاؤ گی۔ مصعب اور اس کی بیوی کی موت کے بعد اب یہاں تمھارا کوئی اور نہیں ـــــــ

اگر تم نے مجرموں کو پکڑوانے میں ہمارے ساتھ تعاون نہ کیا تو میں تمھیں غرناطہ میں انکوی زیشن کے سپرد کر دوں گا ـــــــ تمھارے خاوند کے متعلق مجھے یقین نہیں کہ وہ فرار ہونے کے بعد دوبارہ اندلس کی زمین پر قدم رکھنے کی کوشش کرے گا، لیکن اگر بالفرض وہ البجارہ تک پہنچ ہی گیا تو انکوی زیشن کے اذیت خانوں میں تم اسے نہیں دیکھ سکو گی۔

میرا ایک ملازم کچھ عرصہ انکوی زیشن کے اذیت خانے میں کام کر چکا ہے ـــــــ میں تمھیں کچھ وقت کے لیے اس کے سپرد کر دوں گا اور پھر تم یہ اندازہ

کر سکو گی کہ غرناطہ کے انکوی زیشن کے اذیت خانے میں تمہارا کیا حشر ہوگا ــــ مجھے افسوس ہے کہ مصعب اور اس کی بیوی زندہ ہمارے ہاتھ نہیں آئے ورنہ ہم ایک ساعت کے اندر اندر ان سے کئی راز اگلوا لیتے اور اب تک سینکڑوں آدمی گرفتار ہو چکے ہوتے ــــ

ویسے بھی اب کسی مسلمان کو قید یا قتل کرنے کے لیے اس پر کوئی جرم ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ حکومت اور کلیسا کو کسی کے خلاف حرکت میں لانے کے لیے یہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے غلاموں کو آزاد کروانے کی سازش میں حصہ لینے والوں کے ساتھ کسی بے گناہ کو بھی پکڑ لیا جائے ــــ

تمہارے لیے اب زندہ رہنے اور امن سے باقی زندگی بسر کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ تم عیسائی ہو جاؤ ــــ اور حکومت اور کلیسا کے خلاف ہر سازش کا انکشاف کر دو، پھر تم غلامی کی اذیتوں سے بچ جاؤ گی اور میں یہ کوشش کروں گا کہ کوئی اچھا نوجوان تم سے شادی بھی کر لے۔"

سعاد کا سارا وجود غصے کی شدت سے لرز رہا تھا، لیکن اُس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور وہ ڈان لوئی کی بجائے چھت کی طرف دیکھ رہی تھی ــــ

"حارث! اسے سمجھاؤ!" ڈان لوئی نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

حارث کچھ سوچ کر سعاد سے مخاطب ہوا "بیٹی! مجھے مصعب اور تمہاری خالہ کی موت کا بہت افسوس ہے، لیکن یہ ان کی غلطی تھی ــــ فوج کے آدمی ان کے گھر کی تلاشی لینے گئے تھے، لیکن نوکروں نے مزاحمت کی جس سے تین آدمی ہمارے بھی مارے گئے تھے اور پانچ زخمی ہوئے ــــ ایک

سپاہی مصعب کے ہاتھوں قتل ہوا اور دو زخمی ہوئے تھے ـــــــ ایک سپاہی کو مصعب کی بیوی نے طمنچے سے ہلاک کر دیا تھا۔ اس حماقت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت تمہارا قلعہ اور اس کے قریب بستی کے کئی مکان جل رہے ہیں۔"

ڈان لوئی نے پھر کہا "اس لڑکی کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ لڑائی کے وقت یہ ان احمقوں کے ساتھ نہیں تھی، ورنہ اشتعال کی حالت میں وہ اسے صرف زخمی یا گرفتار کرنے پر اکتفا نہ کرتے۔"

سعاد نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "میں اس بات پر خدا کا شکر کرتی ہوں کہ میری خالہ اور خالو نے غلامی اور ذلت کی زندگی پر شہادت کی موت کو ترجیح دی ہے ـــــــ تمھیں اس بات پر فخر نہیں کرنا چاہیے کہ ہم مغلوب ہو چکے ہیں ـــــــ تم نے ہم پر فتح حاصل نہیں کی ـــــــ ہماری شکست ان غداروں کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے جو ہمارے ملّی حصار میں صدیوں سے شگاف ڈال رہے تھے۔ ابوعبداللہ اور ابوالقاسم جنھوں نے تمہارے لیے غرناطہ کے دروازے کھولے تھے، اُن ملت فروشوں کے طویل سلسلے کی آخری کڑیاں تھے جن کے باعث ہماری عظیم سلطنت بتدریج ختم ہوئی۔

اور تمھیں یہ بتانے کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ ہماری زندگی کی اب کوئی قیمت نہیں ـــــــ میں جانتی ہوں کہ ہمارا اندلس جس کے ایک ایک ذرّے پر ہماری عظمتِ رفتہ کی داستانیں لکھی ہوئی ہیں، اب ایسا جنگل بن چکا ہے، جہاں ہمیں عام جانوروں کی حیثیت سے بھی زندہ رہنے کا حق نہیں دیا جائے گا۔

میں تمہارے مظالم سے نہیں ڈرتی۔ مجھے اپنی موت کا کوئی غم نہیں ہوگا ـــــــ لیکن کاش! مستقبل کے ادوار میں ہمارے خون کی ندیاں، ہمارے آنسوؤں کے دریا اور ہماری جلی ہوئی بستیوں کی راکھ ہمارے ماضی کے غداروں

کے گناہوں کا کفارہ ہو سکتے۔"

ڈان لوئی نے کہا "لیکن ہم تمھیں زندہ رکھیں گے اور وہ زندگی ایسی ہوگی کہ تم ہر آن موت کی تمنا کرو گی ——— مجھے یقین ہے کہ جب تمھیں دوسری بار ہمارے سامنے پیش کیا جائے گا تو تمھارے خیالات مختلف ہوں گے۔ میں تمھیں انکوی زیشن کے جلادوں کے سپرد کرنے سے پہلے یہ پوچھنا چاہتا ہوں ——— کیا اس وقت بھی تمھاری یہ خواہش نہیں کہ تم ابوالحسن کے لیے زندہ رہو؟ ——— اگر وہ میرے سامنے پیش ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کر لے تو ممکن ہے کہ میں اسے بھی تمھارے ساتھ نئی دنیا بھیج دوں ——— میں یہ اس لیے نہیں کہہ رہا کہ اندلس میں ہمارے لیے غلاموں کا قحط پڑ گیا ہے ——— مجھے تو صرف اس خیال سے تکلیف ہوتی ہے کہ ایک خوب صورت لڑکی آگ میں جلا دی جائے گی ———"

سعاد نے جواب دیا "ڈان لوئی! مجھے یقین ہے کہ میں اور میرا شوہر، ایک دوسرے کو تمھارے غلاموں کی حیثیت سے نہیں دیکھیں گے ——— اور نہ آگ کے شعلوں میں تمھارے راہب میری چیخیں کبھی سن سکیں گے ———

سعاد نے اپنی آواز بلند کرتے ہوئے کہا ——— "تمھاری دھمکیاں یا موت کا خوف اللہ پر میرا ایمان متزلزل نہیں کر سکتا ——— تم مجھ سے یہ اطمینان نہیں چھین سکتے کہ ابوالحسن آزاد ہو چکا ہے۔"

ڈان لوئی نے غور سے سعاد کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر اُمید کی روشنی اور آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک سے مرعوب ہو کر رہ گیا۔

"اِس کو لے جاؤ!" اس نے کہا۔

جب پہرے دار سعاد کو لے کر کمرے سے نکل گئے تو اس نے حارث

سے کہا" اس لڑکی کے متعلق تمھارے آدمیوں کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔ ابھی القجارہ کے کئی علاقوں میں بغاوت فرو نہیں ہوئی اور سپہ سالار اس جگہ بھی اپنے سپاہی بھیجنے سے جھجکتا تھا۔"

حارث نے جواب دیا" جناب! اس علاقے میں کوئی سر نہیں اُٹھائے گا۔ آپ مطمئن رہیں۔"

ڈان لوئی نے برہم ہو کر کہا" بے وقوف! میں تمھیں صرف یہ بتا رہا ہوں کہ اگر یہ لڑکی کسی کی غفلت یا سازش کے باعث یہاں سے نکل گئی تو اس علاقے میں بھی آگ بھڑک اُٹھے گی ــــــ میں ان لوگوں سے بہت ڈرتا ہوں جو موت سے نہیں ڈرتے۔"

حارث نے کہا" جناب! ابھی تک اسے یہ خوش فہمی ہے کہ آپ اسے کچھ نہیں کہیں گے، لیکن وہ اتنی نازک ہے کہ معمولی اذیت بھی برداشت نہیں کر سکے گی۔"

ڈان لوئی نے کہا" اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم کسی دقت کے بغیر لڑکی کو گرفتار کر لو گے اور مجھے اتنی آسانی سے سازش کے متعلق معلومات حاصل ہو سکیں گی تو میں سپہ سالار سے مدد لے کر یہاں نہ آتا ــــــ وہ قلعہ اب حکومت کی ملکیت تھا اور جن سپاہیوں نے اسے آگ لگائی ہے، میں انھیں سخت سزا دلواؤں گا۔"

حارث نے جھجکتے ہوئے کہا" جناب! اگر انھیں لوگوں کے سامنے سزا دی جائے تو عوام پر اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا۔ میں نے چند با اثر آدمیوں کو بھیج دیا ہے کہ وہ لوگوں کا جوش ٹھنڈا کریں اور جن لوگوں کے گھر جل گئے ہیں۔ انھیں یہ سمجھائیں کہ اُن پر یہ مصیبت مصعب کی وجہ سے آئی ہے۔"

"تمھیں اس بات کا کوئی خطرہ تو نہیں کہ وہ اس قلعے پر حملہ کر دیں گے؟"

"جناب! جب بغاوت زوروں پر تھی اور پہاڑوں پر دُور دور تک آگ کے شعلے دکھائی دیتے تھے تو بھی مجھے اس علاقے میں کسی بدامنی کا شبہ نہیں تھا۔ آپ کو یہاں سپاہیوں کے لانے کی ضرورت نہ تھی ——— اس علاقے میں غرناطہ سے آنے والوں کی تعداد کافی ہے اور جن لوگوں سے کسی مزاحمت کا خدشہ ہو سکتا تھا، وہ افریقہ جا چکے ہیں۔ باقی سب زندہ رہنا چاہتے ہیں اور جب کبھی مقامی لوگوں سے سرکشی کا کوئی خدشہ ہوتا ہے تو وہ ان کا جوش ٹھنڈا کر دیتے ہیں، لیکن...!"

"لیکن کیا؟"

"جناب! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ لوگ اس لڑکی کی بہت عزت کرتے ہیں اور یہ خبر دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے کہ اس کا شوہر شادی کے دن گرفتار ہو گیا تھا ——— میرا مطلب یہ نہیں کہ لوگ اس کی وجہ سے مشتعل ہو جائیں گے، آپ کی موجودگی میں کسی کے مشتعل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مگر مجھے چونکہ اس کے بعد بھی یہاں رہنا پڑے گا، اس لیے اس پر یہاں کوئی سختی نہیں ہونی چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ اسے نرمی سے سمجھا کر اصطباغ لینے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے ——— ایک ایسی لڑکی جس کا کوئی سہارا نہ ہو، زیادہ عرصہ اپنی ضد پر قائم نہیں رہ سکتی ——— میں اپنی بیوی اور بیٹی سے کہوں گا کہ وہ اسے سمجھانے کی کوشش کریں۔"

ڈان لوئی نے کہا "جب تم یہ کہتے ہو کہ اس کا کوئی سہارا نہیں تو تم یہ بھول جاتے ہو کہ ابوالحسن آزاد ہو چکا ہے۔ میں اپنے ساتھ زیادہ فوج اس لیے نہیں لایا کہ یہ جگہ سمندر سے دُور ہے ——— ورنہ میں رات کے وقت آرام کی نیند نہ سو سکتا ——— اس لڑکی کو تہہ خانے کی بجائے کسی کمرے میں بند کرد

اور اسے یہ بتاؤ کہ ہم نے اس کے آرام کا خاص خیال رکھنے کا حکم دیا ہے ـــــ اپنی بیوی اور بیٹی سے کہو کہ وہ اسے عیسائی بن جانے کے فوائد سمجھائیں اور میں خود بھی اس سے علیحدگی میں بات کروں گا۔"

سعاد کے سپنوں کی تعبیر

ایک ساعت رات گزر چکی تھی اور مصعب کی قیام گاہ میں آگ کے شعلے ابھی تک بلند ہو رہے تھے ——— قلعے سے باہر بستی کے بعض گھروں میں بھی آگ لگی ہوئی تھی ———

ابوالحسن اپنے دل میں ہر لحظہ بڑھتے ہوئے درد کی ٹیسیں محسوس کرتا ہوا کھلے دروازے سے صحن میں داخل ہوا — اسے دس پندرہ انسانوں کی لاشیں دکھائی دیں جنھیں قتل کرنے والے بری طرح مسخ کر گئے تھے ——— قلعے کے بعض کمروں سے بھی جلتی ہوئی لاشوں کی بو آ رہی تھی۔

ابوالحسن چند ثانیے ساکت و جامد کھڑا رہا۔ بالآخر وہ چلایا "سعاد! سعاد!! سعاد!!!" اور پھر وہ ہمت جس کی بدولت اس نے برسوں اسیری اور غلامی کی صعوبتیں برداشت کی تھیں، یکایک جواب دے گئی اور اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا "میرے اللہ! میں اپنی موت سے پہلے سعاد کے متعلق جاننا چاہتا ہوں۔ اگر وہ سب شہید ہو چکے ہیں تو مجھے یہ غم بھی برداشت کرنے کی ہمت دے ——— اگر سعاد زندہ ہے اور نصرانیوں کی قید میں ہے تو مجھے طاقت دے کہ میں اس کے قید خانے کا دروازہ توڑ سکوں ——— اور اس پر ظلم کرنے

والوں سے انتقام لے سکوں۔"

اور پھر وہ اپنے دل کو تسلیاں دے رہا تھا —— نہیں! نہیں!! سعاد —— یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ آگ کے یہ شعلے مجھے اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں کر سکتے —— مجھے قید سے نکالنے والا تمھیں بھی موت کے منہ سے بچا سکتا ہے —— سعاد! میں ابوالحسن ہوں —— میں آ گیا ہوں۔.."

اس ماحول میں ابوالحسن کو اپنی آواز بھی اجنبی محسوس ہو رہی تھی۔

○

باہر ایک گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور پھر ایک سوار صحن میں داخل ہوا۔ اس نے آگ کی روشنی میں ابوالحسن کو دیکھ کر گھوڑا روکا —— ابوالحسن کی مدافعانہ قوت بیدار ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی تلوار کھینچ لی۔

سوار گھوڑے سے کود کر چلایا "ابوالحسن! میں ابو یعقوب ہوں"۔ اور بھاگ کر بے اختیار اس سے لپٹ گیا۔

وہ ایک بچے کی طرح رو رہا تھا "ابوالحسن! ابوالحسن!! سعاد کو یہ یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گے —— وہ ابو عامر کے گھر اسی یقین کے ساتھ گئی تھی ...."

ابوالحسن چلایا "خدا کے لیے مجھے پہلے یہ بتاؤ کہ وہ زندہ ہے یا نہیں؟"

"وہ زندہ ہے" ——

"وہ کہاں ہے؟"

"وہ حارث کے قلعے میں ہے۔ وہ اسے ابو عامر کے گھر سے گرفتار کر کے قلعے میں لے گئے تھے —— میں نے اپنی آنکھوں سے اُسے اندر جاتے دیکھا

تھا ــــــ"

"وہ ابو عامر کے گھر گئی تھی؟"

"ہاں! حارث کی کوئی جاسوسہ یہ پیغام لائی تھی کہ ابو عامر کی بیوی اپنے گھر پہنچ چکی ہے اور وہ کوئی خوش خبری دینا چاہتی ہے سعاد! ــــــ ان کے گاؤں میں اس یقین کے ساتھ گئی تھی کہ آپ وہاں موجود ہوں گے۔"

ابوالحسن نے پوچھا "سعاد کی خالہ اور خالو بھی قید میں ہیں؟"

"وہ قتل ہو چکے ہیں۔ جو نوکر جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے، انھوں نے بتایا ہے کہ ظالموں نے انھیں قتل کر کے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پھینک دیا تھا ــــــ میں اگر کوشش کرتا تو بھی وقت پر یہاں نہیں پہنچ سکتا تھا ــــــ اور اپنی جان دے کر بھی ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا ــــــ میں نے بہتر یہی سمجھا کہ علاقے کے لوگوں کو سعاد کی گرفتاری کی اطلاع دے دوں ــــــ

میری کوشش کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ چند سرکردہ آدمی، جن میں سے تین مقامی سرداروں کے بیٹے ہیں، لوگوں کو جمع کرنے میں مصروف ہیں ــــــ حارث کے چند جاسوس بھی لوگوں کو امن کی تلقین کرنے کے لیے نکلے تھے لیکن لوگوں نے انھیں مار بھگایا ہے ــــــ دو غدار قتل بھی ہو چکے ہیں ــــــ رضا کار اس قلعے کے قریب پہاڑی کے قریب جمع ہو رہے ہیں ــــــ لیکن ابھی یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ حملہ کب اور کس طرح کیا جائے ــــــ انھیں کسی رہنمائی کی ضرورت ہے ــــــ اس گاؤں کے لوگ خوف سے آس پاس چھپے ہوئے ہیں ــــــ میں اُنھیں بلانے کے بہانے اس طرف آیا تھا اور میرا دل گواہی دیتا تھا کہ آپ آ چکے ہوں گے۔ سعاد کے خواب کبھی غلط نہیں

ہو سکتے ——— میں پہلے بھی ایک مرتبہ اس جگہ جھانک کر گیا تھا۔"

"ابوالحسن!" قلعے کے دروازے کی طرف سے کسی نے آواز دی۔

"عثمان! میں یہاں ہوں۔" ابوالحسن نے جواب دیا۔

عثمان نے نمودار ہوتے ہی کہا ——— "آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اتنی دیر لگا دی ہمارے ساتھی بہت پریشان ہو رہے ہیں ——— ان کا کوئی پتہ چلا؟"

"ہاں! سعاد دوسرے قلعے میں قید ہے ——— انشاء اللہ صبح سے پہلے ہم اپنی مہم سے فارغ ہو جائیں گے ——— لیکن ہم دیر سے پہنچے ہیں، مصعب اور اس کی بیوی اس آگ میں بھسم ہو چکے ہیں ——— تم صحن میں بکھری ہوئی لاشوں سے ان کی وحشت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ ———"

ابو یعقوب نے کہا "قلعے پر حملہ کرنے سے پہلے ہمیں ان سپاہیوں سے نبٹنا پڑے گا جو باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔"

ابوالحسن نے کہا "لیکن ہماری اطلاع یہ تھی کہ ابھی فوج اس علاقے میں نہیں آئی۔"

"میں نے بھی آج ہی قلعے سے باہر اُن کے خیمے دیکھے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ گزشتہ رات ہی کسی وقت یہاں پہنچے ہیں۔"

"ان کی تعداد کیا ہوگی؟"

"یہی کوئی سو کے لگ بھگ ہوں گے اور جو گھوڑے باہر بندھے ہوئے تھے ان کی تعداد تقریباً بیس پچیس ہوگی۔"

"اور قلعے کے اندر؟"

ابو یعقوب نے جواب دیا "قلعے کے اندر حارث کے پچاس ساٹھ ملازم ہیں جس میں نصف سوار ہیں باقی گھریلو ملازم، جن میں سے بعض مسلح ہوتے ہیں

آپ کو کوئی ایسی تدبیر کرنی پڑے گی کہ پڑاؤ اور قلعے پر بیک وقت قبضہ کر لیا جائے ورنہ چند گھنٹوں کے اندر اندر انھیں سینکڑوں سپاہیوں کی کمک مل جائے گی۔"

ابوالحسن نے کہا "تم ہمیں علاقے کے رضا کاروں کے پاس لے چلو، پھر یہ سوچنا ہمارا کام ہوگا کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ انشاءاللہ! یہ حارث کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔ ہمارے ساتھ چالیس آدمی ایسے ہیں جن کے سینے میں برسوں سے انتقام کی آگ سلگ رہی ہے

——— ان میں وہ غلام بھی ہیں جنھیں ڈان لوئی نئی دُنیا بھیج رہا تھا اور وہ مورسکو بھی ہیں جن کے اسلاف کی کئی نسلوں نے کلیسا کے مظالم برداشت کیے ہیں اور یہ لوگ دشمن سے لڑتے ہوئے یہ محسوس نہیں کریں گے کہ وہ خودکشی کر رہے ہیں بلکہ انھیں یہ اطمینان ہوگا کہ وہ تنہا نہیں ہیں

پھر جب وہ لڑائی سے فارغ ہو کر ساحل کا رُخ کریں گے تو وہاں ہمارے جہاز موجود ہوں گے اور یہی پیغام میں مقامی رضا کاروں کو دینا چاہتا ہوں کہ جب تک یہاں سے ان کا آخری آدمی نکال نہیں لیا جاتا' ہمارے جنگی جہاز ساحل پر موجود رہیں گے ——— اور ساحل تک پہنچنے کے لیے بھی ہمیں راستے میں کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ ہمارے بقیہ ساتھی ہماری واپسی کے راستے کی حفاظت کے لیے جگہ جگہ موجود ہوں گے۔"

ابویعقوب نے پُرامید ہو کر کہا "اگر یہ بات ہے تو علاقے کا ہر رضا کار آپ کے اشارے پر جان دینے کے لیے تیار ہوگا ——— چلیے!"

○

حارث ڈان لوئی کے کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کی آنکھیں نیند سے

بوجھل تھیں ـــــ ڈان لوئی کے سامنے ایک تپائی پر شراب کی صراحی کے ساتھ ایک خالی جام پڑا ہوا تھا اور ایک بھرا ہوا جام اس نے ہونٹوں سے لگا رکھا تھا۔

"جناب! آپ نے مجھے یاد فرمایا ہے؟"

ڈان لوئی نے خالی جام بھر کر دوسرے ہاتھ سے اُٹھایا اور حارث کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "لو! اسے میرے سامنے بیٹھ کر اطمینان سے پیو!"

حارث نے کہا "جناب! میں اس گستاخی کی جرأت نہیں کر سکتا ـــــ"

"کیسی گستاخی؟ ایک وفادار دوست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ میرے ساتھ بیٹھ کر پیئے۔"

"اس عزت افزائی کا شکریہ، لیکن میں ایک دو گھونٹ سے زیادہ نہیں پیا کرتا۔ آج شام میں نے اپنی ضرورت سے زیادہ پی تھی"

"اس ایک پیالے سے تمھیں کچھ نہیں ہوگا۔ بیٹھ جاؤ!"

حارث نے مؤدبانہ بیٹھ کر پیالہ مُنہ سے لگالیا۔

ڈان لوئی کچھ دیر بغور اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا "حارث! تمھیں معلوم ہے کہ میں تمھیں بدترین سزا دینے کی نیت سے یہاں آیا تھا، لیکن تم ہوشیار بھی ہو اور خوش قسمت بھی۔ اگر وہ لڑکی ابوعامر کے گھر جاکر خود ہی ہر جُرم کا ثبوت مہیا نہ کر دیتی اور تمھارے متعلق ہمارے شبہات دور نہ ہو جاتے تو اس وقت تم قلعے کے دروازے سے باہر کسی درخت کے ساتھ لٹک رہے ہوتے ـــــ"

حارث نے لرزتے ہوئے ہاتھ سے پیالہ تپائی پر رکھتے ہوئے کہا "جناب! خدا مجھے بچانا چاہتا تھا اس لیے میرے ذہن میں ایک تدبیر آگئی

ورنہ میں آپ کی غلط فہمی کبھی دُور نہ کر سکتا۔"

"باہر سے کوئی اطلاع آئی ہے ؟"

"جناب! باہر بالکل امن ہے، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں سو جاتا۔ اس علاقے کے لوگوں کی امن پسندی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ مصعب اور اس کی بیوی کو قتل کر دیا جاتا ہے، ان کا گھر جلا دیا جاتا ہے اور کسی کی آواز تک سنائی نہیں دیتی ـــــ جناب! میں نے تو ان ایام میں بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا تھا جب دوسرے علاقوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔"

ڈان لوئی نے کہا "میں بھی سونے لگا تھا لیکن پچھلے دنوں کچھ ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ میری خود اعتمادی کو بہت ٹھیس لگی ہے ـــــ مجھے یقین ہے کہ ابوالحسن کی وجہ سے میرے قلعے پر حملہ ہوا تھا ـــــ اب میں یہ سوچتا ہوں کہ یہاں اس کی بیوی میری قید میں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم سمندر سے دور ہیں اور ترکوں کے جہاز ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، لیکن اس کے باوجود میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے یہاں آرام کی نیند نصیب نہیں ہو گی

ـــــ حسپہ سالار بھی یہ تسلیم کرتا تھا کہ اس علاقے میں بدامنی کا کوئی خطرہ نہیں اور شاید اسی لیے وہ اس بات سے خوش نہیں تھا کہ میں راستے کی چوکی سے سپاہی لے کر یہاں آؤں ـــــ اسے اندیشہ تھا کہ لوگ اس بات سے مشتعل ہو جائیں گے اور اب تو ایسے واقعات ہو بھی چکے ہیں جن پر انھیں اشتعال آ سکتا ہے۔ اس لیے میرا ارادہ ہے کہ میں کل ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں ـــــ۔"

حارث نے کہا "جناب! اگر لوگوں کو ابوالقاسم یا اس سے تعلق

رکھنے والوں کے ساتھ کوئی دلچسپی ہوتی تو اب تک مجھ پر بھی کئی حملے ہو چکے ہوتے ۔۔۔۔ لیکن آپ کا فیصلہ بہر حال بہتر ہو گا ۔"

"میں اس لڑکی کو اس بات پر رضا مند کرنا چاہتا ہوں کہ وہ پُرامن طور پر ہمارے ساتھ روانہ ہو جائے ۔۔۔۔ کیا تمھاری بیوی اور بیٹی نے اسے سمجھایا ہے کہ اگر وہ کلیسا کی گرفت میں آ گئی تو میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکوں گا ؟"

"جناب ! وہ اس کے ساتھ بہت سر کھپا چکی ہیں، لیکن اسے راہِ راست پر لانے کے لیے وقت کی ضرورت ہے ۔"

"اسے یہاں بھیج دو ۔ شاید میں اسے سمجھا سکوں ۔"

"اس وقت ؟"

"ہاں ! ابھی ۔"

"لیکن وہ سختی کے بغیر یہاں نہیں آئے گی ۔۔۔۔"

"اگر تمھارے آدمی اتنے بزدل ہیں تو باہر سے فوج کے سپاہیوں کو بلا لو ۔۔۔۔"

"نہیں جناب ! میں خود اسے پکڑ کر لے آتا ہوں ۔" حارث یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا ۔

○

تھوڑی دیر بعد سعاد ڈان لوئی کے کمرے میں داخل ہوئی تو اُس کے دائیں بائیں دو مسلح نوکر تھے اور حارث پیچھے پیچھے آ رہا تھا ۔۔۔۔ اُس نے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا " حارث ! تم جانتے ہو کہ میرے ہاتھ خالی ہیں اور تم اتنے بزدل ہو کہ تلواروں سمیت بھی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے ہو ۔۔۔"

"حارث! تم ان مسلح نوکروں کو لے جاؤ!" ڈان لوئی اس کی طرف متوجہ ہوا "اور اس طرف کسی کو نہ آنے دو!" ــ اور وہ سب کواڑ بند کر کے چلے گئے۔

ڈان لوئی کی توقع کے خلاف سعاد کے چہرے پر اب بھی کوئی خوف نہ تھا ــــــ وہ اطمینان سے کھڑی اس کی طرف مسلسل دیکھے جا رہی تھی اور ــــــ اس کی آنکھوں سے اضطراب کی بجائے نفرت اور حقارت برس رہی تھی۔

ڈان لوئی نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "بیٹھ جاؤ!"

سعاد خاموش رہی۔

ڈان لوئی نے قدرے توقف کے بعد کہا "تمھیں معلوم ہے کہ میں تمھیں ان سپاہیوں کے سپرد کر سکتا ہوں جو قلعے سے باہر شراب سے بدمست ہو کر چیخیں مار رہے ہیں۔ نیچے میرے ذاتی محافظ شاید سو رہے ہیں، لیکن میں انھیں ہر وقت جگا سکتا ہوں ــــــ میں تمھیں انکوی زیشن کے سپرد بھی کر سکتا ہوں۔"

سعاد نے جواب دیا "مجھے معلوم ہے اور میں تم سے کسی بھلائی کی توقع نہیں رکھتی۔۔۔"

سعاد، ڈان لوئی کے لیے کوئی سخت لفظ استعمال کرنا چاہتی تھی، لیکن اس آخری امید پر اپنا غصہ پی گئی کہ ممکن ہے الوالحسن اس کی مدد کے لیے آجائے! اور شاید ــــــ اسے یہاں پہنچنے کے لیے چند لمحات یا گھڑیوں کی ہی ضرورت ہو ــــــ

"بیٹھ جاؤ!" ڈان لوئی نے ذرا نرم ہو کر کہا "میں ایک خوبصورت پھول کو مسلنا پسند نہیں کرتا ــــــ میں تم سے اطمینان سے باتیں کرنا

چاہتا ہوں۔"

سعاد جھجکتی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

ڈان لوئی نے شراب کا ایک جام بھر کر پینے کے بعد کہا "خدا کا شکر ہے کہ اب تمھیں کچھ عقل آ گئی ہے ـــــ میں تم پر آخری بار یہ حقیقت واضح کرنا چاہتا تھا کہ تم بے بس ہو ـــــ تم اس قدر بے بس ہو کہ زندگی کے چند سانس لینے کے لیے بھی تم میری مدد کی محتاج ہو۔ تمھیں یہ سوچنا بھی نہیں چاہیے کہ تم میری قید سے بچ کر نکل سکتی ہو۔"

"مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا یہاں میرا کوئی سہارا نہیں!" ـــــ سعاد ایک زخمی عقاب کی طرح اپنے گردوپیش کا جائزہ لے رہی تھی۔

ڈان لوئی کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اُس نے جلدی سے اُٹھ کر دروازے کو اندر سے کنڈی لگا دی اور کرسی پر بیٹھ کر تپائی پر اپنی ٹانگیں رکھتے ہوئے کہنے لگا: "اب یہاں کوئی مخل نہیں ہوگا، تم زیادہ اطمینان سے باتیں کر سکتی ہو ـــــ میں نے تمھیں یہ اطمینان دلانے کے لیے بلایا تھا کہ میں تمھاری جان بچا سکتا ہوں ـــــ لیکن یہ تمھارے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ـــــ اگر تم پُرامن رہنے کا وعدہ کرو تو ہم صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ . . .

میں قادس یا اشبیلیہ سے روانہ ہونے والے پہلے جہاز پر تمھیں نئی دُنیا روانہ کر دوں گا ـــــ اور تمھیں زیادہ عرصہ میرا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ حارث نے تمھیں بتا دیا ہوگا کہ میں کون ہوں اور نئی دُنیا میں تمھیں خوش رکھنے کے لیے کیا کچھ کر سکتا ہوں ـــــ میں نے تمھیں اس لیے نہیں بلایا کہ مجھے رات گزارنے کے لیے ایک خوبصورت ساتھی کی ضرورت ہے ـــــ بلکہ

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے ساری زندگی تمہاری ضرورت رہے گی۔"
سعاد کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس کا خون کھول رہا تھا اور اس کی نگاہیں کشادہ بستر کے ساتھ دیوار پر مرکوز تھیں جہاں دو طپنچے اور ایک تلوار لٹک رہی تھی ـــــــ

ڈان لوئی نے اس کے خوب صورت بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "سعاد! "

ـــــــ سعاد تڑپ کر اٹھی اور بھاگ کر کمرے کے ایک کونے میں پہنچ گئی
ڈان لوئی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا" مجھے کوئی جلدی نہیں۔ رات کافی طویل ہے اور میں انتظار کر سکتا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میں اتنے لمبے سفر کے بعد یہاں پہنچتے ہی بستر پر گر پڑوں گا، لیکن تمہیں دیکھنے کے بعد مجھے اپنی نیند اور تھکاوٹ کا احساس نہیں رہا ـــــــ تم اپنے معمولی لباس میں بھی ایک شہزادی معلوم ہوتی ہو۔ یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ تم ان کے ساتھ رہو ـــــــ"

"تمہارا مطلب ہے کہ میں تمہاری کنیز ہوں؟"
"ہاں! لیکن ایک ایسی کنیز جس پر میں دنیا کے خزانے نچھاور کر دوں گا۔ سعاد! اس وقت تم نہیں سمجھ سکتیں، لیکن کسی دن جب تمہیں انکوی زیشن کے اذیت خانوں کے حالات معلوم ہوں گے تو تم اپنی زندگی کے ہر سانس کے ساتھ میرا شکریہ ادا کیا کرو گی" ـــــــ
سعاد نے کہا" وہ دن کبھی نہیں آئے گا ـــــــ مجھے یقین ہے کہ تم صبح کی روشنی بھی نہیں دیکھ سکو گے ـــــــ قدرت کی ان دیکھی طاقتیں میری مدد کے لیے آرہی ہیں ـــــــ سنو! غور سے سنو! اگر تمہارے کان بند

نہیں ہو چکے تو تم قلعے سے باہر اپنے سپاہیوں کی چیخ پکار سُن سکتے ہو!"

ڈان لوئی نے بھاگ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "اب ایسی باتیں تمھیں فائدہ نہیں دیں گی ــــ مجھے پڑاؤ میں پہرے داروں کا شور یا کسی شرابی کی چیخیں پریشان نہیں کر سکتیں ــــ"

سعاد نے کہا "اگر تم اپنی موت سے پہلے مر نہیں چکے تو تم قلعے کے اندر بھی پہرے داروں کی چیخیں سُن سکتے ہو!"

ڈان لوئی کو اپنے ہوش و حواس پر شک ہونے لگا اور سعاد کے بازو پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ــــ اسے باہر بھاگتے ہوئے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ کسی نے زور سے دھکا دیا اور حارث کی آواز سُنائی دی "جناب! دروازہ کھولیے۔ لوگوں نے حملہ کر دیا ہے۔"

ڈان لوئی نے سعاد کو دھکا دے کر بستر پر پھینک دیا۔ نیام سے تلوار نکالی ــــ دروازے کی طرف بڑھا اور کنڈی کھول کر برآمدے میں نکل آیا ــــ سعاد نے جلدی سے اُٹھ کر دیوار سے لٹکا ہوا ایک طپنچہ چمڑے کی پیٹی سے نکالا اور دیوار سے پیٹھ لگا کر کھڑی ہو گئی۔ بھاری طپنچے والا ہاتھ اُس نے پیچھے کر رکھا تھا۔

برآمدے میں حارث، ڈان لوئی سے کہہ رہا تھا "جناب! میں بھی یہی سمجھا تھا کہ باہر سپاہی بلاوجہ شور مچا رہے ہیں، لیکن اب قلعے پر بھی حملہ ہو چکا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ چند آدمی اندر داخل ہو چکے ہیں۔"

"باہر نکلنے کا دروازہ محفوظ ہے؟" ڈان لوئی کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"جناب! ابھی تک محفوظ ہے، لیکن جن لوگوں نے باہر پڑاؤ پر حملہ کر دیا ہے، انھیں دروازے پر قبضہ کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ قبائلی ہمیں قتل نہیں

کریں گے۔ ہمیں صرف آپ کی فکر ہے ـــــ آپ کو کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے نکل جانا چاہیے ـــــ میں آپ کے لیے عقب سے چھوٹا دروازہ کھلوا دوں گا۔"

"وہ لڑکی میرے ساتھ جائے گی! میرے محافظوں سے کہو کہ وہ گھوڑے خفیہ دروازے کے سامنے لے آئیں۔"

"جناب! وہ اصطبل کی طرف نچلے حصے پر قبضہ کر چکے ہیں اور آپ کے محافظ بھی اصطبل کے ساتھ ہی ایک کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ ان حالات میں آپ سعاد کو زبردستی اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے ـــــ مجھے ڈر ہے کہ آپ کو اپنی جان بچانے کے لیے عقبی دروازے سے پیدل بھاگنا پڑے گا ـــــ!"

"اگر یہ بات ہے تو اس لڑکی کی مدد کے لیے آنے والے صرف اس کی لاش دیکھیں گے ـــــ اس کی جان بچانے کے لیے میں یہ بھولنے کے لیے تیار تھا کہ وہ ابوالحسن کی بیوی ہے، لیکن میں یہ گوارا نہیں کروں گا کہ ابوالحسن یہاں آئے اور اسے زندہ دیکھے ـــــ اگر وہ یہاں آئے تو اس کو یہ پیغام دے دینا کہ ڈان لوئی نے اپنے ہاتھوں سے تمہاری بیوی کا گلا گھونٹا تھا۔"

ڈان لوئی واپس مڑا، لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ ایک ناقابلِ یقین صورتِ حال کا سامنا کر رہا تھا ـــــ سعاد دونوں ہاتھوں سے بھاری طپنچہ اس کی طرف سیدھا کیے کھڑی تھی ـــــ ڈان لوئی ٹھٹکا اور چلایا ـــــ "ٹھہرو! میں قسم کھاتا ہوں ـــــ میں مریم مقدس کی قسم کھاتا ہوں ـــــ"

طپنچے سے شعلہ نکلا، دھماکا ہوا اور ڈان لوئی گر پڑا ـــــ سعاد نے

بھاگ کر دوسرا طپنچہ نکال لیا اور بلند آواز سے چلائی "حارث! ڈان لوئی مر چکا ہے اور اب میں تمھارا انتظار کر رہی ہوں۔"

حارث اور اس کے تین ساتھیوں کو اپنی جگہ سے ہلنے کی ہمت نہ ہوئی۔

سیڑھیوں سے ابو الحسن کی آواز سنائی دی ——— "سعاد! سعاد!! میں ابو الحسن ہوں ——— میں آ گیا ہوں ——— !"

آن کی آن میں پانچ آدمی جن میں سے دو کے ہاتھ میں مشعلیں تھیں، بر آمدے میں پہنچ گئے ——— حارث اور اس کے ساتھیوں نے مزاحمت کرنے کی بجائے اپنی تلواریں پھینک دیں۔

"سعاد! سعاد!!" ابو الحسن نے زور سے آواز دی۔

حارث سہمی ہوئی آواز میں بولا "ابو الحسن! سعاد اس کمرے میں ہے۔ وہ زندہ و سلامت ہے۔"

"ان میں سے کسی کو بھاگنے نہ دو!" ابو الحسن یہ کہہ کر کمرے میں داخل ہوا ——— سعاد سر بسجود سسکیاں لے رہی تھی۔

ابو الحسن نے جھک کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"سعاد! تم ٹھیک ہو؟ میں ابو الحسن ہوں سعاد!! تم زخمی ہو؟"

سعاد نے سر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر آنسوؤں میں بھیگی ہوئی مسکراہٹیں رقص کر رہی تھیں:

"ابو الحسن! یہ ڈان لوئی ہے۔" اس نے فرش پر پڑی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ابو الحسن نے کہا "میں طپنچے کی آواز سن کر ڈر گیا تھا۔"

"وہ طپنچہ میں نے چلایا تھا۔"

"لیکن تمھارا ایک بہت بڑا دشمن ابھی زندہ ہے۔ میں اسے اپنے ہاتھ سے قتل کر دوں گا۔" ابوالحسن باہر نکلا اور اس نے حارث کو دیکھ کر تلوار بلند کرتے ہوئے کہا "حارث! تم اس دنیا میں آخری گناہ کر چکے ہو ——— اب موت کے لیے تیار ہو جاؤ! ——— بزدل انسان! اپنی تلوار اٹھاؤ! ———"

حارث اس کے پاؤں پر گر پڑا "ابوالحسن! مجھے معاف کر دو!"

ابوالحسن نے پیچھے ہٹ کر تلوار بلند کرتے ہوئے کہا "تم میری توقع سے زیادہ کمینے اور بزدل ہو ———"

سعاد نے بھاگ کر پیچھے سے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "اسے چھوڑ دیجیے ——— اسے اپنی بیٹی اور بیوی کے لیے زندہ رہنے دیجیے ——— یہ ایک غالب قوم کا غلام تھا۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بھی شاید یہی کرتا جن لوگوں کی آزادی کی حفاظت ہمارے اسلاف نہ کر سکے، ہم انھیں انسانیت کا درس نہیں دے سکتے ——— اسے چھوڑ دیجیے ابوالحسن! جو لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے اور اپنی آیندہ نسلوں کے لیے چتا تیار کر چکے ہیں، ہمیں اُن کے خون سے اپنے دامن آلودہ نہیں کرنے چاہئیں ———"

ابوالحسن اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا "عثمان! عبیداللہ! تم کیا مشورہ دیتے ہو؟"

عبیداللہ نے جواب دیا ——— ہماری بہن درست کہتی ہیں۔ جب ایک انسان کا سارا وجود زہر آلود ہو چکا ہو تو جسم کا ایک عضو کاٹ دینے سے کوئی اثر نہیں ہوتا ——— اگر چند سو یا چند ہزار غداروں کو قتل کر دینے سے وہ اجتماعی عذاب ٹل سکتا، جس کے آثار ہمیں مدتوں سے دکھائی دے

رہے تھے تو میں آپ سے یہ کہتا کہ اس گھر کا کوئی بچہ اور بوڑھا زندہ نہیں رہنا چاہیے، لیکن ـــــ اب اس بدنصیب قوم پر توبہ کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ اب ان لوگوں کی سزا کے لیے قدرت نے زمینیس جیسے سفاک منتخب کیے ہیں ـــــ اور وہ ان کے لیے جو سزائیں تجویز کریں گے وہ ہمارے تصور میں بھی نہیں آ سکتیں۔"

عثمان نے کہا "یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ اب ہمیں کسی تاخیر کے بغیر ساحل پر پہنچنا چاہیے ـــــ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں اپنے ساتھ سینکڑوں آدمیوں کو یہاں سے نکالنا پڑے گا۔"

ڈان کارلو سیڑھیوں سے نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے پانچ چھ مقامی مسلمان اور تین مورسکو تھے۔

ایک نوجوان نے کہا "بڑاؤ میں ہمیں مکمل فتح حاصل ہوئی ہے۔ دس پندرہ نصرانی زندہ بچ گئے ہیں۔ کچھ لوگ حملے کے وقت بھاگ کر اِدھر اُدھر چھپ گئے تھے۔ ہمارے ساتھی انھیں تلاش کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ کوئی زندہ بچ کر نہیں نکل سکے گا ـــــ لوگ تمام قیدیوں کو قتل کرنے پر مصر ہیں، لیکن آپ کے ساتھیوں نے روک دیا تھا۔"

ڈان کارلو نے کہا "ہم نے یہ سوچا تھا کہ آپ قیدیوں کو قتل کرنا پسند نہیں کریں گے۔"

ابوالحسن نے کہا "ہم قیدیوں کو ساتھ لے جائیں گے۔"

مقامی نوجوان نے کہا "گھوڑوں کے متعلق ہم نے آپ کی ہدایات پر عمل کیا ہے اور دو چار کے سوا تمام گھوڑے پکڑ لیے ہیں۔"

ابوالحسن نے کہا "جو لوگ ہمارے ساتھ جانا چاہتے ہیں، ان سے کہو

کہ وہ قلعے کے دروازے پر جمع ہوجائیں۔ ہم ایک ساعت کے اندر اندر یہاں سے روانہ ہوجائیں گے ـــــ اور جو لوگ یہاں رہ جائیں وہ ہمارے شہید ہونے والے ساتھیوں کو دفن کر دیں "

سعاد نے ابوالحسن کا بازو پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا :

"میں نے ابویعقوب کو نہیں دیکھا ـــــ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ زندہ ہوتا اور قلعے پر حملہ کرنے میں سبقت لے جانے کی کوشش نہ کرتا ۔"

ابوالحسن نے جواب دیا " سعاد ! وہ شہید ہوچکا ہے ـــــ تمھاری گرفتاری کے بعد علاقے کے لوگ اس نے جمع کیے تھے ـــــ ہماری ملاقات تمھارے جلتے ہوئے قلعے میں ہوئی تھی اور اُس نے ہی مجھے تمھاری خالہ اور خالو کی المناک موت کے واقعات سُنائے تھے۔ یہاں میں، عثمان اور وہ ایک ساتھ دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے تھے اور اس نے دروازے پر چار نصرانی سپاہی دیکھتے ہی باقی ساتھیوں کا انتظار کیے بغیر ان پر حملہ کر دیا تھا۔ اُس نے پہلے وار میں ایک آدمی کو ہلاک کر دیا تھا۔ دوسرے آدمی پر بھی اس نے تیزی سے حملہ کیا تھا کہ وہ اُلٹے پاؤں پیچھے بھاگتا ہوا پیٹھ کے بل گر پڑا، لیکن تیسرے آدمی نے عقب سے وار کیا اور اس کا نیزہ ابویعقوب کی کمر سے آر پار ہوگیا ـــــ حملہ کرتے وقت ابویعقوب کی چیخیں اتنی خوفناک تھیں کہ قلعے کے محافظوں کے دل دہل گئے تھے ـــــ

اور باقی تین نصرانی سپاہیوں کو قتل کرنے کے بعد ہم نے حارث کے ملازموں اور پہرے داروں پر چند منٹ کے اندر اندر قابو پالیا تھا ـــــ ہماری فوری کامیابی کی ایک وجہ یہ تھی کہ قلعے کے پہرے داروں میں کچھ لوگوں کو تمھارے ساتھ بھی ہمدردی تھی اور انھوں نے اپنے ساتھیوں کو ہتھیار ڈالنے

کے لیے تیار کر رکھا تھا ــــــ آٹھ نصرانی ایک کمرے میں سو رہے تھے، اور میں اس شخص کا شکر گزار ہوں جس نے باہر سے ان کے کمرے کی زنجیر لگا دی تھی۔"

عثمان نے کہا "میرے خیال میں اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ راستے میں ہمارے ساتھی پریشان ہو رہے ہوں گے" ــــــ

ابو الحسن نے کہا "خواتین، بچوں اور بوڑھوں کو گھوڑوں پر سوار کر دو، جو گھوڑے بچ جائیں گے، وہ راستے میں ہمارے کام آئیں گے۔ قیدیوں کے ہاتھ اچھی طرح باندھ لو اور انھیں فوراً روانہ کر دو ..... ــــــ"

تھوڑی دیر بعد ابو الحسن، اُس کے ساتھیوں اور مقامی پناہ گزینوں کا قافلہ جنوب کا رُخ کر رہا تھا۔

○

اگلی شام جنوب مغرب کی طرف قریباً تیس میل دُور ایک تھکا ہارا سپاہی وردی کی بجائے ایک کسان کا لباس پہنے، نصرانی فوج کے کیمپ میں داخل ہوا اور پہرے داروں نے اس کی سرگزشت سُنتے ہی اسے سپہ سالار الفنجو کے سامنے پیش کر دیا۔ اس کے دائیں بائیں فوج کے چند افسر بیٹھے ہوئے تھے۔

"تم ان سواروں میں سے ہو جو ڈان لوئی کے ساتھ بھیجے گئے تھے؟" الفنجو نے سوال کیا۔

"جی ہاں!"

"تم ڈان لوئی کو چھوڑ کر کیسے آ گئے؟"

"جناب! میں انھیں چھوڑ کر نہیں آیا۔ وہ قلعے میں آرام فرما رہے تھے اور

ہمارا کیمپ قلعے سے باہر تھا ـــــ میں نے آپ کو یہ خبر پہنچانی ضروری خیال کی کہ رات کے وقت مقامی لوگوں نے کیمپ پر حملہ کر دیا، اور مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی زندہ بھی بچا ہے یا نہیں۔"

"تم کیسے بچ گئے تھے؟"

"جناب! میں دیہاتی لوگوں کا لباس پہن کر اُن کے ہجوم میں شامل ہو گیا تھا اور پھر موقع ملتے ہی پہاڑ کی طرف نکل گیا تھا۔"

"تم نے یہ سارا راستہ پیدل طے کیا ہے؟"

"جی ہاں! اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ حملہ کرنے والے ہمارے گھوڑے بھی ساتھ لے گئے تھے۔"

"ڈان لوئی قلعے کے اندر محصور ہے؟"

"جی نہیں! وہ قلعہ بھی فتح کر چکے ہیں۔ اگر ہمیں قلعے کے اندر جگہ ملتی تو یہ حادثہ پیش نہ آتا۔ وہ صرف دس بارہ آدمی قلعے کے اندر گئے تھے۔ اگر وہ قتل نہیں ہوئے تو قید ضرور ہو چکے ہوں گے ـــــ حملہ کرنے والے اب ساحل کا رُخ کر رہے ہیں اور کچھ مقامی لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔"

البنجو نے اپنے افسروں سے مخاطب ہو کر کہا "اس بے وقوف کا خیال ہے کہ میں اب یہ محاذ چھوڑ کر اُن کا پیچھا کر دوں ـــــ"

سپاہی نے عاجز ہو کر کہا ـــــ "جناب! میں نے کچھ نہیں کہا ـــــ میں تو یہ بتانا چاہتا تھا کہ جو لوگ ساحل کا رُخ کر رہے ہیں وہ تعداد میں بہت ہیں ـــــ انھیں سمندر عبور کرنے کے لیے کئی جہازوں کی ضرورت ہو گی اور مجھے یقین ہے کہ اگر آپ سواروں کے چند دستے بھیج دیں تو انھیں راستے میں روکا جا سکتا ہے۔ ورنہ ساحل پر وہ یقیناً پکڑے جائیں گے ـــــ افریقہ

کے ساحل سے جہاز آنے میں کئی دن لگ جائیں گے۔"

النجو نے تلملا کر کہا "بے وقوف! تمھیں یہ معلوم نہیں کہ ان کے جہاز ہمارے ساحل پر موجود ہیں اور ہمارا کچھ علاقہ انھوں نے تباہ کر دیا ہے۔ ہمارے سوار راستے میں ان کا پیچھا کر سکتے ہیں، لیکن اپنے ساحل کے قریب نہیں جا سکتے ——— ڈان لوئی نے مجھ سے کہا تھا کہ جن لوگوں کو وہ گرفتار کرنا چاہتا تھا، انھیں مقامی لوگوں کے سامنے سزا دینے سے بھی کوئی مشتعل نہیں ہوگا۔"

"جناب! ہم نے اُن کے حکم پر ایک قلعے پر حملہ کیا تھا۔ وہاں چند آدمی قتل ہوئے تھے۔ ہمارا بھی ایک آدمی قتل اور ایک زخمی ہوا تھا ——— پھر وہ قلعہ بھی جلا دیا گیا تھا ——— ڈان لوئی جس قلعے میں ٹھہرے تھے، وہاں ایک لڑکی گرفتار کر کے لائی گئی تھی۔"

النجو نے کہا "اس بے وقوف نے اس علاقے کو بھی بلنسیہ سمجھ لیا ہوگا۔ تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟"

"جناب! اگر اجازت دیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ میں بہت بھوکا ہوں اور میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔"

النجو نے خیمے کے دروازے پر کھڑے ہونے والے پہرے داروں سے مخاطب ہو کر کہا "اس دیوانے کو لے جاؤ اور کھانا کھلا کر سُلا دو۔"

سپاہی ایک پہرے دار کے ساتھ خیمے سے نکل گیا اور النجو دائیں بائیں اپنے افسروں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ——— "سیرا دومیجا اور رندہ کے حالات ہمیں اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتے کہ ہم دوبارہ الفجارہ میں الجھ جائیں۔ یہ علاقہ جہاں ڈان لوئی نے ہمارے لیے ایک نیا مسئلہ پیدا کیا ہے، انتہائی پُرامن تھا ——— مجھے معلوم نہیں کہ اب وہ کس حال میں ہے۔ اگر حملہ کرنے

والے اسے بھی گرفتار کر کے ساحل کی طرف لے گئے ہیں، تو بھی ہم اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے ـــــ اگر وہ قتل ہو چکا ہے تو ہم اپنی مہمات سے فارغ ہو کر اس کا سوگ منائیں گے۔ مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ جو آدمی بلنسیہ میں اپنے قلعے کی حفاظت نہ کر سکا، میں نے اس علاقے میں اپنے ایک سو جوان اُس کے ساتھ کیوں روانہ کر دیے، لیکن یہ بادشاہ اور ملکہ کا حکم تھا۔"

ایک افسر نے کہا "جناب! یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اس کے قلعے پر حملہ کرنے والے تو ترکوں کے جنگی جہاز تھے ـــــ لیکن وہ سینکڑوں میل دور یہاں کیوں آیا تھا؟"

"وہ کہتا تھا کہ میں بعض خطرناک جاسوسوں کو گرفتار کرنے جا رہا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ وہ بادشاہ کو اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے چند بے گناہ لوگوں کو پکڑ لے گا اور انھیں اذیتیں دے دے کر اپنی مرضی کے مطابق بیانات لے لے گا، لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید جاسوس اس سے زیادہ ہوشیار تھا اور شاید یہ جہاز جو ہمارے جنوبی ساحل پر گولہ باری کر چکے ہیں، وہی ہیں جو ڈان لوئی کے قلعے پر حملہ کر چکے ہیں ـــــ بہرحال ہمیں بادشاہ کو یہ اطلاع دینی پڑے گی کہ ڈان لوئی اور ہمارے سپاہی جو اس کے ساتھ گئے تھے، لاپتہ ہو چکے ہیں۔"

○

چند دن بعد ایک صبح سعاد اور ابوالحسن جہاز کے عرشے پر کھڑے طلوعِ آفتاب کا منظر دیکھ رہے تھے ـــــ ہوا بہت خوشگوار تھی۔ ابوالحسن نے جنوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "سعاد! اب تم ساحل دیکھ سکتی ہو۔ کل شام کپتان کہتا تھا کہ ہم انشاء اللہ اگلی رات اپنے گھر میں آرام کریں گے ـــــ

اندلس سے روانہ ہونے سے قبل میرے دل میں بار بار یہ خیال آیا کرتا تھا کہ اس بھری پُری دُنیا میں شاید کوئی ایسی جگہ ہو گی جسے میں اپنا گھر کہہ سکوں!"

"اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں ساحلِ بربر، مصر، شام، عرب اور ترکی میں ہر جھونپڑے کو اپنا گھر کہہ سکوں گا ——— سعاد! میں نے اپنے آلام و مصائب سے یہ سبق سیکھا ہے کہ وطن صرف میدانوں، پہاڑوں دریاؤں اور صحراؤں کا مجموعہ ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک انسان کے اس مسکن کا نام ہے جہاں آزادی کی ہوائیں چلتی ہیں، جہاں عدل و انصاف کے چشمے اُبلتے ہیں اور جہاں انسانیت ظالموں اور مظلوموں کے گروہوں میں تقسیم نہیں ہوتی۔

سعاد! ہمارے ترک بھائی دنیا کے مشرق و مغرب کے کئی ممالک میں اپنے جھنڈے گاڑ چکے ہیں۔ ان کے گھوڑوں کی ٹاپ دجلہ اور فرات سے ڈینوب کی وادیوں تک سُنائی دیتی ہے اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ان کی فتوحات کے ساتھ عدل و انصاف اور انسانیت کے مسکن کی وسعتوں میں اضافہ ہو رہا ہے ——— اور ہم جس ملک میں بھی ڈیرہ ڈال دیں گے، وہی ہمارا وطن ہو گا وہ اس وقت تک ہمارا وطن رہے گا، جب تک ہم اپنے دین کا پرچم بلند رکھ سکیں گے اور اس پرچم کے سائے تلے کسی طاقتور کو یہ جرأت نہیں ہو گی کہ وہ کسی کمزور کا حق چھین سکے۔

سعاد! اندلس میں ہماری تباہی کی کئی وجوہات بیان کی جائیں گی لیکن میرے نزدیک ہماری آخری شکست اور غلامی کی وجہ یہ ہے کہ اندلس میں ظالم بادشاہ اور تخت و تاج کے بے حیا دعوے دار پیدا ہوتے رہے اور ہم ان کی بد دیانتی اور اُن کا ظُلم و وحشت برداشت کرتے رہے ———

پھر باہر سے زیادہ ظالم اور زیادہ عیّار لوگ آئے اور انھوں نے ہمارا گلا

دلبوچ لیا ـــــــ لیکن ہم اندلس کو بہت دُور چھوڑ آئے ہیں ـــــــ ہمیں اب صرف اپنے حال و مستقبل کے متعلق باتیں کرنی چاہئیں۔ ہمیں یہ بھول جانا چاہیے کہ ہم کبھی اندلس میں رہتے تھے۔"

سعاد نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا ـــــــ "ابوالحسن! اندلس صرف ہمارا وطن ہی نہیں تھا۔ یہ ہماری تاریخ بھی ہے اور اسے بھول جانا ہمارے بس کی بات نہیں ہوگی۔"

ابوالحسن نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"تمھیں معلوم ہے کہ نائب امیر البحر کے گھر ہمارا انتظار ہو رہا ہے ـــــــ ان کی بیوی اور بیٹی تمھیں دیکھ کر کتنی خوش ہوں گی؟"

"انھیں یہ معلوم بھی نہیں ہوگا کہ میں کون ہوں؟"

"لیکن انھیں یہ تو معلوم ہوگا کہ تم ابوالحسن کی بیوی ہو ـــــــ اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو بھی وہ تمھیں اپنے گھر میں اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیں گے ـــــــ اب ایسے نیک دل اور فیاض لوگ دنیا سے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ عثمان کہتا تھا کہ سلمان، منصور کو اس مہم پر اپنے ساتھ لانے کے حق میں نہیں تھے ـــــــ لیکن وہ بضد تھا ـــــــ وہ ہمارے اس بیڑے میں سب سے کم عمر افسر ہے اور میرا خیال تھا اسے شاید میرا نام بھی یاد نہ ہو، لیکن اُس نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔"

"منصور، سلمان کا بیٹا ہے؟"

"نہیں! لیکن سلمان اسے ایک بیٹے سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔ عثمان کہتا تھا کہ اسے اس لیے ترقی نہیں ملی کہ سلمان کی بیٹی سے اس کی شادی ہونے والی ہے ـــــــ بلکہ اس نے امیر البحر کمال رئیس کو اپنی قابلیت سے بہت

متاثر کیا ہے ـــــ تمھیں معلوم ہے کہ وہ حامد بن زہرا کا نواسہ ہے ؟"

"ہاں ! مجھے آپ نے بتایا تھا۔"

○

سہ پہر کے وقت ان کا جہاز خلیج میں لنگر انداز ہوا۔ ایک گھنٹہ بعد بدریہ اور اس کی بیٹی اسمأ ، جنھیں جہازوں کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی ، مکان سے باہر نکل کر سلمان ، منصور ، ابوالحسن اور سعاد کا انتظار کر رہی تھیں ـــــ انھوں نے باری باری سعاد کو گلے لگایا۔ پھر بدریہ نے آگے بڑھ کر شفقت سے ابوالحسن کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا " ابوالحسن ! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم بچ کر آ گئے ہو۔ ہم صبح و شام تمھاری سلامتی کے لیے دُعائیں کیا کرتی تھیں ـــــ "

اسمأ نے کہا " امّی جان ! میں بھی سعاد کے لیے بہت دُعائیں کیا کرتی تھی۔"

بدریہ کا ننھا بیٹا خالد دروازے سے نکلا اور سلمان سے لپٹ کر بولا :

" ابّا جان ! میں بھی دُعا کیا کرتا تھا۔"

سلمان نے اسے اُٹھا کر پیار کرنے کے بعد ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا " بیٹا ! تم جانتے ہو یہ کون ہیں ؟"

" ابّا جان ! مجھے معلوم ہے۔ یہ وہی ہیں جن کے لیے آپ جنگ لڑنے گئے تھے"

پھر وہ جھجکتا ہوا سعاد کی طرف بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا " آپ سعاد ہیں نا ؟"

" ہاں !"

" امّی جان اور آپا جان کہا کرتی تھیں کہ تمھاری ایک اور بہن آ رہی ہے۔ آپ ہی میری بہن ہیں نا ؟"

سعاد نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

بدریہ چند ثانیے غور سے سعاد کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے اپنے شوہر کی طرف متوجہ ہو کر کہا "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے سامنے عاتکہ کھڑی ہے۔"

"مجھے بھی سعاد کو پہلی بار دیکھ کر یہ محسوس ہوا تھا کہ قدرت نے مجھے ماضی کی کوتاہی کی تلافی کا موقع دیا ہے۔" سلمان ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوا: "ابوالحسن! اللہ نے تم پر بہت کرم کیا ہے ـــــــ جب میں غرناطہ سے رخصت ہوا تھا تو کون کہہ سکتا تھا کہ ہماری دوسری ملاقات بلنسیہ کے قریب ہوگی؟"

○

عمارہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ ایک کونے سے نمودار ہوئی اور جھجکتی ہوئی ان کی طرف بڑھی۔ سلمان نے اسے دیکھتے ہی کہا "عمارہ! ابوعامر تھوڑی دیر تک پہنچ جائے گا۔ وہ عثمان کے ساتھ پچھلے جہاز پر آ رہا ہے۔"

سعاد نے عمارہ کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا "عمارہ! میں تمہاری شکر گزار ہوں۔"

عمارہ بولی "میری بہن! مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں ایک کنوئیں میں ڈوب رہی تھی۔ آپ نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا ہے تاہم جب میں آپ کے شوہر کی سلامتی کے لیے دعائیں کیا کرتی تھی تو میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ کیا وہ ابوعامر کے گناہ معاف کر دیں گے؟"

سعاد نے جواب دیا "عمارہ! یہ سوال تم براہِ راست میرے شوہر

سے پوچھ سکتی ہو۔ وہ تمھارے سامنے کھڑا ہے۔"

ابوالحسن بولا" آپ اطمینان رکھیں۔ میں اسے دل سے معاف کر چکا ہوں۔"

عمارہ نے احسانمندی سے باری باری ان سب کی طرف دیکھا اور مڑتے ہوئے کہا" معاف کیجیے! میری وجہ سے آپ کے مہمان باہر کھڑے ہیں۔"

بدریہ نے سعاد کا ہاتھ پکڑ کر صحن کا رُخ کرتے ہوئے کہا" بیٹی! آؤ ——— میں تمھیں دیکھ کر ماضی کی یادوں میں کھو گئی تھی۔ میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ عاتکہ اور سعید ایک سپنا تھے اور تم اور ابوالحسن اس کی تعبیر ہو۔"

دُور سے مؤذن کی اذان سُنائی دی۔ سلمان اور منصور وضو کر کے مسجد کی طرف چل دیے ——— بدریہ، سعاد اور اسماء نے بھی ایک کمرے میں نماز ادا کی اور باہر صحن میں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

○

سعاد، بدریہ اور اسماء کو اپنی سرگزشت سُنا رہی تھی۔ ننھا خالد خاموشی سے اسماء کی گود میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب ڈان لوئی کا ذکر آیا تو وہ کچھ دیر پوری توجہ سے سنتا رہا پھر اچانک اسماء کی گود سے اُترا اور سعاد کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولا" آپ فکر نہ کریں! میں بڑا ہو کر آپ کے تمام دشمنوں سے انتقام لوں گا۔ میرا جہاز بہت بڑا ہوگا اور اس کی توپیں قلعے کی توپوں سے بڑی ہوں گی۔"

سعاد نے اسے اُٹھا کر گود میں بٹھاتے ہوئے کہا" جب تم بڑے

ہو کر جہاد پر جایا کرو گے تو ہم سب تمہارے لیے دُعا کیا کریں گی تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت اندلس میں تمہاری لاکھوں بہنیں یہ دُعائیں کر رہی ہوں گی کہ ان کا کوئی ننھا بھائی کسی دن بہت بڑا سپہ سالار بن کر آئے اور وہ اس کے راستے میں پھول نچھاور کریں۔"

چند لمحات کے لیے ماحول پر سناٹا چھا گیا۔ وہ معصوم نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اچانک خالد نے بدریہ سے مخاطب ہو کر کہا "امّی جان! آپ انھیں بتائیں کہ میں سپہ سالار نہیں بلکہ امیر البحر بننا چاہتا ہوں۔"

اسماؔ نے کہا "میرا بھائی دُنیا کا ہر مسئلہ اپنے جہازوں سے حل کرنا چاہتا ہے۔ یہ کوئی ایسی کہانی بھی سُننا پسند نہیں کرتا جس میں جنگی جہازوں اور توپوں کا ذکر نہ ہو ——— یہ اپنی چھوٹی سی توپ رات کے وقت سرہانے رکھ کر سوتا ہے تاکہ اگر خواب میں بھی کوئی دشمن نظر آجائے تو یہ توپ کا رُخ اس طرف پھیر دے ———"

"امّی!" خالد چلّایا "دیکھیے! آپا پھر میرا مذاق اُڑا رہی ہیں۔ میں اپنے تمام کھلونے سمندر میں پھینک دوں گا۔"

○

منصور، سلمان اور ابوالحسن اندر داخل ہُوئے اور اُن کے پاس بیٹھ گئے۔ سلمان نے کہا "بدریہ! ابوالحسن اور سعاد کو یہ احساس نہیں ہونا چاہیے کہ یہ لوگ اس گھر میں اجنبی ہیں۔"

بدریہ نے جواب دیا "ہماری طرف سے ان کی دلجوئی اور تواضع میں

کوئی فروگزاشت نہیں ہوگی ــــــ لیکن ..... کاش ! ہم اس دُنیا میں ایک اور غرناطہ تعمیر کر سکتے ــــــ آپ ان لوگوں سے مل چکے ہیں جن کے اسلاف ہم سے دو تین صدیاں قبل طلیطلہ، قرطبہ، اشبیلیہ اور دوسرے شہروں سے ہجرت کر کے افریقہ کے ساحل پر پھیل گئے تھے وہ مقامی آبادی کے اندر جذب ہو چکے ہیں۔ ان کی پشت پناہی کے لیے ترکوں کی ایک عظیم قوت موجود ہے اور وہ ہر خوف سے آزاد ہیں اس کے باوجود وہ اندلس کو بھول نہیں سکتے۔ وہ عمر رسیدہ عورتیں جو کئی پشتوں سے یہاں مقیم ہیں، یہی دُعا کرتی ہیں کہ کاش ! وہ موت سے پہلے ایک بار پھر اندلس کی فضاؤں میں سانس لے سکیں۔

ایک نوجوان لڑکی کے اسلاف اڑھائی سو برس قبل قرطبہ سے ہجرت کر چکے تھے لیکن جب وہ قرطبہ کی عظیم مسجد کے متعلق باتیں کر رہی تھی تو مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ بارہا اس مسجد کا طواف کر چکی ہے اور اس کا ایک ایک گوشہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہے۔"

ابوالحسن نے کہا " میں بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ آئندہ نسلوں کے دلوں پر مدتوں غرناطہ کے مناظر نقش رہیں گے اور صدیوں کے بعد جب اسلامی سلطنتوں کے سیاح اندلس جایا کریں گے تو ماضی کے ان گنت شہیدوں کی ارواح اُن کا استقبال کیا کریں گی اور وہ ایسا محسوس کیا کریں گے جیسے طارق اور عبدالرحمٰن کے اندلس کی فضائیں ان کے بدن سے لپٹتی اور ان کی رُوح میں پیوست ہوتی جا رہی ہیں۔

وقت اگرچہ ہمارے ماضی کی سطوت کی نشانیوں کو ایک ایک کر کے مٹا دے گا، لیکن اُس سرزمین کی دلکشی اور رعنائی جسے شہیدانِ اسلام کے

خون سے آبیاری ہُوئی ہے، ہمیشہ قائم رہے گی۔ مسلمانوں کی نگاہیں الحمرا کے ایوان دیکھنے اور ان کے کان مسجدِ قرطبہ میں اذان سننے کے لیے ہمیشہ برقرار رہیں گے۔" ——

بدریہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔

سعاد نے بڑی مُشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا:

"ہم اندلس کی آٹھ سو سال کی داستان اپنی تاریخ سے خارج نہیں کر سکتے۔ اسے بھُول جانا کسی کے بس کی بات نہیں —— لیکن اِس گھر میں قدم رکھنے کے بعد میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ اللہ نے ہمیں دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے فرشتے بھیج دیے تھے —— انسان کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب وہ صرف سانس لینے کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہے۔ ہم پر یہ وقت گزر چکا ہے۔ جہاز میں سوار ہونے کے بعد میں اندلس کے حال کے متعلق سوچتی تھی تو مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسلمان بتدریج آگ کے الاؤ میں دھکیلے جا رہے ہیں، اور جب میں مستقبل کا تصور کرتی تھی تو مجھے ایسا نظر آتا تھا کہ ان گنت کشتیاں شمال سے جنوب کا رُخ کر رہی ہیں اور اُن پر ننگے، بھوُکے اور مظلوم انسان سوار ہیں جو کبھی مسلمان تھے اور اندلس کبھی ان کا وطن تھا۔ میں دعا کیا کرتی تھی کہ اللہ ہمارے ترک اور بربر بھائیوں کو یہ توفیق دے کہ وہ آنے والے ادوار میں زیادہ سے زیادہ مظلوموں کو دوزخ کی آگ سے نکال سکیں" ——

وہ چند ثانیے ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے بالآخر سلمان نے کہا جس قوم کے اکابر ہلاکت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور عوام اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ اقتدار کی مسندوں پر قوم کے غدار اور دشمن کے جاسوس براجمان

ہیں، اُسے بیرونی مددگار تباہی سے نہیں بچا سکتے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے غرناطہ کی آزادی کے ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کو بجھتے دیکھا تھا ——— میں اس عظیم انسان کا انجام دیکھ چکا ہوں جو اہلِ غرناطہ کے پاس آخری انتباہ کے لیے آیا تھا ——— اور اس کے بعد اندلس کے ایک ایک ذرّے سے عشق رکھنے کے باوجود میں یہ محسوس کرتا تھا کہ اہلِ غرناطہ اپنی تباہی کے راستے کی آخری منزل میں داخل ہو چکے ہیں ———

ابوالحسن! میں خاص طور پر تمھیں بتا دینا چاہتا ہوں اب اندلس کی تاریخ آہستہ آہستہ ہمارے ماضی کی داستان بن جائے گی۔ مستقبل میں بہت کم مؤرخ ایسے ہوں گے، جو ظلم کی چکی میں پستے ہوئے مسلمانوں کی چیخ پکار کو کوئی اہمیت دیں گے ——— اور سمندر پار کوئی کلیسا کی آگ میں بھسم ہونے والوں کی چیخیں بھی نہیں سُن سکے گا ——— پھر یہ چیخیں آہستہ آہستہ خاموش ہو جائیں گی اور ان کی تاریخ کے آخری دَور کے واقعات افسانے بن جائیں گے ——— ہاں! یہ سرزمین، جہاں ہم نے پناہ لی ہے، ہمارا حال بھی ہے اور مستقبل بھی ——— ترکوں کی عظیم سلطنت جو مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہے، ایک ایسا حصار ہے جس کی آہنی دیواریں زمانے کے ہر سیلاب کو روک سکتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جس طرح مسلمانوں کے خلاف یورپ کی عیسائی سلطنتیں متحد و منظم ہو رہی ہیں، اسی طرح ہم بھی ایک ہو جائیں ——— اب اگر کوئی معجزہ اُندلس کے مسلمانوں کو مزید تباہی سے بچا سکتا ہے تو وہ یہی ہو سکتا ہے کہ اندلس کے واقعات نے پورے عالمِ اسلام کو بیدار کر دیا ہے ———

سرِدست ہماری اوّلین ذمہ داری یہ ہے کہ ہم مشرق و مغرب میں کسی

محاذ پر ترکوں کا پرچم سرنگوں نہ ہونے دیں ــــــ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمھیں اور تمھارے ساتھ آنے والوں کو کسی تاخیر کے بغیر فوج میں شامل کر دیا جائے اور مجھے یقین ہے کہ چند ہفتے تربیت حاصل کرنے کے بعد تمھیں کوئی اہم ذمہ داری سونپ دی جائے گی اور پھر تم اور سعادیہ محسوس کرو گے کہ یہ دنیا بہت وسیع ہے اور ترکوں کی عظیم مملکت میں کئی ممالک ایسے ہیں جہاں تم اور تمھاری آیندہ نسلیں اس خوف کے بغیر سانس لے سکیں گی کہ کلیسا کی آگ ان کی بستیوں اور شہروں سے بہت دُور ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسپین کے مظلوم مسلمانوں کے حق میں بھی تمھاری آواز بہت موثر ثابت ہوگی ‘‘ ــــــ

سلمان نمازِ مغرب کی اذان تک بولتا رہا اور ابوالحسن اور سعادیہ محسوس کر رہے تھے کہ مستقبل کے افق سے تاریکی کے بادل چھٹ رہے ہیں ۔

زمانے کے اندھیرے اور اُجالے

اندلس میں سیرا درمیجا اور سیرا رندہ کے مجاہدین لے الفجارہ کے باشندوں کی نسبت زیادہ عزم اور شجاعت کا ثبوت دیا۔ وہ اچانک کسی گھاٹی پر نصرانی لشکر کے اگلے پچھلے یا درمیانی حصے پر حملہ کر دیتے اور اسے بھاری نقصان پہنچانے کے بعد چٹانوں کی اوٹ میں غائب ہو جاتے ——— وہ کسی پہاڑی کی چوٹی سے نمودار ہوتے اور نیچے کسی تنگ وادی سے گزرنے والے دشمن پر تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کر دیتے۔

فرڈی نینڈ کو اپنے نقصانات کی اطلاعات ملتیں تو وہ زیمنیس کو ان ساری مصیبتوں کا ذمہ دار ٹھہراتا، لیکن ملکہ ازابیلا کو اس سنگ دل راہب کے ساتھ غایت درجہ کی عقیدت تھی۔ وہ ہر معاملے میں اس کی طرف داری کرتی اور فرڈی نینڈ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ———

غیور قبائل کے مجاہدین چند مہینے انتہائی پامردی سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ بالآخر نصرانی افواج کی بڑھتی ہوئی تعداد اور پے در پے حملوں نے انھیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

وہ چاروں اطراف سے سمٹ کر ایک دشوار گزار پہاڑی علاقے میں جمع ہونے لگے اور ایک روز جب الینجو کا لشکر غروب آفتاب سے قبل آخری فتح کی اُمید

پر آگے بڑھا تو اُسے راستے کے تنگ دروں میں ایک غیر متوقع مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر جوں جوں پہاڑوں کے سائے مشرق کی طرف بھاگ رہے تھے اور تنگ وادیوں میں شام کی سیاہی پھیل رہی تھی، النجو اور اس کے آزمودہ کار سالاروں کی پریشانی اضطراب اور خوف میں تبدیل ہو رہی تھی۔

جب رات ہو گئی تو انھیں چاروں طرف سے اللہ اکبر کے نعرے سُنائی دینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی تیروں اور پتھروں کی بارش شروع ہوئی اور وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ ان کے خلاف پورا پہاڑ حرکت میں آچکا ہے ـــــــ یہ ایک ایسا علاقہ تھا جس میں رات کے وقت مقامی لوگ بھی بڑی احتیاط سے قدم رکھتے تھے ـــــــ پہاڑ کے دامن کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کئی مقامات پر جھڑپیں ہوئیں اور کئی جھڑپوں میں نصرانی اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

غرناطہ میں فرڈی نینڈ باغیوں کے ساتھ اپنے آزمودہ کار جرنیل کی فیصلہ کُن جنگ کی خبر سُننے کے لیے اس قدر بے تاب تھا کہ اس نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی تھی ـــــــ قاصد کبوتر کے ذریعے اسے فوج کی اگلی چوکی سے گزشتہ دوپہر کے وقت یہ پیغام ملا تھا کہ دشمن ہر محاذ سے پسپا ہو رہا ہے اور ہم شام سے پہلے آپ کو ایک عظیم فتح کی خوش خبری دے سکیں گے اور غروبِ آفتاب کے قریب اسے جو آخری پیغام ملا تھا، وہ یہ تھا کہ ہمارا لشکر ایک دشوار گزار علاقے میں پیش قدمی کر رہا ہے ـــــــ اس کے بعد اسے کوئی خبر نہ ملی۔

بالآخر اگلی شام ایک افسر اور چند سوار فرڈی نینڈ اور ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اطلاع دی کہ ہم جنگ جیت چکے تھے، لیکن رات کی تاریکی میں دشمن نے اچانک ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا ـــــــ سپہ سالار

اپنے محافظ دستوں سے کٹ چکا تھا۔ علی الصباح ایک کھڈ میں ہمیں اُس کی لاش ملی تھی ——— ہمارے ایک تہائی سے زیادہ آدمی مارے جا چکے ہیں ——— زخمیوں کو غرناطہ پہنچانے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ میدانِ جنگ کے آس پاس دشمن کا کوئی آدمی دکھائی نہیں دیتا اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس پہاڑ یا وادی میں جمع ہو رہے ہیں۔

کلیسا اور حکومت کے نزدیک یہ حادثہ اتنا بڑا تھا کہ فرڈی نینڈ نے بذاتِ خود میدان میں آنے کا فیصلہ کیا ——— لیکن یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اس علاقے کی ہر چٹان اور گھاٹی، قبائلی مجاہدین کے لیے ایک قلعے کا کام دیتی ہے اور شکست خوردہ لشکر کی حالت سے تازہ دم سپاہیوں کے حوصلے بھی پست ہو رہے ہیں، اس نے مصالحت کی گفتگو کو جنگ جاری رکھنے پر ترجیح دی۔

سیرا ورمیجا کے اکابر کے ساتھ گفت و شنید کے بعد یہ اعلان ہوا کہ مسلمان فی کس دس دوکٹ ادا کر کے ہجرت کر سکتے ہیں، ورنہ انھیں عیسائی مذہب اختیار کرنا پڑے گا۔

مسلمان ہجرت کی شرط مان لینے پر مجبور ہو گئے اور فرڈی نینڈ کو پھر سنبھلنے کا موقع مل گیا ———

ایسے خوش نصیب لوگوں کی تعداد بہت کم تھی جو یہ رقم ادا کر سکتے تھے۔ چنانچہ ان کی بیشتر آبادی کو جبرًا عیسائی بنا لیا گیا۔ اس کے بعد سیرا رندہ کے مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا ———

کوہستان کی پہلی بغاوت ختم ہو چکی تھی۔ فرڈی نینڈ نے نئے عیسائیوں کی دلجوئی کے لیے ۳۰ر جولائی ۱۵۰۱ء کو یہ اعلان کیا کہ وہ اپنے حقوق و فرائض

کے معاملات میں ہر لحاظ سے پُرانے عیسائیوں کے برابر ہیں، لیکن یکم ستمبر ۱۵۰۱ء کو حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ مورسکو یا نو عیسائی اپنے پاس ہتھیار نہ رکھیں۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو پہلی بار دو ماہ قید کی سزا دی جائے گی اور اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔ دوبارہ جرم کرنے والوں کو موت کی سزا دی جائے گی ـــــــ

اب سلطنتِ غرناطہ کے مسلمان یا تو ہجرت کر چکے تھے یا عیسائی ہو گئے تھے اور مورسکو کہلاتے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو پہاڑوں میں روپوش ہو چکے تھے۔

باقی ہسپانیہ کے مسلمانوں کی حالت اہلِ غرناطہ[1] سے کچھ مختلف تھی۔ صدیوں سے قسطلہ کی حدود کے اندر رہنے والے مسلمانوں کے عیسائیوں کے ساتھ معاہدات چلے آتے تھے۔ اُن کے اسلاف نے ہتھیار ڈالنے سے قبل عیسائی حکمرانوں سے اس قسم کی شرائط منوائی تھیں، کہ ان کے مذہب میں مداخلت نہیں کی جائے گی ـــــــ لیکن اب انھیں احساس ہو رہا تھا کہ ان کے معاہدوں کی تقدیس، ان کے الفاظ یا لکھنے والوں کی قسموں کی وجہ سے قائم نہ تھی بلکہ یہ صرف اُس وقت تک کوئی معنی رکھتے تھے جب تک حکومت کو کلیسا کے راستے میں غرناطہ کی دیوار حائل نظر آتی تھی ـــــــ

۱۵۰۲ء میں قسطلہ میں بھی یہ فرمان جاری کیا گیا کہ اپریل تک تمام مسلمان عیسائی ہو جائیں یا ملک چھوڑ دیں ـــــــ پھر اُن کے لیے ہجرت ناممکن بنانے

---

[1] یہاں اہلِ غرناطہ سے مراد صرف غرناطہ شہر کے باشندے ہی نہیں بلکہ یہ لفظ اندلس کی آخری اسلامی سلطنت کے تمام باشندوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

کی غرض سے یہ حکم بھی جاری کیا گیا کہ وہ مسلمان ملک چھوڑ سکتے ہیں جن کی عمر ۱۴ سال سے زیادہ ہو اور اپنے ساتھ ان عورتوں کو لے جا سکتے ہیں جن کی عمر ۱۲ سال سے زیادہ ہو یعنی چودہ سال سے کم عمر کے لڑکے اور بارہ سال سے کم عمر کی لڑکیاں ہجرت نہیں کر سکتیں کیونکہ کلیسا کا خیال تھا کہ بچوں کو اپنے والدین سے جُدا کر کے انھیں عیسائیت کے سانچے میں ڈھالنا زیادہ آسان ہوگا۔

اس کے علاوہ انھیں یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ وہ اپنے ساتھ سونا اور چاندی نہیں لے جا سکتے اور بلنسیہ کی بندرگاہ کے سوا کسی اور جگہ سے جہاز پر سوار نہیں ہو سکتے۔ اس آخری حکم کی خلاف ورزی کی سزا موت تھی۔

○

الجزائر پہنچنے کے بعد ابوالحسن، سعاد اور اُن کے ساتھی اپنی کتابِ زندگی کا نیا ورق اُلٹ چکے تھے۔

ابوالحسن ترکوں کی برّی فوج میں بھرتی ہو کر ساحل کی ایک چوکی کا محافظ بن چکا تھا۔ دو سال کی کارگزاری کے صلے میں اسے ترقی دے کر ایک اہم قلعے کا کمانڈر بنا دیا گیا تھا ——— اور اس کی بیوی اور ایک بچہ جو سلمان کے گھر میں رہتے تھے، وہاں منتقل ہو چکے تھے۔

اسمأ اور منصور کی شادی ہو چکی تھی۔ عثمان کو بھی ایک علیحدہ جنگی جہاز کی کمان مل گئی تھی اور وہ اندلس کی ایک مہاجر لڑکی سے شادی کر چکا تھا۔

ڈان کارلو اور دوسرے مورسکو جوانوں کو جو ابوالحسن کے ساتھ آئے تھے، ترکی جہازوں پر ملازمت مل گئی تھی اور ان کے خاندان یونان کے ساحل پر آباد ہو گئے تھے۔

بلنسیہ اور الفجارہ سے آنے والے کاشتکاروں کی اکثریت کو بلغاریہ، رومانیہ اور سرویا کے ممالک میں زمینیں مل گئی تھیں۔

یہ لوگ جنھوں نے اندلس میں تاریک دور کی ابتدا دیکھی تھی، مشرق میں ترکوں کے نیرِ اقبال کی تابانیاں دیکھ رہے تھے۔

ان میں سے جو معمر تھے اور کھیتی باڑی یا غلہ بانی کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے تھے، وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں مغرب کی سمت اپنے فرزندوں کی پیشقدمی کی داستانیں سُنا کرتے اور جو جوان تھے وہ بلقان کے کوہستانوں اور ہنگری کے میدانوں میں فتوحات کے پرچم گاڑ رہے تھے اور پھر ان کے پوتے اور نواسے ان عساکر کے ساتھ تھے جو سلیمان عالیشان کے عہد میں وی آنا کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے ____

اندلس کے مہاجرین جو بربر جہازرانوں[1] کے ساتھ تھے یا ترکی بیڑے میں شامل ہوئے تھے، ان کی اور ان کے بیٹوں اور پوتوں کی کامرانیوں کے تذکرے کے لیے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے

امیر البحر کمال رئیس نے اسپین کے کئی ساحلی علاقوں پر حملے کیے اور انھیں تباہ اور ویران کر دیا۔ اس نے ہزاروں پناہ گزینوں کو نکال کر مشرقی بحیرۂ روم کے ممالک میں آباد کیا۔ ساحلِ بربر کے جہاز ران اپنے اپنے طور پر دُور دُور تک حملے کیا کرتے تھے اور بعض اوقات وہ سکاٹ لینڈ کے ساحلی علاقوں پر بھی ٹوٹ پڑتے تھے۔

خیر الدین جسے اہلِ مغرب باربروسا کہتے ہیں، اُن آزاد جہازرانوں میں ایک

---

[1] ساحلِ بربر کے جہازرانوں کو مغربی مورخ ہمیشہ بحری قزاق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تھا جو سمندر کو اپنی سلطنت سمجھتے تھے۔

سلطان سلیم کے آخری ایام میں خیر الدین آزاد جہاز رانوں اور بحری قزاقوں کی ایک جماعت کے ساتھ ترکوں کی بحریہ میں شامل ہو گیا اور اسے سلطان کی طرف سے بیلر بیگی کا خطاب اور جھنڈا عطا ہوا۔

امیر البحر کمال رئیس کے بعد خیر الدین ترکی کا عظیم ترین امیر البحر تھا۔ اس نے افریقہ کے ساحل پر چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں متحد کر دیں اور ساحلِ بربر کے تمام جہاز ران ترک بحریہ میں شامل کر لیے۔

اس نے فرڈی نینڈ کے نواسے شہنشاہ چارلس پنجم کے مشہور امیر البحر ڈوریا کو ایک عبرت ناک شکست دی اور اس کے ایک کپتان نے جنیوا کے بیڑے کو تباہ کر دیا ـــــــ خیر الدین اب خیر الدین پاشا بن چکا تھا۔ جب وہ شاندار فتوحات کے بعد قسطنطنیہ پہنچا تو سلطان سلیمان عالیشان نے اسے کپتان پاشا کا اعزاز دیا جو ترکی کے بحری بیڑے میں سب سے بڑا اعزاز تھا۔

۱۵۳۴ء کے موسمِ بہار میں اس نے اٹلی کا رُخ کیا اور ریگیو، سلارو، سپرلونگا اور فونڈی پر قبضہ کرنے کے بعد نیپلز کے بیڑے کو تباہ کر دیا کیونکہ اٹلی اور نیپلز کے بیڑے اسپین سے مل کر سابقہ معرکوں میں ترکوں کے خلاف لڑے تھے۔

ان مہموں سے فارغ ہو کر ترکی امیر البحر نے افریقہ کے ساحل پر بحریہ کے لیے ایک مضبوط مرکز کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے تیونس پر قبضہ کر لیا اور ان حکمرانوں سے نجات حاصل کر لی جن کی وفاداری مشکوک تھی۔ اس کے بعد اس نے اطمینان سے اسپین کا رُخ کیا اور اسپین کے مشرق کی سمت جزیرہ متورقہ پر قبضہ کر لیا۔

خیر الدین کی بار بار بحیرۂ روم کے عیسائی ممالک کے بیڑوں سے ابھجنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ جب بھی اسپین کی طرف پیش قدمی کرتا تھا، یورپ اور اس کے حلیفوں کے بیڑے عقب سے حملہ کر دیتے تھے اور خیر الدین کو ان کی گوشمالی کے لیے اسپین پر چڑھائی کا کام ادھورا چھوڑنا پڑتا تھا۔

اسپین میں اس کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ اس نے ستر ہزار مہاجرین کو وہاں سے نکال کر ساحلِ بربر پر آباد کیا تھا۔

اسپین سے بھاگنے والے مورسکو اپنے ساتھ کئی پادریوں اور عیسائی رؤسا کو بھی پکڑ لاتے تھے جن کے عوض بعض قیدیوں کا تبادلہ کر لیا جاتا تھا۔

خیر الدین کے بعد امیر البحر" تورغت " ترکی کا ایک انتہائی کامیاب جہاز ران تھا جس کے نام سے جنوب مغربی ممالک کی ساحلی آبادیوں کے باشندے لرز اٹھتے تھے، لیکن بحر و بر میں ترکوں اور ان کے بربر حلیفوں کی عظیم ترین فتوحات سے اندلس کے چند ہزار یا چند لاکھ مسلمانوں کو تو غلامی سے نجات مل گئی، لیکن مجموعی طور پر یہ کامرانیاں اس بدنصیب ملک کے مسلمانوں کی تقدیر نہ بدل سکیں۔

○

سپین میں جبراً اصطباغ لینے والوں میں سے اکثر ایسے تھے جو آخری وقت تک اپنے آپ کو یہ دھوکا دے رہے تھے کہ وہ دل سے مسلمان رہیں گے اور دکھاوے کے لیے نصرانیوں کی مذہبی رسومات پوری کرتے رہیں گے۔ ان لوگوں کے نام اور لباس بدل دیے گئے تھے۔ یہ گرجے میں عیسائی پادریوں کے ساتھ عبادت کرتے تھے اور اپنے گھروں میں بند دروازوں کے پیچھے چھپ کر نمازیں ادا کرتے تھے۔ چوری چوری اپنے جانور ذبح کرتے تھے۔ انھیں

شادی کی رسومات گرجے میں ادا کرنا پڑتی تھیں لیکن گھر آ کر وہ اسلامی شریعت کے مطابق نکاح پڑھواتے اور دولہا اور دلہن عربی لباس پہن لیتے تھے لیکن ایسے معاملات میں سخت رازداری برتی جاتی تھی۔

کلیسا کو اس بات کا بہت ملال تھا کہ انھوں نے عیسائی ہو کر اپنا مال و دولت بچا لیا ہے۔ چنانچہ ہزاروں سر منڈے راہب، جن کے لیے بے بس لوگوں سے روپیہ بٹورنا ذریعۂ روزگار بن چکا تھا، صبح شام کسی موٹے شکار کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ کسی مورسکو کے خلاف کوئی تہمت لگانا یا کسی کو دھمکی دے کر اس کے خلاف بیان لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ ملزم کی گرفتاری کے ساتھ ہی اس کی دولت ضبط کر لی جاتی تھی، پھر اس پر الزام خواہ کچھ ہو، وہ اور اس کے وارث جائیداد سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے تھے۔

اُس زمانے میں عیسائیوں کے نزدیک غسل کرنا بھی ایک گناہ سمجھا جاتا تھا اس لیے اگر انکوی زیشن کے شعبۂ سُراغ رسانی کو کسی مورسکو کے متعلق یہ شبہ ہو جاتا کہ وہ غسل کرتا ہے، تو وہ اذیت خانے میں پہنچ جاتا۔ مورسکو اس جُرم میں بھی گرفتار کر لیے جاتے تھے کہ وہ گوشت چھچھڑوں سمیت نہیں کھاتے یعنی چھچھڑے اتار کر پھینک دیتے ہیں۔ اگر کوئی مردہ جانور کے گوشت سے نفرت کرتا یا مُردہ جانور کو کھانے کی بجائے زمین میں دبا دیتا تو اسے بھی قابلِ سزا سمجھا جاتا۔

لوگوں کے خوف و ہراس کا یہ عالم تھا کہ انھیں نا کردہ گناہوں کی سزا سے بچنے کے لیے بھاری رشوتیں دینا پڑتی تھیں ـــــــ اور یہ رشوتیں صرف انکوی زیشن کے جاسوسوں اور کارندوں تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ انھیں اپنے علاقے کے ایک عام شہری سے لے کر بڑے جاگیردار اور حاکم کو خوش رکھنا پڑتا تھا۔

سپین میں کاشتکاری اور گلہ بانی کا بیشتر دارومدار اُن پر تھا۔ وہ جفاکش، محنتی، ہنرمند اور کفایت شعار تھے اور اسپینی عیسائی آقاؤں کے ہاتھوں بار بار لُٹنے کے بعد بھی وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے تھے۔

یہ بات کتنی عجیب ہے کہ یہ لوگ جو صدیوں کی حکمرانی اور عیش و آرام کی زندگی کے ایام میں اپنے دین سے بیگانہ ہو گئے ______ جنھوں نے اپنی قدیم اور علاقائی منافرتوں کو اس وقت بھی زندہ رکھا تھا جب کہ دشمن کی تلوار ان کی شاہ رگ کے قریب پہنچ چکی تھی، اب اپنی آزادی کھو بیٹھنے، اپنے قومی تشخص سے محروم ہو جانے کے بعد اپنے اسلاف کے دین کی طرف مائل ہو چکے تھے۔

عیسائیت قبول کرنے کے بعد مورسکو کہلانے کی ذلت اور ناکردہ گناہوں کے الزام میں اذیت ناک موت کے خوف نے انھیں یہی راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا، دائمی ذلت کے احساس نے ان کے دلوں میں کلیسا اور انکوی زیشن کے خلاف ایک ضد اور ایک مستقل نفرت پیدا کر دی تھی۔

جنوری ۱۵۶۷ء یعنی سقوطِ غرناطہ کے ۵۰ سال بعد ایک ایسا فرمان جاری کیا گیا، جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ مورسکو مشتعل ہو جائیں اور حکومت کو ان کے خلاف سختی برتنے اور مزید لُوٹ کھسوٹ کا موقع مل جائے۔

فلپ ثانی کے اس فرمان میں مورسکو کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے نئے لباس مسلمانوں کی طرز پر نہیں سلوا سکتے[1]۔ ان کی عورتوں کو نقاب ڈالنے یا بُرقع

---

[1] یہ احکام نئے نہیں تھے۔ ۱۵۱۱ء کے بعد کئی موقعوں پر اس قسم کے فرمان جاری ہو چکے تھے، لیکن کسی جگہ سختی سے اُن کا نفاذ نہیں ہوا تھا۔ مورسکو ان احکام سے فرار کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال لیتے تھے۔ مثلاً اپنا عربی لباس تبدیل نہ کرنے کی صورت میں یا اپنے حمام بچانے کے لیے انھیں حکومت کو جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا اور وہ خوشی سے چندہ اکٹھا کر کے حکومت کا گھر پورا کر دیتے تھے ______

اوڑھنے کی ممانعت ہے۔ انھیں شادی بیاہ کی رسومات اور ضیافتوں میں کلیسا کے احکام پر عمل کرنا ہوگا۔ ان تقریبات کے موقعوں پر اور جمعہ کے دن وہ اپنے گھروں کے دروازے کھلے رکھیں تاکہ پادری جب چاہیں معاینہ کرسکیں۔ بچوں کے نام اسلامی نہیں ہوں گے۔ کسی کو مہندی لگانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ تمام حمام مسمار کر دیے جائیں۔ کوئی انھیں استعمال نہیں کر سکتا۔

انھیں یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ وہ تین سال کے اندر اندر اسپینی زبان سیکھ لیں، اس کے بعد کسی کو عربی بولنے، لکھنے یا پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی اور عربی میں لکھی ہوئی ہر دستاویز کالعدم سمجھی جائے گی۔

موریسکو اپنی آزادی کھو چکے تھے۔ اپنی جائیدادوں سے محروم ہو چکے تھے۔ ان کی تہذیب مسخ ہو رہی تھی اور اب ان کے لیے وہ زبان بھی ممنوع قرار دی جا رہی تھی جو اپنے ماضی کے ساتھ ان کا واحد رشتہ اور اسلامی دنیا کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا واحد ذریعہ تھی ۔

○

غرناطہ کا فوجی گورنر مارکوئس آف مونڈیجار ایک تجربہ کار سپاہی تھا اور اس نے بغاوت کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے کلیسا کے اکابر کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس قسم کے سخت احکامات نافذ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیں لیکن فلپ ثانی راہبوں کو خوش کرنے پر تلا ہوا تھا۔

یہ فرمان اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکا ثابت ہوا اور وہ معرکہ شروع ہوگیا جسے مغربی مورخ غرناطہ کی دوسری بغاوت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

۲۳، دسمبر ۱۵۶۸ء کو غرناطہ پر باغیوں کا حملہ بڑا زوردار تھا لیکن البسین

کی مورسکو آبادی نے ان کا ساتھ نہ دیا اور وہ شہر پر قبضہ نہ کر سکے ____ تاہم کوہستانی علاقوں میں باغیوں کو غیر معمولی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

باغیوں کی اعانت کے لیے الجزائر کا وائسرائے رضاکاروں کے دستے اور اسلحہ بھیج رہا تھا اور ترکوں کے بربر حلیفوں کی طرف سے بھی انھیں اسلحہ اور گولہ بارود مل رہا تھا ____ چنانچہ چند ہفتوں کے اندر اندر وہ ہزاروں راہب اور حکومت کی چوکیوں کے محافظ قتل ہو چکے تھے، جس کے اسلاف کلیسا کی آگ کو البخارہ کی وادیوں میں لے گئے تھے ____

باغیوں نے غرناطہ کے ایک مورسکو "ڈان ہرنینڈو ڈی کارڈوا" کو اپنا راہنما بنا لیا۔ یہ شخص خلیفہ عبدالرحمٰن کی اولاد میں سے تھا لیکن غرناطہ میں اس کا ماضی ایسا نہیں تھا کہ کوہستانی قبائل کے سنجیدہ لوگ اپنی موت و حیات کی کش مکش میں اسے کسی ذمہ داری کے قابل سمجھتے تاہم اسے ایک اعلیٰ خاندان کا فرد سمجھتے ہوئے باغیوں نے دھوم دھام سے اس کی تاجپوشی کی اور اس کا نام ابنِ امیہ رکھا گیا۔

لیکن اجتماعی بقا کی یہ جنگ کسی بادشاہت کے لیے نہیں لڑی جا رہی تھی اور اس میں حصہ لینے والوں کا جوش اور ولولہ اس کے بلند مقاصد کی تکمیل کی صورت میں ہی جاری رہ سکتا تھا، لیکن ترک اور الجیریا کے رضاکار جو اہلِ اندلس کے جہادِ آزادی میں حصہ لینے آئے تھے، ابنِ امیہ کے ذاتی کردار سے متنفر ہو گئے اور کسی نے اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا۔[1]

یہ بغاوت دو سال رہی اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ

---

[1] ایک روایت کے مطابق ابنِ امیہ نے دم توڑتے وقت یہ اعتراف کیا تھا کہ وہ دل سے عیسائی ہے اور صرف اپنے بعض ذاتی دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے باغیوں کے ساتھ شامل ہوا تھا۔

باغی اندلس کے کسی ایک حصے میں کوئی شاندار کامیابی حاصل کرنے کے بعد چند دنوں کے لیے مطمئن ہو جاتے۔ پھر حکومت کی طرف غرناطہ کے مورسکو ایلچی بن کر جاتے تھے اور باغی عام معافی کے اعلان پر ہتھیار پھینک دیتے۔

پھر کسی شہر میں نصرانیوں کا لشکر جمع ہوتا اور مورسکو باغیوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ ان کے مرد فوج کی حفاظت میں ایک عارضی مدت کے لیے فلاں شہر چلے جائیں۔ اس کے بعد ان کی عورتیں اور بچے ان کے پاس بھیج دیے جائیں گے جب حکومت کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ اب کسی بد امنی کا کوئی خطرہ نہیں تو وہ اطمینان سے اپنے گھروں میں واپس آسکیں گے ——— پھر عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاتا تھا اور مویشیوں کی طرح فروخت کیا جاتا تھا

اس ظلم کے خلاف کسی اور علاقے میں انتقام کی آگ بھڑک اُٹھتی تھی ——— مونڈیجار ایک تجربہ کار سپاہی تھا اور بلاوجہ کسی پر ظلم کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ باغی ہتھیار ڈال دیں اور اُن کے دوبارہ اُٹھنے کا امکان باقی نہ رہے۔

دوسری طرف فلپ ثانی کی حکمتِ عملی پر اُن راہبوں کی خواہشات غالب آچکی تھیں جو اندلس میں مورسکوز کو بھی مسلمانوں کی آخری نشانی سمجھ کر مٹا دینا چاہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بغاوت سیرا نوادا، رندہ، ورمیجا کے کوہستانوں سے لے کر مرسیہ، بیغہ اور وادی آش تک پھیل گئی اور کلیسا کے محافظ اندلس میں ایک خوفناک انقلاب کے آثار دیکھنے لگے۔

لیکن یہ اس لشکر کی جنگ تھی جس کا کوئی مرکز نہ تھا۔ مورسکوز نے قریباً پون صدی سے کسی باقاعدہ جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ وہ اسلحہ کے استعمال سے ناواقف ہو چکے تھے۔ تاہم وہ موت وحیات سے بے پروا ہو کر مختلف

مقامات پر لڑتے رہے۔ اگر کسی مقام پر کوئی منظم مدافعت ہوئی یا نصرانیوں کو پسپا ہونا پڑا تو باغیوں کی یہ کامیابیاں ان ترک اور الجزائری رضاکاروں کی راہنمائی کا نتیجہ تھیں جو جنگوں کا تجربہ رکھتے تھے۔

فلپ نے اپنے نقصانات اور جنگ کی طوالت سے پریشان ہوکر اپنے سوتیلے بھائی ڈان جان آف آسٹریا[1] کو لشکر کی کمان سونپ دی اور اپنی تمام افواج میدانِ جنگ میں جھونک دیں۔

ساحل کی حفاظت کے لیے ڈان جان کو ہسپانیہ کی مدد کے لیے اطالیہ کا بیڑا مل گیا۔ ڈان جان نے بذاتِ خود میدانِ جنگ میں لشکر کی راہنمائی کی اور تھکے ہارے سپاہیوں میں ایک نیا ولولہ پیدا کرنے کے لیے ان کی تنخواہوں میں اضافے کا اعلان کر دیا۔ تاہم ڈان جان کو قدم قدم پر شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا —— اندلس کے مقہور و مجبور انسانوں میں برسوں کے مظالم نے کوئی ایسی قوت پیدا کر دی تھی جو حکومت اور کلیسا کی توقع کے سراسر خلاف تھی۔ لیکن مورسکوز کا المیہ یہی نہیں تھا کہ وہ پون صدی سے اسلحہ سے محروم چلے آتے تھے اور جنگ کے نئے طریقوں سے اس قدر ناواقف ہو چکے تھے کہ وہ کسی میدان میں اپنی اجتماعی قوت کا مظاہرہ کرنے سے قاصر رہے —— بلکہ سب سے عظیم المیہ یہ تھا کہ عین اس وقت جبکہ ترکوں کی فوجی مداخلت[2] اس جنگ میں ایک

---

[1] چارلس پنجم کا یہ بیٹا ایک جرمن خاتون باربرا بلوم برگ سے پیدا ہوا تھا۔

[2] اس زمانے میں اسپین میں وینس کا سفیر لیونارڈز ڈونیٹو لکھتا ہے کہ اگر ترک وینس پر حملہ کرنے کی بجائے مورسکوز کی اعانت کے لیے اسپین پر حملہ کر دیتے تو یہ باغی وہاں ایسی آگ لگا دیتے جسے بجھانا ناممکن ہو جاتا۔ جب یہ بغاوت مرسیہ، قتلونیہ، اور ارغون وغیرہ میں پھیل جاتی تو فرانس

(باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

فیصلہ کن عنصر ثابت ہو سکتی تھی، وہ دوسرے محاذوں پر مصروف ہو گئے تھے ــــ
اور صرف الجزائری اور ترک رضاکاروں کے چند دستے وہاں پہنچ سکے۔

تاہم ساحل بربر کے جہازران باقاعدہ انھیں اسلحہ پہنچاتے رہے اور اسپین اور اطالیہ کے بیڑے ان کا راستہ نہ روک سکے۔

مارچ ۱۵۷۱ء یعنی جنگ کے آغاز سے اڑھائی سال بعد باغیوں کا آخری سردار ابو عبداللہ ایک ایسے غدار کے ہاتھوں قتل ہوا جو غرناطہ کے کارڈینل بشپ کے ساتھ اپنے ضمیر کا سودا کر چکا تھا ــــ اور چھ ماہ مزید مقابلہ کرنے کے بعد باغیوں کی ہمت جواب دے گئی ــــ پھر مغلوب ہونے والے اس تشدد کا سامنا کر رہے تھے جس کی نظیر مغرب کی تاریخ کے کسی اور دور میں نہیں ملتی ــــ

کوہستانی علاقے میں جو بستی نصرانی فوج کے سامنے آتی، اسے تباہ و برباد کر دیا جاتا تھا۔ جو مرد گرفتار ہوتا تھا، وہ یا تو قتل کر دیا جاتا تھا یا پابہ زنجیر جہازوں پر مشقت کے لیے بھیج دیا جاتا تھا۔ بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا جاتا تھا ــــ پہاڑوں کی ایک ایک کھوہ تلاش کی جاتی تھی۔ جو لوگ غاروں سے باہر نکل آتے تھے، انھیں بے دریغ قتل کر دیا جاتا تھا۔ جو اندر رہ جاتے تھے

کے ہیوگوناٹ فرقہ کے لوگ جو اسپین کے کیتھولک چرچ کے ازلی دشمن تھے، شمال سے پہاڑ عبور کر کے مورسکوز باغیوں کے ساتھ مل جاتے تو پورے اسپین میں تباہی مچا دیتے ــــ وینس کے سفیر کی یہ بات اس لیے بھی قابلِ یقین معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ فرانس یورپ کی جنگوں میں ترکوں کے طرف دار تھے ــــ اگر ترک آسٹریا میں اپنی قوت ضائع کرنے کی بجائے خشکی کے راستے اسپین کا رُخ کرتے تو راستے میں فرانس ان کا حلیف ہوتا اور پھر شاید مغربی دُنیا کی تاریخ اس سے مختلف ہوتی۔

وہ باہر آگ جلا کر ہلاک کر دیے جاتے تھے۔

اس کے بعد صوبہ غرناطہ کی تمام رہی سہی مورسکو آبادی کو وہاں سے نکالنے کی تجویز پر عمل ہوا اور یہ حکم جاری کیا گیا کہ اگر سولہ سال سے زائد عمر کا کوئی مرد غرناطہ سے تیس میل کے دائرے میں دیکھا گیا تو اسے موت کی سزا دی جائے گی اور اگر نو سال سے زائد عمر کی کوئی لڑکی اس رقبے میں پائی گئی تو اسے کنیز بنا لیا جائے گا۔ چنانچہ مورسکوز کو بھیڑ بکریوں کی طرح قسطلہ اور دوسرے شمالی علاقوں میں ہانک دیا گیا۔

ان میں سے بے شمار ایسے تھے جو راستوں میں بھوک اور سردی سے ہلاک ہو گئے۔ جو لاوارث بچے وہ اپنے پیچھے چھوڑ آئے تھے انھیں پرانے عیسائیوں کے سپرد کر دیا گیا تھا تاکہ وہ انھیں تعلیم و تربیت سے عیسائی بنا کر ثوابِ آخرت حاصل کریں ـــــ لیکن اس کا عملی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شہروں کی گلیوں میں بھیک مانگتے پھرتے تھے۔

۱۵۶۸ء کی بغاوت کی ناکامی کے بعد مورسکو جسمانی لحاظ سے مغلوب ہو چکے تھے ـــــ اس کے بعد کلیسا کے راہبوں کے لشکر اپنی روحانی برتری منوانے کے لیے میدان میں آ چکے تھے ـــــ اور انکوی زیشن کی آگ کے شعلے آئے دن بلند ہوتے جا رہے تھے۔

مجرموں کو زندہ جلانے یا دوسری سزائیں دینے کی رسم انتہائی مقدس سمجھی جاتی تھی۔ یہ ایک قومی میلہ ہوتا تھا جس میں بادشاہوں سے لے کر ادنیٰ آدمیوں تک شرکت کرنا کارِ ثواب سمجھتے تھے اور اس کے نظم و ضبط کو بادشاہ، ملکہ، امرائے سلطنت، محتسبِ اعظم اور کلیسا کے دوسرے اکابر کی شایانِ شان بنانے کے لیے باقاعدہ مشق کی جاتی تھی۔

مختلف الزامات میں سزا پانے والے ملزموں کو مسلح پہریداروں، انکوی زیشن کے افسروں اور راہبوں کے جلوس میں ایک خاص ترتیب سے نکالا جاتا تھا۔[1]

پھر جس طرح قیصرانِ روم اور ان کے سینٹ کے ممبروں اور مذہبی کاہنوں کے سامنے ان کے معتوب غلاموں کو بھوکے شیروں کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا، اسی طرح ہسپانوی شہنشاہ، اس کی رعایا اور مذہبی پیشواؤں کے سامنے بے گناہ انسانوں کو آگ میں جلانے کی رسومات ادا کی جاتی تھیں ـــــ جب آگ کے شعلوں میں کسی بے گناہ کی چیخیں سنائی دیتی تھیں تو لوگ اس بات پر خوشیاں مناتے تھے کہ انکوی زیشن نے ایک مقدس فریضہ ادا کر دیا ہے۔

اب مسلمانوں کی تاریخ ان بے بس انسانوں کی تاریخ تھی جن کے اسلاف نے اجتماعی ہلاکت کا راستہ اختیار کیا تھا۔ تاہم اس لٹے ہوئے منتشر قافلے میں کہیں کہیں وہ لوگ بھی دکھائی دیتے ہیں جو تاریک راتوں میں شہابِ ثاقب کی طرح نمودار ہوتے تھے ـــــ جن کی جرأت، تھکے ہارے مسافروں کو ایک نیا عزمِ سفر عطا کرتی تھی۔

تاریخ کا طالب علم جب ان لوگوں کے عزم و ہمت کی داستانیں پڑھتا ہے جنھوں نے سولھویں صدی کے مختلف ادوار میں ظلم کے خلاف

---

[1] سزا پانے والوں کو سن بنیٹو پہنایا جاتا تھا اور سر پر لمبی مخروطی ٹوپی پہنائی جاتی تھی۔ جلائے جانے والوں کے لباس پر آگ کے شعلوں اور شیطان کی تصویریں بنائی جاتی تھیں۔ راہبوں کی سب سے بڑی کوشش یہ ہوتی تھی کہ جلنے والوں میں سے کوئی کلیسا کے متعلق نازیبا الفاظ نہ کہہ دے۔ اس لیے جن پر سخت کلامی کا شبہ ہوتا تھا، ان کے منہ اس طرح کس کر باندھ دیے جاتے تھے کہ ان کے حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکے۔

آواز اٹھائی تھی اور اپنی زندگی اور موت سے بے پرواہ ہو کر کلیسا اور حکومت کا مقابلہ کیا تھا تو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ان کے اسلاف کو اس وقت کیا ہو گیا تھا جب غداروں کا ایک گروہ سرزمین اندلس پر ہمیشہ کے لیے ان کی قسمت کا فیصلہ کر رہا تھا۔

سولھویں صدی عیسوی کے ربع آخر اور سترھویں صدی کے ابتدائی چند سالوں کی تاریخ مورسکوز کی مظلومیت اور انکوی زیشن کے ناقابلِ بیان مظالم کی تاریخ ہے۔

اندلس کے مسلمان اپنے ماضی سے کٹ چکے تھے —— حال سے مایوس اور مستقبل سے ناامید ہو چکے تھے۔ لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے صرف زندہ رہنے کے لیے اصطباغ لیا تھا، ایک صدی گزرنے کے باوجود بھی اپنے سینوں میں اسلام کے لیے ایک تڑپ محسوس کر رہے تھے، چنانچہ اندلس میں مورسکوز کے آخری ایام کی تاریخ ان لوگوں کے تذکرہ سے خالی نہیں جو آگ کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔

○

فلپ سوئم کے دور میں حکومت اور کلیسا نے ۱۶۰۹ء میں یہ فیصلہ کیا کہ نئے عیسائیوں یعنی مورسکوز کا کسی بھی حالت میں اسپین کے اندر رہنا خطرناک ہے۔ کیونکہ ایک عام اندازے کے مطابق اس وقت بھی یہ حالت تھی کہ مورسکوز بیرونی حملہ آور کے لیے ایک لاکھ مددگار مہیا کر سکتے تھے ——

سپین کو اب صرف ترکوں یا ساحل افریقہ کے مسلمانوں سے ہی نہیں بلکہ یورپ میں اپنے عیسائی حریفوں بالخصوص فرانس سے بہت خطرہ تھا۔ چنانچہ

موسمِ خزاں ۱۶۰۹ء سے مورسکوز آبادی کو سپین کے مختلف علاقوں سے باری باری ملک بدر کرنے کی ابتدا ہوئی۔ حکومت نے سب سے پہلے بلنسیہ کی طرف توجہ دی جہاں مورسکوز آبادی سب سے زیادہ اور سب سے خطرناک سمجھی جاتی تھی۔

جب انھیں ہانک کر جہازوں پر سوار کیا جا رہا تھا تو کلیسا کو اس بات پر حیرت تھی کہ وہ آہ و بکا کی بجائے خوشی کے ترانے گا رہے ہیں اور جو تھوڑا بہت اثاثہ اُن کے پاس رہ گیا تھا اسے اس خوشی میں لُٹا رہے ہیں کہ انھیں اپنی ذِلّت کے مسکن سے آزادی نصیب ہو رہی ہے۔

مورسکوز آبادی کے ایک حِصّے نے ملک چھوڑنے سے اِنکار کر دیا اور پہاڑی علاقے میں بغاوت کر دی۔ حکومت کی افواج نے چند خونریز معرکوں کے بعد یہ بغاوت کچل دی جس میں ہزاروں مورسکوز مارے گئے۔

۱۶۱۰ء تک اندلوسیہ، غرناطہ، قسطلہ، ایلٹرے، ماڈورا اور ارغوان کے صوبے مورسکوز کے وجود سے خالی ہو چکے تھے۔ شمالی علاقوں سے ہزاروں آدمیوں نے کوہِ پیرے نیز عبور کیا اور فرانس میں پناہ لی۔ ان میں سے جن کے پاس کچھ وسائل تھے، وہ فرانس سے ہجرت کر کے افریقہ پہنچ گئے اور باقی اِدھر اُدھر منتشر ہو کر بھکاریوں کی زندگی بسر کرتے رہے۔

چند سال ہسپانوی حکومت کی ساری توجہ مورسکوز آبادی کو ملک بدر کرنے پر مرکوز رہی لیکن اس کے باوجود یہ شکایت عام تھی کہ سپین ان کے وجود سے پاک نہیں ہوا ـــــ سپین جیسے ملک میں چند ہزار انسانوں کا پہاڑوں اور غیر آباد علاقوں میں چھپ رہنا مشکل بات نہ تھی۔ پھر بعض مورسکوز ایسے بھی تھے جو ایک راستے ملک سے باہر نکالے جاتے تھے اور دوسرے راستے واپس آ جاتے

تھے۔ اس ذِلت، رسوائی اور ظلم و تشدد کے باوجود اسپین کے سوا انھیں کوئی اور جائے پناہ نظر نہ آتی تھی۔

۱۶۱۴ء میں غرناطہ کے اسقفِ اعظم نے اعلان کیا کہ اب سپین مورسکوز آبادی کے وجود سے پاک ہو چکا ہے اور ہمیں دینِ مسیحؑ کی اتنی عظیم فتح پر خوشیاں منانی چاہئیں۔

یورپ کے مختلف مؤرخوں کے اندازوں کے مطابق سترھویں صدی کے ابتدائی سالوں میں اندلس سے ملک بدر کیے جانے والے مورسکوز کی آبادی پانچ سے لے کر دس لاکھ تک بیان کی جاتی ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو حکومت کے انتظام میں نکالے گئے تھے۔

ان میں کئی بدنصیب ایسے بھی تھے جنھیں راستے میں ہی قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا جاتا تھا۔ جو لوگ پیرے نیز عبور کر کے فرانس پہنچ گئے تھے، وہ قتل ہونے سے تو بچ گئے، لیکن ان کی ساری پونجی لوٹ لی گئی تھی۔

جو مورسکو ساحلِ بربر پر اُتارے گئے تھے، وہ اپنے آبائی وطن یعنی ہسپانیہ کی طرح افریقی ممالک میں بھی اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتے تھے ـــــ ابتدا میں مقامی آبادی کی بے توجہی اور بے رُخی سے انھیں کافی مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن آہستہ آہستہ اُن کے درمیان اسلام کے رشتے زندہ ہوتے گئے اور وہ ایک دوسرے کو بچھڑے ہوئے بھائیوں کی طرح دیکھنے کے عادی ہوتے گئے۔

اہلِ مراکش کا سپین کے ساتھ زیادہ قریبی رشتہ تھا اور مورسکو آبادی کی ایک بڑی تعداد ۱۶۰۸ء میں جلاوطنی کے احکامات جاری ہونے سے بہت پہلے ساحلِ بربر کے جہاز رانوں کی مدد سے وہاں منتقل ہو چکی تھی۔

یہ مہاجر، مقامی آبادی میں جذب ہو چکے تھے اور مورسکو کا لفظ ان کے لیے ایک گالی تھا۔ لیکن ان کی یہ اُمید مدّتوں قائم رہی کہ وہ دوبارہ اندلس جا کر اپنے ویران گھر آباد کریں گے۔ چنانچہ مراکش میں بعض ایسے گھر اب بھی موجود ہیں جہاں دیواروں کے ساتھ اندلس کے ان مکانوں کے تالوں کی کنجیاں ابھی تک لٹک رہی ہیں جہاں صدیوں قبل ان کے اسلاف رہتے تھے ——— اسلامیانِ اندلس کی کتنی داستانیں ہیں جو ان زنگ آلود کنجیوں پر نقش ہیں۔

کسی مؤرخ نے ان بدنصیب لوگوں کے متعلق کچھ نہیں لکھا جنھیں غلام بنا کر امریکہ بھیجا گیا تھا، لیکن آج بھی جنوبی امریکہ کے ممالک بالخصوص میکسیکو میں ایسے بے شمار لوگ موجود ہیں جنھیں دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی رگوں میں عرب یا بربر خون ہے۔

ہسپانیہ میں مورسکو کلی طور پر ختم نہیں ہوئے تھے ——— ہزاروں کمسن بچوں کو ان کے والدین سے چھین لیا گیا تھا۔ ہزاروں عورتیں لونڈیاں بنالی گئی تھیں اور اندلس کے جنوبی علاقوں کے لوگوں میں آج بھی ان لوگوں کے خون کی آمیزش دکھائی دیتی ہے ٭

○

انکوی زیشن کی آگ دو صدیاں اور جلتی رہی اور صرف سپین ہی نہیں بلکہ پورا یورپ اس کی ہولناکیاں دیکھتا رہا۔ کیتھولک چرچ جس قدر یہودیوں اور مسلمانوں کا دشمن تھا، اسی قدر مارٹن لوتھر کے پیروکاروں یا پروٹسٹنٹ فرقہ کے لیے بے رحم تھا۔ سترھویں صدی کے آغاز میں مورسکوز کی طرف سے اطمینان کا سانس لینے کے بعد ہسپانوی حکومت کی ساری توجہ کیتھولک چرچ

کے باغیوں پر مبذول ہو چکی تھی۔

مقصد کسی کی اصلاح نہ تھا بلکہ ان لوگوں کی تسکین کا سامان مہیا کرنا تھا جنھیں ہمیشہ یہ شکایت رہتی تھی کہ اس مہینے زندہ جلائے جانے والوں کی تعداد بہت کم تھی یا کلیسا کے راہب اپنے فرائض سے غافل ہوتے جا رہے ہیں۔

انکوی زیشن کے جو ملازم اس شکایت کو دُور کرنے کے لیے پہلے مورسکوؤ کو اذیتیں دے کر یہ اعتراف کرایا کرتے تھے کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے ——— اب کیتھولک عیسائیوں کو اذیتیں دے کر یہ بیان لیا کرتے تھے کہ وہ دل سے کیتھولک نہیں ہیں ——— عام طور پر مالدار عیسائی جھوٹے الزامات میں پھانسے جاتے تھے۔

کسی پر جادوگری کے شیطانی کاروبار کا الزام لگانے کے لیے صرف ایک دو جھوٹے گواہوں کی ضرورت ہوتی تھی، لیکن یورپ کے بعض ممالک میں انکوی زیشن ان تکلفات سے بھی آزاد ہو گئی تھی۔

راہب ایک ایسی لکڑی جس کے ایک سرے پر دو شاخیں ہوتی تھیں، پکڑ کر گلیوں میں نکلتے تھے۔ دونوں شاخیں ان کے ہاتھوں میں ہوتی تھیں اور بھاری سرا سیدھا آگے رکھا جاتا تھا۔ جس مکان کے سامنے اس لکڑی کا بھاری سرا ذرا جھک جاتا تھا، اس کے مکین جادوگری کے جرم میں گرفتار کر لیے جاتے تھے ——— انکوی زیشن کے اذیت خانوں میں ان سے اعترافِ گناہ کروانے کے بعد کئی اور بے گناہوں کے خلاف بیانات لے لیے جاتے تھے۔

○

اس وحشت و بربریت کی داستانیں بیشمار ہیں جسے اندلس کے کلیسا نے جنم دیا

تھا۔ راہبوں کی یہ تہذیب ایک آگ تھی۔ لوگ تورکمیڈا اور زمینس جیسے لوگوں کو بھول چکے تھے، لیکن انسانیت کے خرمن میں جو آگ انھوں نے سلگائی تھی، مدتوں جلتی رہی ـــــ کبھی اس کی ہولناکیاں افریقہ کے تاریک گوشوں میں دیکھی جاتی تھیں جسے فرزندانِ کلیسا غلاموں کی منڈی سمجھتے تھے اور کبھی اس آگ کے شعلوں سے نئی دُنیا کے قدیم باشندوں کی بستیاں بھسم ہوتی تھیں۔

لیکن ہماری یہ داستان اُس عظیم قوم کے آخری سانس کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے جس کے اولوالعزم فرزندوں نے طارق بن زیاد کی قیادت میں ہسپانیہ کے ساحل پر قدم رکھا تھا اور ظالموں اور مظلوموں، زیردستوں اور بالادستوں کی اس زمین میں عدل و مساوات کے پرچم بلند کیے تھے۔ جس نے قرطبہ، اشبیلیہ، طلیطلہ اور غرناطہ میں علم کے خزانے بکھیر دیے تھے ـــــ جس کی درسگاہیں اہلِ مغرب کے لیے روشنی کے مینار تھیں۔

اس قوم نے صدیوں فتوحات کے پرچم بلند کیے ـــــ اس پر قدرت کے انعامات کی بارش ہوئی ـــــ پھر وہ صدیوں انحطاط اور گمراہی کے راستوں پر گامزن رہی ـــــ اسے بار بار سنبھلنے کا موقع ملا ـــــ ایسے راہنما پیدا ہوتے رہے جو اسے مستقبل کے خطرات سے آگاہ کرتے تھے۔ لیکن وہ سلامتی کے راستے سے انحراف کر چکی تھی اور اس کا مٹ جانا ان حالات کا منطقی نتیجہ تھا جو اس نے بذاتِ خود پیدا کیے تھے ـــــ اس نے ایک ایسے دَور میں بھیڑوں کی زندگی اختیار کی تھی ـــــ جب اس کے گرد بھیڑیوں کا گھیرا تنگ ہو چکا تھا ـــــ ان کی موت و حیات کا فیصلہ اُن غداروں کے ہاتھ میں تھا جو ان کی آزادی اور بقا کے بدترین دشمنوں کے آلۂ کار تھے۔

غرناطہ کے سقوط کے ساتھ اسلامیانِ اندلس کی آزادی کا آخری حصار منہدم ہو چکا تھا۔ اس کے بعد قریباً سوا سو سال تک زمانے کی نگاہوں نے انھیں کبھی تڑپتے، کبھی سسکتے اور کبھی آہستہ آہستہ دم توڑتے دیکھا تھا ـــــ انھوں نے صرف اس زمین پر سانس لینے کے لیے زندگی کی تمام خواہشات ترک کر دی تھیں ـــــ لیکن ان کی حالت جنگل کے اُن جانوروں کی سی تھی جنھیں بھُوکے درندوں نے گھیر لیا ہو ـــــ

قرطبہ کی پرشکوہ مسجد اور غرناطہ میں الحمرا کے عظیم الشان محل آج بھی دُنیا بھر کی سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہیں ـــــ لیکن اندلس کے دوسرے شہروں میں کئی عمارات ایسی ہیں جو تباہ ہو چکی ہیں انھیں دیکھ کر آج بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان گنت شہیدوں کی ارواح ان کا طواف کرتی ہیں ـــــ

اور اگر ماضی کے یہ نشان ان شہیدوں کی طرف سے ہمیں کوئی پیغام دے سکتے ـــــ یا اگر کوئی طارقؒ، کوئی عبدالرحمٰن، کوئی موسیٰ بن ابی غسان یا حامد بن زہرا ماضی کے پردوں سے نکل کر چند لمحات کے لیے ہم سے ہمکلام ہو سکے ـــــ تو شاید وہ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالمِ اسلام کے لیے تاریخ کا یہ سبق بار بار دہرانے کی ضرورت محسُوس کرے :

"غرناطہ، اندلس کے مسلمانوں کا آخری حصار تھا اور جب ـــــ اپنی زوال پذیر تاریخ کی آخری دو صدیوں کے دوران تخت و تاج کے جھوٹے دعویداروں اور ملّت فروشوں کی پیہم سازشوں کے باعث یہ حصار بھی ٹوٹ چکا تھا تو ہسپانیہ کا کوئی گوشہ ان کے لیے محفوظ نہ تھا

ـــــ بنو احمر کی اس چھوٹی سی سلطنت کا خاتمہ دراصل شمال

کے ان لاکھوں انسانوں کی بھی موت تھی جو ۱۴۹۲ء سے چند صدیاں قبل آزادی سے محروم ہو چکے تھے اور اس سہارے پر زندگی کے سانس لے رہے تھے کہ:

—— غرناطہ کی بدولت ان کا قومی تشخص قائم ہے!

—— کسی دن اس سرزمین سے طارق، عبدالرحمٰن اور منصور کی قوم سے کوئی اولوالعزم مجاہد نمودار ہوگا ——

جب ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے تو افریقہ کے صحرا سے کوئی یوسف بن تاشفین اسلام کی غیرت کا امین بن کر آئے گا اور —— وہ یا اُن کی آئندہ نسلیں وادی الکبیر کے کنارے اُس کا استقبال کریں گی" —— لیکن سقوطِ غرناطہ کے ساتھ ہی اُن کے مستقبل کے سارے اُفق تاریکیوں میں ڈوب چکے تھے ——

اب ہسپانیہ وہ ملک نہیں تھا جس کے ایک ایک ذرّے پر ان کے اسلاف کی عظمت کی داستانیں لکھی ہوئی تھیں، وہ وطن بھی نہ رہا تھا جہاں وہ مغلوب ہونے کے باوجود زندہ رہ سکتے تھے، بلکہ وہ ایک شکارگاہ بن گئی تھی —— ایک ایسی شکارگاہ جہاں ان سے جنگل کے بے بس جانوروں کی طرح زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا گیا تھا —— ایک ایسا قبرستان تھا جس کا تصور کرتے ہوئے ہم آج بھی اُن انسانوں کی ارواح کی فریادیں سُن سکتے ہیں جن کے اسلاف کے خون سے تاریخِ اسلام کی ناقابلِ فراموش داستانیں لکھی گئی تھیں اور جن کے نااہل حکمرانوں، حریص قسمت آزماؤں اور غداروں نے اجتماعی ہلاکت کے اسباب پیدا کر دیے تھے

وہاں ستم رسیدہ انسانیت کی یہ چیخیں مسلسل سُنائی دیتی ہیں کہ :

——— کوئی قوم وطن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اور کوئی وطن اپنے باشندوں کے اتحاد، یقین وایمان، عزم وہمت اور ایثار کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

اجتماعی بقا کے راستے صرف اجتماعی ضمیر کی روشنی میں دکھائی دیتے ہیں اور ——— کسی گروہ کے لیے اجتماعی گناہوں کی سزا' اس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے قومی تشخص سے محروم ہو جائے ———

اندلس کے مسلمانوں کی یہی بدقسمتی نہ تھی کہ اُنھوں نے نیک وبد کے پیمانے بدل دیے تھے ——— وہ اپنے دین کی حدود سے باہر نکل آئے تھے جو اندلس میں اُن کی پہلی اور آخری جائے پناہ تھی

——— انھوں نے اس وقت اپنی قبائلی اور گروہی عصبیتوں کو زندہ کیا تھا جب ——— اپنے اجتماعی بقا کے دشمن کا سامنا کرنے کے لیے انھیں زیادہ سے زیادہ متحد اور منظم ہونے کی ضرورت تھی ——— بلکہ ان کی بدنصیبی یہ بھی تھی کہ وہ اسی وطن میں اجنبی بن چکے تھے جہاں ان کے آباو اجداد نے عدل وانصاف انسانیت وشرافت کے پرچم بلند کیے تھے

——— سقوطِ غرناطہ کے بعد اس بدنصیب قوم کے اسلامی دنیا سے تمام رشتے کٹ گئے تھے

——— یہاں تک کہ جب انھیں جیتے جی جہنم کی

آگ میں دھکیلا جارہا تھا، اس وقت بھی ان کا نوحہ لکھنے والا
کوئی موجود نہ تھا!"

"الغیاث"
بی - ۳۳
سٹیلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

نسیم حجازی
۱۲ر جنوری ۱۹۷۶ء